سید علی محمد نقوی

پیش لفظ

فقہی مسائل کے استنباط کے لئے فقیہ کو بہت سے علوم میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے اہم ترین مسئلہ روایات سے حکم شرعی کا استنباط ہے، قرآن کریم قطعی السند ہونے کے ناطے مورد یقین ہے کہ اس میں حکم بھی ہے وہ خداوند کا فرمان ہے، کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، لیکن احادیث میں یہ قطع و یقین موجود نہیں ہے، اس لئے کہ مجموعہ روایات میں بڑی تعداد روایات موضوع ہیں اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں نے حدیثیں وضع کیں اور انہیں رسول خدا ﷺ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف منسوب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا، ہمارے پاس متواتر روایات بڑی تعداد میں نہیں ہیں، بلکہ زیادہ تر روایات خبر واحد کی صورت میں ہیں یعنی اس کی سند میں رواۃ کی کثرت نہیں ہے لہٰذا ان کے بارے یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ معصوم نے فرمائی ہے جبکہ حکم شرعی پر دلیل کا قطعی ہونا شرط ہے۔ یہاں سے "علم رجال" کی ضرورت واہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ ایک علم ہونا چاہئے جو ہمیں راویوں کے بارے آگاہی دے اور اس کے ذریعے ایسے قواعد وضوابط حاصل ہو سکیں جن کی بناء پر راوی کی روایت پر اعتماد کرنے یا نہ کرنے کا حکم لگایا جا سکے، روایات میں جعلی روایات پیش کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

﴿قد كثرت عليّ الكذّابة فمن كذب عليّ متعمّدًا فليتبوّ مقعده من النار﴾
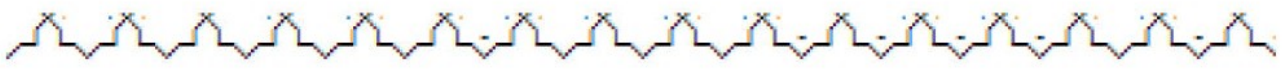
''مجھ پر جھوٹ بولنے والے زیادہ ہو چکے ہیں جو جان بوجھ کر ایسا کرے اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا ہے۔''

(اصول کافی، ج ۱، ص ۶۲ باب اختلاف الحدیث)

حضرت امام جعفر صادق - نے فرمایا:

﴿انّا اھل بیت صدّیقون لا نخلو من کذّاب یکذب علینا و یسقط صدقنا بکذبہ علینا عند الناس﴾

''ہم اہل بیتؑ سچے ہیں، ہم پر جھوٹ باندھنے والے کذاب ایسے ہیں جو لوگوں میں ہماری حیثیت کم کرنے کے لئے ہم پر جھوٹ باندھتے ہیں۔'' (رجال کشی، ج ۱، ص ۳۲۴)

نیز آپ نے مغیرہ بن سعید کے حوالے سے مفصل بیان فرمایا کہ کس طرح وہ میرے بابا کی احادیث میں جھوٹی احادیث شامل کرتا تھا۔ (رجال کشی، ج ۲، ص ۴۰۳)

اس کے علاوہ اور اسباب بھی تھے جیسے تقیہ، آراء ونظریات کا اختلاف، یا راوی کا اشتباہ وغیرہ جن کی وجہ سے حدیث کی سند میں بہت زیادہ توجہ اور دقت نظر کی ضرورت پیدا ہوتی ہے یہاں سے اس علم کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی، لہذا علم رجال کی بحث درحقیقت احادیث کی اہمیت اور اس سے دفاع کے لحاظ سے بہت زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔

والسلام

سید علی محمد نقوی

مدرسۃ الولایۃ اسلام آباد

20-5-2013
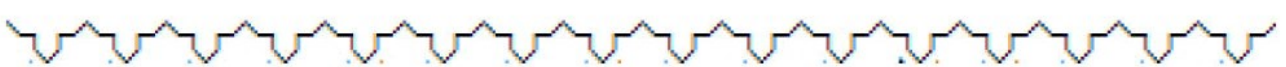
انتساب

اپنی اس کاوش کو اپنے ان اساتذہ کے نام سے منسوب کرتا ہوں جن سے میں نے علم رجال کے علاوہ بہت کچھ سیکھا، ان بزرگوار میں سے وہ بزرگان جن سے میں نے علم رجال کا استفادہ کیا:

حضرت آیت اللہ العظمیٰ شیخ جواد تبریزی قدس سرّہ

حضرت آیت اللہ شیخ جعفر سبحانی مدظلہ العالی

حضرت آیت اللہ سید موسیٰ شبیری زنجانی مدظلہ العالی ہیں

امید ہے خداوند تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اس کاوش کو منظور فرمائے گا۔

فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

علم الرجال

تعریف علم الرجال

۱) علم الرجال علم يبحث فيه عن احوال الرواة من حيث اتصافهم بشرائط قبول رواياتهم و عدمه .

۲) او هو علم يبحث فيه عن احوال رواة الحديث التي لها دخل في قبول قولهم و عدمه.

اصل مقصد رواۃ کے عدول و غیر عدول ، ثقہ و غیر ثقہ، ممدوح و غیر ممدوح ، مہمل و مجہول ہونے کا کشف ہے اور ان کے مشائخ و تلامیذ و طبقات وغیرہ کا کشف ہے۔

موضوعِ علم رجال

موضوعِ علمِ رجال وہ رواۃِ حدیث ہیں جو روایات کی اسناد میں واقع ہیں اور موضوع کو عارض ہونے والے ایسے حالات جو روایت کی قبولیت یا ردّ میں دخالت رکھتے ہوں۔لیکن دوسرے احوال جیسے شاعر و تاجر وغیرہ ہونا یہ اس علم سے خارج ہیں۔

مسائل علم رجال

اس علم میں بحث احوالِ رواۃ سے ہوتی ہے۔

س: پس یہ جزئیات ہیں جبکہ مسائل علم کلی ہوتے ہیں؟

ج: اوّلاً: راوی کے حالات جان کر اس کے بارے کلی حکم لگایا جائے گا مثلاً زرارۃ کے حالات سے یہ حکم لگائیں کہ زرارۃ جو روایات بیان کریں گے وہ ان کے لحاظ سے حجت ہوں گی۔پس بحث یہ ہوگی کہ **کلّ ما یرویه زرارة حجة ام لا و هکذا**....۔

ثانیاً: اصل جواب یہی ہے کہ یہ کس نے کہا کہ علم کے مسائل کا کلی ہونا لازمی شرط ہے۔علوم کے مسائل جزئی بھی ہوسکتے ہیں جیسے جغرافیہ و ہیئت کے مسائل ہیں۔ علم میں اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ ہدف وغرض کے طریق میں واقع ہوسکے کلی ہو یا جزئی۔

علم التراجم وعلم الرجال میں فرق

علم التراجم احوالِ شخصیات وعلماء سے بحث کرتا ہے چاہے وہ رواۃ ہوں یا نہ ہوں جبکہ علم الرجال احوالِ رواۃ سے بحث کرتا ہے۔ہاں !اگر راوی عالم ہوتو علم التراجم والرجال دونوں جمع ہو جائیں گے لیکن حیثیتِ بحث الگ الگ ہوگی۔سند روایت میں واقع ہونے اور اس کی روایت کی قبولیت و ردّ میں دخیل احوال سے بحث علمِ رجال میں ہوگی اور ان کے علم و شخصیت سے بحث دوسری حیثیت ہے۔

علم الرجال وعلم الدرایۃ میں فرق

یہ دونوں علم حدیث ہی کے بارے بحث کرتے ہیں ۔ پہلا سندِ حدیث کے بارے اور دوسرا متنِ حدیث کے بارے، یعنی پہلے میں موضوع محدّث ہے اور غرض اس کی وثاقت وضعف اور مقدارِ ضبط کو جاننا ہے اور موضوعِ دوم حدیث ہے اور غرض اس کی اقسام وعوارض کو جاننا ہے۔مشائخِ ثقات اور ان کی وثاقت وغیرہ سے بحث علم الدرایۃ میں ذکر کرتے ہیں لیکن یہ درحقیقت علم الرجال کے مسائل ہیں۔

الحاجة إلی علم الرجال

اس مورد میں درج ذیل امور مدنظر ہیں:

۱۔ حجیت خبر ثقہ

۲۔ روایات میں صفات راوی کی طرف رجوع کا حکم ہے

۳۔ اسنادِ روایات میں وضاعین و مدلسین کی موجودگی

خبر ثقہ و خبر عدل کی تشخیص علم الرجال سے ہوگی۔ خبر موثوق الصدور اگر حجت ہو تب بھی اس علم کی ضرورت ہوگی۔ یہ قرائن اسی سے مستفاد ہوں گے۔

توضیح

کسی حدیث سے استدلال تین امور پر موقوف ہے:

۱۔ **اصالۃ الظھور:** یعنی حدیث ''**مرویٌ ظاھرٌ فی المراد**'' ہو، یہ مباحث علم اصول فقہ میں سے ہے۔

۲۔ **اصالۃ حجیۃ الظھور:** یعنی حدیث بغیر کسی مانع کے حالتِ تشریع میں وارد ہو، جیسے تقیہ، اسے علم فقہ مقارن بیان کرتا ہے۔

۳۔ **اصالۃ الصدور:** حدیث 'معصوم علیہ السلام سے صادر ہو نہ کہ موضوع و منسوب ہو، یہ معرفتِ احوالِ رواۃ پر موقوف ہے جسے علم الرجال بیان کرتا ہے۔

احادیث میں کذب

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّا اَهلُ بَيتٍ صَادِقُونَ لا نَخلُو مِنْ كَذَّابٍ يَكذِبُ عَلَينَا وَ يُسْقِطُ صِدْقَنَا بِكَذِبِهِ عَلَينَا عِندَ النَّاسِ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص)

اَصْدَقُ الْبَرِيَّةِ لَهْجَةً وَ كَانَ مُسَيْلَمَةُ يَكْذِبُ عَلَيْهِ وَ كَانَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام اَصْدَقَ مَنْ بَرَءَ اللّٰهُ مِن بَعْدِ رَسُولِ اللّٰه (ص) وَ كَانَ الَّذِي يَكْذِبُ عَلَيْهِ وَ يَعْمَلُ فِي تَكْذِيْبِ صِدْقِهِ بِمَا يَفْتَرِي عَلَيْهِ مِنَ الْكِذْبِ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ سَبَاءٍ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَ كَانَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عليه السلام قَدِ ابْتُلِيَ بِالْمُخْتَارِ ثُمَّ ذَكَرَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام الْحَارِثَ الشَّامِيَّ وَ بيان فَقَالَ كَانَا يَكْذِبَانِ عَلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عليه السلام ثُمَّ ذَكَرَ الْمُغِيْرَةَ بْنَ سَعِيْدٍ وَ بَزِيْعًا وَ السَّرِيَّ وَ اَبَا الْخَطَّابِ وَ مَعْمَرًا وَ بَشَّارًا الْاَشْعَرِيَّ وَ حَمْزَةَ الْبَرْبَرِيَّ وَ صَائِدَ النَّهْدِيَّ فَقَالَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ.

ترجمہ: ہم اہل بیت سچے ہیں لیکن ہم پر جھوٹ بولنے والوں کی کمی نہیں رہی جو اپنے جھوٹ کے ذریعے ہماری سچائی کو لوگوں کی نظروں میں گراتے رہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ صادق ترین فرد تھے لیکن مسلمہ کذاب ان پر جھوٹ باندھتا تھا، اسی طرح ہر امام ایسے افراد سے مبتلا رہا۔۔۔

(رجال الکشی، ص ۳۰۵، ما روی فی محمد بن ابی زینب)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس علم کی حاجت کس قدر زیادہ ہے۔ بعض قائل ہیں کہ علم الرجال کی ضرورت نہیں ہے یا تو اس لئے کہ حجیت روایت کا معیار عمل مشہور ہے۔ اگر مشہور کسی روایت پر نہ کریں تو وہ حجت نہیں ہے اس کے راوی ثقہ ہوں یا نہ ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سے مسائل میں مسلک مشہور معلوم نہیں ہو سکتا اور بہت سے مسائل میں شہرت متحقق نہیں ہوئی و ہکذا ...۔ اخباری تمام ان احادیث کو

قطعی الصدور مانتے ہیں جو کتب اربعہ میں ہیں۔آ قائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں ان وجوہ کو ذکر کیا ہے جو انہوں نے بیان کیں اور ان کا جواب دیا ہے۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ عدالت راوی ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے چونکہ اصحاب کتب رجالیہ نے بھی دوسری کتب سے ان کی عدالت کو لیا ہے۔لہٰذا ان کی شہادت حسی تو نہیں ہے۔

علامہ مامقانی نے کہا: تزکیہ راوی شہادت نہیں ہے کہ اس میں شرائطِ شہادت معتبر ہوں بلکہ مقصد تثبت وظن اطمینانی کی تحصیل ہے۔تا کہ قرائن وشواہد تحصیل ہوسکیں کہ صدقِ راوی وصدور روایت پر علم الرجال کی توثیقات کس طرح سے ہیں۔

(۱)وحید بہبہانی سے تعلیقہ میں (المنهج المقال) ظاہر ہے کہ از باب اجتہاد ہے فرمایا: **و الظاهر انه من اجتهاد هم او من باب الرواية كما هو المشهور.**

(۲)**إنه من باب الشهادة** ،انہوں نے اختلاف کیا کہ آیا ایک شاہد کی توثیق کافی ہے یا کم از کم دو نفر توثیق کریں۔مشہور قول اول ہے جیسا کہ شیخ طوسی وعلامہ قائل ہیں۔

لیکن یہ نظریہ درست نہیں چونکہ توثیقات اخبار ہیں احوالِ رواۃ سے لہٰذا اس میں خبر واحد کافی ہے۔

صاحب منتقی المقال نے کہا: **الاقوى عندي عدم الإكتفاء في تزكية الراوي شهادة العدل الواحد**،یعنی ایک عادل گواہ کی طرف سے توثیق کافی نہیں ہے بلکہ دو عادل ضروری ہیں (ج ۱،ص ۱۶)۔لیکن اس کا جواب روشن ہے کہ شہادۃِ عدلین وخبر واحد دونوں حجت ہیں اور شرعاً قائم مقامِ علم ہیں۔

(۳) ازباب اخبار ہیں اوران کی حجیت کی دلیل وہی ادلہ ہیں جو خبر واحد کی حجیت پر قائم ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں چونکہ اس میں حتمی ہونا شرط ہے۔ جو ان میں محقق نہیں۔ توثیقات و تضعیفات رجالیہ جو شیخ طوسی ونجاشی تک پہنچیں حتمی نہیں تھیں بلکہ غالبا روایات صحیحہ کے ذریعے پہنچیں۔ نیز یہ بزرگان محدثین وعلماء سے مربوط تھے لہذا رواۃ کے بارے اخبار انہیں ان کے مشائخ کے ذریعے پہنچیں نیز قرائن بھی ہمراہ تھے۔

ہاں ابن الغضائری توثیق وتضعیف میں اپنے اظہار سے کام لیتے تھے اسی وجہ سے متہم ہوگئے۔ لیکن متقدمین جنہوں نے توثیقات وتضعیفات ذکر کیں:

اوّلا:۔ انہوں نے ان کتب کی طرف رجوع کیا جو ان کے پاس تھیں اوران کتب کی نسبت مصنفین کی طرف ثابت تھی۔

ثانیا:۔ سماع عن ثقۃ، یعنی انہوں نے ثقہ افراد سے خود سنا۔

ثالثاً:۔ اعتماد علی استفاضة بین الاصحاب، یعنی اصحاب کے درمیان معروف ومشہور تھا۔

علم رجال کی بنیادی واساسی کتابیں

الاصول الرجالية الثمانية

۱. رجال ابن الغضائری ۲. رجال الكشي
۳. فهرس النجاشي ۴. رجال الشيخ و فهرسه
۵. رجال البرقي ۶. رسالة ابي غالب الرازی
۷. مشيخة الصدوق ۸. مشيخة الطوسي

اصول کتب رجالی چار ہیں:

۱۔ رجالِ کشی ۲۔ رجالِ نجاشی

۳۔ رجالِ شیخ طوسی ۴۔فہرستِ شیخ طوسی

بعض اصولِ کتب رجالی پانچ شمار کرتے ہوئے انہوں نے رسالہ ابی رازی کا اضافہ کیا ہے۔البتہ ان اصولوں سے پہلے بھی کتب لکھی گئی ہیں جیسے:

۱۔شیخ صدوق، ابو جعفر محمد بن علي (۳۸۱ھ)،نجاشی نے ان کی المصابیح کا تذکرہ کیا ہے جوکہ اسماء رواۃ عن النبي و الآئمة علیہم السلام پر مشتمل ہے۔مشیخہ شیخ صدوق جو آپ نے اپنے مشائخ کے ذکر کے بارے لکھی ہے۔ ۲۰۰ شیخ سے زائد پر مشتمل ہے اور من لا يحضره الفقيه کے آخر میں چھپی ہے۔

۲۔الشیخ ابو عبد اللّٰہ احمد بن عبد الواحد البزار معروف به ابـن غُبْـدون (م ۴۲۳)۔یہ مشائخ شیخ طوسی ونجاشی میں سے تھے۔ان کی کتاب الفهرس تھی جس کی طرف اشارہ شیخ طوسی نے الفہرس میں ترجمہ ابراهيم بن محمد بن سعيد الثقفي میں کیا۔

۳۔الشیخ ابو العباس احمد بن محمد بن سعيد المعروف ابن عُقدة (م ۴۲۹ ج۔ت ۳۳۳ ج)۔ان کی کتاب الرجال ہے۔اس میں ممن روى عن الإمام جعفر الصادق علیہ السلام کے اسماء ہیں۔دوسری کتاب میں بقیہ رواۃ کا ذکر ہے جنہوں نے امام صادق علیہ السلام سے سابق آئمہ علیہم السلام سے روایت کی۔

۴۔احمد بن علي العلوی العقيقي (م ۲۸۰ ج) لـه كتاب تاريخ الرجال۔

۵۔احمد بن محمد الجوهري (۴۰۱م) لـه كتاب الاشتمال في معرفة الرجال۔

۶۔الشیخ ابو العباس احمد بن محمد بن نوح ،لـه رجال الذين

رووا عن ابي عبد الله علیه السلام

۷۔ احمد بن محمد القمي (م۳۵۰ ج) له كتاب الطبقات۔

۸۔ احمد بن محمد الكوفي، نجاشی نے ان کی کتاب الممدوحين و المذمومين ذکر کی گئی ہے۔

۹۔ حسن بن محبوب السرّاد یا زارد (م۴۹اوت۲۲۴ج) روی عن ستين رجلا من اصحاب الصادق علیه السلام و له كتاب المشيخة و معرفة رواة الاخبار۔

۱۰۔ فضل بن شاذان (م بعد۲۵۴وقبل ۲۶۰)، اصحاب امام رضا وامام ہادی علیہما السلام میں سے تھے۔ ان کے رجال کی طرف اشارہ علامہ نے محمد بن سنان کے حالات میں کیا ہے۔(الخلاصة)

اصولِ رجالِ تاریخی تسلسل کے ساتھ اس ترتیب پر ہیں:

۱۔ الرجال لابی جعفر احمد بن ابی عبد الله البرقی (۲۷۴هج)

۲۔ رجال الكشي : اختيار معرفة الناقلين لابى عمرو الكشي (۳۲۹ هج)

۳۔ رجال ابن الغضائري لابى الحسين الغضائری (رمز غض، ۴۱۱ھ)

۴۔ رجال النجاشي : فهرست مصنفات الشيعة لابى العباس النجاشي (رمز جش) ۴۵۰ هج

۵۔ رجال الطوسي : الابواب لابى جعفر محمد بن الحسن الطوسی (رمزجح، ۴۶۰ هج)

٦.   الفهرست لابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی (رمز ست)

۱۔ رجال البرقی

احمد بن ابی عبد اللہ البرقی (۲۸۰ ج)، نجاشی نے کہا:

ابو جعفر اصله کوفي و کان جده محمد بن علي حبسه یوسف بن عمر بعد قتل زید ثم قتله و کان خالد صغیر السنّ فهرب مع ابیه عبد الرحمن إلی برق (قم) و کان ثقة في نفسه، یروی عن الضعفاء و یعتمد المراسیل و صنّف کتبا منها المحاسن ..... و توفی احمد بن ابی عبد اللّٰه البرقی فی سنة اربع و سبعین و مائتین. (رجال النجاشی)

ابو جعفر کوفی الاصل تھے۔ آپ کے دادا محمد بن علی کو یوسف بن عمر نے زید شہید کے قتل کے بعد قید کر لیا۔ پھر قتل کر دیا۔ آپ اپنے باپ کے ساتھ قم کی بستی "برق" کی طرف چلے آئے۔ آپ خود ثقہ تھے لیکن ضعفاء سے روایت کرتے اور مراسیل پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی۔ ان میں سے ایک محاسن ہے۔ آپ کی وفات ۲۷۴ھ میں ہوئی۔

آقائے خوئی نے ان کی کتاب کو اصول خمسہ رجالیہ میں سے شمار کیا ہے۔

(معجم رجال الحدیث، جلد ا، صفحہ ۱۱۳)

رجال البرقی کے بارے اختلاف ہے کہ آیا ان کی کتاب ہے یا باپ یعنی عبداللہ بن احمد البرقی کی جو کہ شیخ تھے کلینی کے یا احمد بن عبد اللہ البرقی کی جو کہ شیخ صدوق کے شیخ تھے۔ محقق تستری نے قاموس الرجال میں اس آخری وجہ کا اظہار کیا

ہے، وہ فرماتے ہیں:

لابی عبد اللّٰہ البرقي و قال بعضهم إنه لابيه محمد بن خالد البرقي و كلاهما وهم و كيف يمكن ان يكون لهما و قد استند في كثير من رجاله إلى كتاب سعد بن عبداللّٰه بن جعفر الحميري و صرّح بسماعه منه فيكون شيخه مع ان عبد اللّٰه كسعد تلميذ احمد الابن و عنون احمد بن ابی عبد اللّٰه فيه و لم يذكر انه مصنف الكتاب كما هو القاعدة فيمن يذكر نفسه في كتابه كما فعل الشيخ و النجاشي في فهرستيهما و العلامة و ابی داؤد في كتابيهما و عنون محمدا البرقي و لم يشر انه ابوه و الذی يعلم من ملاحظة الطبقة انه لعبد اللّٰه بن احمد البرقي الذی يروی عنه الكليني او احمد بن عبد اللّٰه البرقي الذی يروی عنه الصدوق و الثانی اقرب.

(قاموس الرجال، ج ۶ ص ۳۱)

بعض نے کہا ہے یہ احمد بن ابی عبد اللہ کی کتاب ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ان کے باپ محمد بن خالد البرقی کی کتاب ہے۔ یہ دونوں قول غلط ہیں۔ یہ ان دونوں کی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس کتاب میں "کتاب سعد بن عبداللہ حمیری" سے بہت نقل کیا گیا ہے اور ان سے سماع کی تصریح کی ہے۔

گویا وہ مصنف کے شیخ تھے جبکہ عبد اللہ اور سعد بن عبد اللہ حمیری دونوں احمد یعنی بیٹے کے شاگرد تھے۔ دوسرا یہ کہ مصنف نے اس کتاب میں احمد بن

عبد اللہ کا ذکر کیا ہے اور یہ نہیں لکھا کہ یہی اس کتاب کے مصنف ہیں۔
جبکہ مصنفین کا طریقہ یہی ہے کہ اگر وہ اپنی کتاب میں اپنا تذکرہ کریں تو
لکھتے ہیں کہ وہ مصنف ہیں۔نیز آپ نے محمد البرقی کو ذکر کیا لیکن یہ نہیں
لکھا کہ یہ میرے والد ہیں۔طبقہ کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب
عبد اللہ بن احمد البرقی کی ہے یا احمد بن عبد اللہ البرقی کی ہے اور یہی دوسرا
احتمال اقرب ہے۔

نجاشی و شیخ طوسیؒ نے تصریح کی ہے کہ برقی (باپ) کی کتاب رجال میں
ہے طبقات کے نام سے لہٰذا یہ باپ کی کتاب ہے جس میں سعد نے اضافہ کیا جو کہ بیٹے
نے باپ سے روایت کی۔یہ احتمال قوی ہے۔اس کتاب میں ۱۴۵۱ رواۃ کے نام ہیں،
کسی کتاب کی طرف اسناد نہیں ہے صرف مجرد اسماءِ رواۃ ہیں بغیر کسی توثیق و تضعیف
کے۔صرف تین موردمیں ایسا ہے:

۱۔ **سلمان بن خالد البجلي الاقطع كوفي كان خرج مع زيد بن علي فافلت و في كتاب سعد انه خرج مع زيد فافلت فمنّ الله عليه و تاب و رجع بعده.**

۲۔ **هشام بن الحكم مولى بني شيبان كوفي تحول من بغداد إلى الكوفة و كنيته ابو محمد و في كتاب سعد له كتاب و كان في غلمان ابى شاكر الزنديق جسمي اروىّ.**

۳۔ **داؤد بن ابي زيد داؤد بن بنودر و يكنّى بابى سليمان.... معروف بصدق اللهجة.**

اس رجال برقی میں خود برقی کی طرف سے ہی ایک مورد ہے جس میں مدح

وارد ہوئی ہے۔لہٰذا اسے اصولِ رجالیہ میں شامل کرنے یا نہ کرنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

(۲) اختیار الرجال

یہ شیخ طوسیؒ نے رجالِ کشی کی تلخیص کی ہے جوکہ **معرفة الناقلين عن الآئمة الصادقين لابی عمرو محمد بن عمر بن عبد العزيز الكشی** (۳۶۷) تھی۔کشی خود ثقہ عین تھے لیکن ضعفاء سے روایت کرتے تھے۔کش بخارا میں ایک شہر ہے آج کل اسے شہر سبز کہتے ہیں۔شیخ طوسی نے احمد بن داؤد فزاری کے ترجمہ میں ان کی کتاب کا نام معرفۃ الرجال لکھا ہے اور اوپر جو نام ذکر ہوا ہے وہ صرف ابن شہر آشوب نے لکھا ہے۔

اور کتاب ''اختیار الرجال''، اسے علامہ نے احد الاصول الاربعة کہا ہے کہ شیخ طوسی نے ۴۵۶ ھ میں اسے تہذیب و تلخیص کیا۔جبکہ اصل رجال کشی معلوم نہیں ہے۔آیا صرف اغلاط نکالی گئی یا تلخیص بھی ہوئی ؟ ابو علی حائری نے منتہی المقال میں کہا رجال کشی رجال عامہ پر بھی مشتمل تھی شیخ نے اس طرح کے اضافے نکال کر اسے مہذب کیا۔

(۳) کتاب الرجال لابن الغضائری (۴۱۱ھ)

مؤلف: ابوعبداللہ حسین بن عبید اللہ الغضائری الواسطی، مؤلف میں اختلاف ہے کہ آیا حسین مؤلف ہے یا ان کا بیٹا احمد مؤلف ہے۔شیخ طوسی نے مقدمۃ الفہرس میں بیٹے کا ذکر کیا ہے اور ان کی دو کتابیں ذکر کی ہیں لیکن ان کے استنساخ سے پہلے وہ ضائع ہو گئیں۔

نجاشی نے احمد بن الحسین الصیقل کے ترجمہ میں بیٹے کا تذکرہ کیا ہے فرمایا:

لـه كتـب لا يعرف منها إلا النوادر قراته انا و احمد بن الحسين على ابيه

اورترجمہ علی بن محمد بن شیران میں فرمایا: كنا نجتمع معه عند احمد بن الحسين۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شیخ نجاشی تھے لیکن اس کے باوجود نجاشی نے انہیں عنوان نہیں

کیا۔(ان کا نام اپنی کتاب میں نہیں لیا)۔

کتاب:

سب سے پہلے ابن طاؤس (۶۷۳-۲ھ) نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ان

کی کتاب حل الإشكال في معرفة الرجال تھی جس میں انہوں نے کتب خمسۃ

رجالیۃ (رجال طوسی، فهرسته، اختيار الكشی، فهرس النجاشی اور کتاب

الضعفاء لابن الغضائری) سے نقل کیا۔علامہ و ابن داؤد نے وہی درج کیا جو ان

کے استاد سید ابن طاؤس نے درج کیا تھا۔پھر ان سے متاخرین فقہاء انہی دونوں سے

نقل کرتے ہیں اور ابن غضائری کی کتاب متاخرین سے منقطع ہوگئی صرف وہی جو سید

ابن طاؤس نے الضعفاء سے نقل کیا تھا وہی معلوم ہوسکا۔شہید ثانی کے پاس حل

الإشكال کا نسخہ بخطِ مؤلف موجود تھا جو ان کے بیٹے صاحب معالم کی طرف منتقل ہوئی

انہوں نے اس سے تحریر طاؤسی کا استخراج کیا۔پھر حل الاشکال کا وہی نسخہ مولی عبد اللہ

بن حسین تستری کے ہاتھ لگا۔اس سے انہوں نے کتاب الضعفاء کی عبارات نکال کر

الگ کرلیں پھر ان کے شاگرد عنایۃ اللہ قہپائی نے اسے اپنی کتاب مجمع الرجال میں

مندرج کیا جس میں اصول رجال خمسہ مجموع ہیں۔

شہید ثانی کے نزدیک یہ کتاب خود غضائری کی تصنیف ہے جو کہ حسین بن

عبید اللہ ہیں نہ کہ بیٹے کی ہے جو احمد بن الحسین ہیں لیکن استاد جعفر سبحانی نے ترجیح دی

کہ یہ بیٹے کی تصنیف ہے نہ کہ والد کی چونکہ والد کا نام شیخ طوسی ذکر کرتے ہیں لیکن ان

کی کتاب رجال کا تذکرہ نہیں کرتے ۔نیز اس کتاب پر سب سے پہلے سید ابن طاؤوس واقف ہوئے ۔انہوں نے اس کے بیٹے کی طرف نسبت دی ہے ۔احمد بن الحسین کی دو کتابیں شیخ نے ذکر کیں جن کا استنساخ نہیں ہو سکا ۔ایک کتاب الممدوحین تھی جو ہم تک نہیں پہنچ سکی اور دوسری کتاب الضعفاء تھی۔

کیا کتاب قابل اعتماد ہے تضعیفات میں؟

اس بارے اقوال مختلف ہیں ۔ظاہراً غضائری تضعیف کیلئے قرائن قطعیہ کے بجائے اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر اس بارے اکثر علماء اعتماد نہیں کرتے ،مثلاً محمد بن اورمہ کو شیخ و نجاشی نے تضعیف کیا ہے لیکن غضائری نے اس کی توثیق کی ہے یہ کہتے ہوئے کہ میں نے اس کی کتب اور روایات میں نظر کی ہے کوئی قابل اشکال بات نظر نہیں آئی ۔بعض دفعہ اجلاّء کی تضعیف کرتے ،مثلاً احمد بن مہران کو ضعیف کہا جبکہ کلینی ان سے بلاواسطہ نقل کرتے ہیں اور ان پر ترحم (رحمہ اللہ) کہتے ہیں ۔محقق داماد نے کہا: **قلّ ان یسلم احد من جرحہ او ینجو ثقۃ من قدحہ**،ان کی جرح سے کوئی کم ہی بچ سکا (سماء المقال :ص۲۲)

(۴) رجال النجاشی

ابو العباس احمد بن علی بن احمد النجاشی (ت۴۵۰ھ)، مصنف نے اسے فہرست کتب الشیعۃ کا نام دیا ہے ۔نجاشی فن رجال کے نقاد تھے اور اجلاّء و اعیان میں سے تھے ۔موردِ اعتماد تھے جیسا کہ محقق نے معتبر میں **غسالہ ماء الحمام** کے بارے بحث میں کہا: **و ابن جمہور ضعیف جدا ذکر ذلک النجاشی فی کتاب الرجال**، یعنی ابن جمہور انتہائی ضعیف ہیں یہ بات نجاشی نے کتاب الرجال میں کہی ہے۔

معروف یہ ہے کہ آپ اضبط واثبت علماءِ رجال تھے حتی کہ شیخ وعلامہ سے اس فن کے بارے آپ کی معلومات بہت وسیع تھیں ۔ چونکہ آپ کا فن رجال کے جاننے والوں سے بہت ساتھ رہا جیسے احمد بن الحسین الغضائری شیخ احمد بن علی بن عباس بن نوح السیرافی ، احمد بن محمد ابن الجندی ، ابن ابی قرۃ الکاتب وغیرھم ۔ آپ نے یہ فہرست' شیخ کی فہرست کے بعد تالیف کی ۔ مرحوم بروجردی معتقد تھے کہ فہرست نجاشی شیخ طوسیؒ کی فہرست کے لاحقے کی مانند ہے ۔

نجاشی نے یہ فہرست سید شریف (سید مرتضٰی علم الہدیٰ) کے طلب کرنے پر لکھی اور حروف معجم کی ترتیب پر ہے ۔ آپ نے متقدمین کے ذکر پر اقتصار کیا ہے ۔ معاصرین ومتاخرین کو معترض نہیں ہوئے ۔ قہپائی نے تصریح کی ہے کہ آپ کی مراد سید شریف سے سید مرتضٰی ہیں اور نجاشی نے ان کا ذکر کے اطال اللّٰہ بقائہ کہا ہے اس کا مطلب ہے وہ اس وقت تک زندہ تھے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب ۴۳۶ ج سے پہلے لکھی گئی ہے جو کہ سید مرتضٰی کی تاریخ وفات ہے ۔

صدوق ابن بابویہ کے ترجمہ میں آپ نے یہ تصریح کی کہ آپ نے اسے شیخ کی الفہرس کے بعد لکھا ہے کیونکہ اس میں کہا دعائم الإسلام مذکور في فهرست الشيخ الطوسي اور خود شیخ طوسی کے ترجمہ میں ان کی فہرست کا تذکرہ کیا ہے ۔

نجاشی نے بعض رواۃ کو دوسرے رواۃ کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور ان کی توثیق بیان کی ہے ۔ بعض وہ ہیں جن کا ترجمہ کیا ہے لیکن ان کی توثیق دوسرے رواۃ کے ذیل میں ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کا مستقلا ترجمہ ہی ذکر نہیں کیا لیکن ان کی توثیق دوسرے رواۃ کے ذیل میں کی ہے، اما القسم الاول :

۱) احمد بن محمد بن محمد بن سلیمان الرازی: ان کی توثیق

جعفر بن محمد بن ملک (الرقم ۳۱۳) میں کی

۲) **سلمه بن محمد بن عبد الله الخزاعی:** ان کی توثیق ان کے بھائی منصور بن محمد (۱۰۹۹) کے ترجمہ میں کی

۳) **شهاب بن عبد ربه الاسدی:** ان کی توثیق ان کے بھتیجے اسماعیل بن عبد الخالق کے ترجمہ (الرقم ۵۰) میں کی

۴) **صالح بن خالد المحاملی الکناسی:** ان کی توثیق ابی شعیب المحاملی (الرقم ۱۲۴۰) میں کی

۵) **عمرو بن منهال بن مقلاص قیسی:** ان کی توثیق ان کے بیٹے حسن بن عمرو بن منہال (الرقم ۱۳۳) میں کی

۶) **محمد بن عطیه الحناط:** ان کی توثیق ان کے بھائی حسن بن عطیہ الحناط (الرقم ۹۳) کے ترجمہ میں کی

۷) **محمد بن همام بن سهیل الاسکافی:** ان کی توثیق جعفر بن محمد بن مالک الفزاری (الرقم ۳۱۳) کے ترجمہ میں کی۔

القسم الثانی

دوسری قسم میں وہ افراد ہیں جن کا ترجمہ ہی نہیں کیا لیکن دوسرے افراد کے ذیل میں ان کی توثیق ہوئی ہے، یہ ۱۴۳ افراد ہیں:

۱) **احمد بن محمد بن الهیثم العجلی:** ان کی توثیق ان کے بیٹے حسن (الرقم ۱۵۱) میں کی ہے

۲) **اسد بن اعفر المصري:** ان کی توثیق ان کے بیٹے داؤد (الرقم ۴۱۴) میں ہے

۳) إسماعيل بن ابي السمال الاسدي: ان کی توثیق ان کے بھائی ابراہیم (الرقم ۳۰) میں کی

۴) إسماعيل بن الفضل بن يعقوب النوفلي : ان کی توثیق ان کے بھائی حسین بن محمد بن فضل (الرقم ۱۳۱) میں کی

۵) جعفر بن إبراهيم الطالبي الجعفري : ان کی توثیق ان کے بیٹے سلیمان (الرقم ۴۸۳) میں کی

۶) حسن بن ابي ساره الرواسي کی توثیق ان کے بیٹے محمد (الرقم ۸۸۳) میں کی ہے

۷) حسن بن شجره بن ميمون الكندي : ان کی توثیق ان کے بھائی علی (الرقم ۷۲۰) میں کی

۸) حسن بن علوان الكلبي: ان کی توثیق ان کے بھائی حسین (الرقم ۱۱۶) میں کی

۹) حسن بن محمد بن خالد الطيالسي : ان کی توثیق ان کے بھائی عبداللہ (الرقم ۵۷۲) میں کی

۱۰) حفص بن سابور بن زيات : ان کی توثیق ان کے بھائی بسطام (الرقم ۲۸۰) میں کی

۱۱) حفص بن سالم: ان کی توثیق ان کے بھائی عمر (الرقم ۷۵۸) میں کی

۱۲) حيان بن علي الغنرى : ان کی توثیق ان کے بھائی مندل (الرقم ۱۱۳۱) میں کی

۱۳) زكريا بن سابور الزيات : ان کی توثیق ان کے بھائی بسطام (الرقم

۲۸۰) میں کی

۱۴) زیاد بن سابور الزیات: ان کی توثیق ان کے بھائی بسطام میں کی

۱۵) زیاد بن ابی الجعد الاشجعی: ان کی توثیق ان کے بیٹے کے بیٹے رافع بن سلمہ (الرقم ۴۴۷) میں کی

۱۶) زیاد بن سوقہ العمری: ان کی توثیق ان کے بھائی حفص (الرقم ۳۴۸) میں کی

۱۷) سلمہ بن زیاد بن ابی الجعد الاشجعی: ان کی توثیق ان کے بیٹے رافع (الرقم ۴۴۷) میں کی

۱۸) شجرہ بن میمون بن ابی اراکہ الکندی: ان کی توثیق ان کے بیٹے علی (الرقم ۷۲۰) میں کی

۱۹) صباح بن موسی ساباطی: ان کی توثیق ان کے بھائی عمار (الرقم ۷۷۹) میں کی

۲۰) عبد الاعلی بن علی بن ابی شعبہ الحلبی: ان کی توثیق ان کے ابن عم احمد بن عمر (الرقم ۲۴۵) اور ان کے بھائیوں عبید اللہ (الرقم ۶۱۲) و محمد (۸۸۵) میں کی

۲۱) عبد الخالق بن عبد ربہ الاسدي: ان کی توثیق ان کے بیٹے اسماعیل (رقم ۵۶) میں کی

۲۲) عبد الرحمٰن بن ابي عبد اللّٰہ البصري: ان کی توثیق ان کے پوتے اسماعیل بن ہمام (رقم ۶۲) میں کی

۲۳) عبد الرحیم بن عبد ربہ الاسدي: ان کی توثیق ان کے بھائی

اسماعیل (رقم ۵۰) میں کی

۲۴) عبد اللہ بن رباط البجلي: ان کی توثیق ان کے بیٹے محمد (۹۵۵) میں کی

۲۵) عبد اللہ بن عثمان بن عمرو الفزاري کی توثیق ان کے بھائی حماد (رقم ۳۷۱) میں کی

۲۶) عبد الملک بن سعید الکناني: ان کی توثیق ان کے بھائی عبداللہ (رقم ۵۶۵) میں کی

۲۷) عبد الملک بن عتبة النخعي: ان کی توثیق عبد الملک بن عتبة الہاشمی (رقم ۴۹۵) میں کی

۲۸) علي بن ابي شعبة الحلبي: ان کی توثیق ان کے بیٹے عبید اللہ (رقم ۶۱۲) میں کی

۲۹) علي بن بشیر: ان کی توثیق ان کے بھائی محمد (رقم ۹۲۷) میں کی

۳۰) علي بن عطیة الحناط: ان کی توثیق ان بھائی حسن (رقم ۹۳) میں کی

۳۱) عمران بن علي ابي شعبة الحلبي: ان کی توثیق ابن عمر احمد بن عمر (رقم ۲۴۵) میں کی

۳۲) عمر بن ابي شعبة الحلبي: ان کی توثیق ان کے بھائی عبید اللہ کے ذیل میں کی

۳۳) عمرو بن مروان الیشکري: ان کی توثیق ان کے بھائی عمار (رقم ۷۸۰) میں کی

۳۴) قیس بن موسی الساباطي: ان کی توثیق ان کے بھائی عمار (رقم

۷۷۹) میں کی

۳۵) ابو خالد محمد بن مهاجر بن عبيد الاسدي: ان کی توثیق ان کے بیٹے اسماعیل (رقم ۴۶) میں کی

۳۶) محمد بن الهيثم العجلي: ان کی توثیق ان کے پوتے حسن بن احمد (رقم ۱۵۱) میں کی

۳۷) محمد بن سوقة العمري: ان کی توثیق ان کے بھائی حفص (رقم ۳۴۸) میں کی

۳۸) معاذ بن مسلم بن ابي ساره: ان کی توثیق ان کے ابن عم محمد بن حسن (رقم ۸۸۳) میں کی

۳۹) همام بن عبد الرحمن بن ميمون البصري: ان کی توثیق ان کے بیٹے اسماعیل (رقم ۶۲) میں کی

۴۰) يعقوب بن إلياس بن عمرو البجلي: ان کی توثیق ان کے بھائی عمر (رقم ۷۷۲) میں کی

۴۱) ابو الجعد الاشجعي: ان کی توثیق ان کے پوتے رافع بن سلمہ (۴۴۷) میں کی

۴۲) ابو شعبة الحلبي: ان کی توثیق ان کے پوتے عبید اللہ بن علی (رقم ۶۱۲) میں کی

۴۳) ابو عامر بن جناح الاسدي: ان کی توثیق ان کے بھائی سعید (رقم ۵۱۲) میں کی

عدّة النجاشی، روى النجاشي عن علمة عن جعفر بن محمد بن

قولویہ، بحرالعلوم فرماتے ہیں: نجاشی نے سعد بن عبداللہ الاشعری میں اس عدّۃ کو بیان کیا ہے، لیکن وہ کون ہیں یہ نہیں بتایا۔ البتہ ابن قولویہ کے ترجمہ میں نجاشی نے تصریح کی ہے کہ میں نے اکثر کتب کی قرائت مفید، غصائری پر کی ہے اور سعد بن عبد اللہ کے ترجمہ میں ان کے نام ذکر کیے ہیں جن سے روایت کی ہے۔

نجاشی نے اصحاب مذاہب فاسدہ کی ایک جماعت کی توثیق کی ہے:

۱۔ إسحاق بن بشر ابو حذيفة الكاهلي الخراساني عامي ثقة

۲۔ يحيى بن سعيد القطان ابو زكريا عاميّ ثقة

۳۔ عباد بن صهيب بتري ثقة

۴۔ احمد بن الحسن بن إسماعيل بن شعيب بن ميثم تمار واقفي ثقة

۵۔ احمدبن محمد بن علي بن عمر بن رباح الواقفي، واقفي ثقة

۶۔ جعفر بن محمد بن سماعة الحضرمي، واقفي ثقة

۵۔ رجال الشیخ الطّوسی

الشيخ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علي الطوسي (م۴۶۰)،
اس تالیف کا تذکرہ خود شیخ نے الفہرس میں کیا ہے۔ اس میں اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ اور آئمہ علیہم السلام حسب ترتیب عصور جمع کیے ہیں۔ اس میں صرف جمعِ اسماء ہیں، مؤمن ہوں یا منافق، شیعہ ہوں یا سنی حتی خلفاء و معاویہ وعمرو بن عاص وغیرہ کو اصحاب نبیؐ اور زیاد بن ابیہ وعبید اللہ بن زیاد کو اصحاب امیر المؤمنینؑ اور منصور دوانیقی کو اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام میں ذکر کیا ہے لیکن ان کے بارے کوئی بات نہیں کی۔

(قاموس الرجال، ج ۱ ص ۱۹)

لیکن نہ سب اصحاب نبی (ص) کو مکمل ذکر کیا ہے اور نہ ہی سب اصحاب آئمہ علیہم السلام کو۔

۶۔ فہرس الشیخ

اس میں ان کے نام ہیں جن کی اصل یا تصنیف ہے (اصل اور تصنیف کے درمیان فرق آگے آئے گا)۔ انہوں نے اس کتاب میں اصول و مصنفات ذکر کیے ہیں اور ان تک اپنے طرق کو اسی کتاب میں ذکر کیا ہے یعنی شیخ تہذیب میں ان اصول و مصنفات سے روایات نقل کرتے ہیں لیکن ان تک اپنے طرق کو وہاں ذکر نہیں کرتے لیکن اسے انہوں نے الفہرس میں ذکر کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں شیخ فرماتے ہیں:

فإذا ذكرت كل واحد من المصنفين و اصحاب الاصول فلابدّ ان اشير إلى ما قيل فيه من التعديل و التجريح و هل يعوّل علي روايته اولا و ابيّن اعتقاده هل هو موافق للحق او هو مخالف، یعنی جب میں کسی مصنف یا صاحب اصل کا ذکر کروں تو ضروری ہے کہ اس کی جرح و تعدیل بیان کروں کہ کیا اس کی روایت قابل اعتماد ہے یا نہیں، آیا شیعہ ہے یا سنی؟

البتہ بہت سے موارد میں شیخ نے ایسا نہیں کیا، مثلا ابراہیم بن ابی بکر بن ابی السمال کے بارے ایسا کچھ نہیں کہا حالانکہ وہ واقفی تھا جیسا کہ کشی و نجاشی نے کہا ہے۔ نیز بہت سے ضعفاء کی تضعیف بیان نہیں کی جیسے حسن بن علی السجاد جو کہ ابو الخطاب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فضیلت دیتا تھا کے بارے کچھ نہیں کہا۔

(قاموس الرجال، ج ۱، ص ۱۸)

بعض موارد میں شیخ نے عدّة من اصحابنا ذکر کیا ہے۔ ان کی تصریح چند موارد

میں خود انہوں نے کر دی ہے کہ شیخ مفید اور بعض دوسرے افراد مراد ہوتے ہیں جیسے کہ احمد بن الحسن الاسفرائنی کے ترجمہ میں فرمایا: اخبرنا عدّة من اصحابنا فمنهم الشیخ ابو عبد اللّٰہ محمد بن محمد بن النعمان المفید و الحسین بن عبید اللّٰہ و احمد بن عبدون وغیرھم ۔ اور احمد بن ابی نصر البزنطی کے ترجمہ میں فرمایا: له کتاب اخبرنا به عدّة من اصحابنا منهم الشیخ ابو عبد اللّٰہ محمد بن محمد بن النعمان المفید و ابو عبد اللّٰہ الحسین بن عبید اللّٰہ الغضائری و احمد بن عبدون وغیرهم۔ محمد بن محمد بن خالد البرقی کے ترجمہ میں فرمایا: عدّة من اصحابنا منهم کہ وہی اوپر والے افراد ذکر کیے ہیں ۔ پس فہرست میں جہاں عدة کہا وہ سند اس جہت سے بلا اشکال ہے ۔ مرحوم شیخ محمد تقی التستری نے قاموس الرجال کے مقدمہ میں الفصل العشرون الفهرس کی اغلاط کی نشاندہی کیلئے قائم کی ہے ۔

۷۔ رسالہ ابی غالب رازی

الشیخ احمد بن محمد ابی غالب الرازی ، انہوں نے آلِ اعین کے نسب کے بارے یہ رسالہ لکھا ہے اور ان میں سے محدثین کے تراجم لکھے ۔ یہ رسالہ انہوں نے اپنے پوتے محمد بن عبد اللہ بن ابی غالب کے لئے اجازہ کے طور پر ۳۵۶ ھج میں لکھا ۔ پھر ۳۶۷ھ میں اس کی تجدید کی اور ۳۶۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی ۔ اس میں آپ نے بیس سے زیادہ اپنے مشائخ کا تذکرہ کیا ہے ۔ آخر رسالہ میں اپنے پاس موجود کتب کی فہرس ذکر کی کہ جنہیں آپ ان کے مؤلفین سے روایات کرتے ہیں ۔ یہ ۱۲۲ کتب ہیں ۔ یہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود اصولِ رجالیہ میں سے شمار ہوتا ہے اور کشکول محدث بحرانی میں مطبوع ہے ۔

۸۔ مشیخہ الصدوق

ابو جعفر محمد بن علي بن حسين بن بابويه، امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی دعا سے ۳۰۶ھ میں متولد ہوئے اور ۳۸۱ میں فوت ہوئے۔ کلینی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ غالباپوری سند ذکر کرتے ہیں سوائے بعض موارد کہ ان میں اخبار سابقہ پر اعتماد کرتے ہوئے سب اسناد ذکر نہیں کرتے۔ لیکن شیخ صدوق ''من لا یحضرہ الفقیہ'' میں اسناد کو مختصر ذکر کرتے ہیں اور اوائل اسناد وہاں ذکر نہیں کیں۔ ان کے لئے مشیخہ وضع فرمایا ہے جس میں اپنی سند کو اس کتاب تک بیان کرتے ہیں اسے شیخ نے من لا یحضرہ الفقیہ کے آخر میں مندرج فرمایا ہے۔ عمار بن موسیٰ ساباطی سے شروع ہوتا ہے اور سعد بن ظریف الخفاف پر ختم ہوتا ہے۔ اسماء میں ترتیب حروف کی رعایت نہیں کی اور ۳۹۸ اسماء پر مشتمل ہے۔

شیخ حر عاملی نے خاتمہ وسائل الشیعۃ میں فائدہ اولیٰ میں اسماء کی ترتیب کے ساتھ انہیں ذکر کردیا ہے۔

۹۔ مشیخہ الشیخ الطوسی در تہذیب و استبصار

آپ نے بھی شیخ صدوق کی طرح ابتداء اسناد مشیخہ میں ذکر کیں۔ ان کے بارے مزید وضاحت کتب اربعہ کے بارے گفتگو کے ضمن میں آئے گی۔

اصول اربعہ رجالیہ متاخرہ

ان کا درجہ سابقہ اصول اربعہ کے بعد ہے اور ان کتب کے لکھنے والے چھٹی ہجری میں تھے:

۱۔ فهرس شيخ منتجب الدين:

یہ شیخ حافظ علی بن عبید اللہ بن حسن بن حسین بن حسن بن حسین بن علی بن

بابو یہ تھے۔ یہ ۶۰۰ ھ تک زندہ تھے۔ شیخ حر عاملی نے ان کے بارے کہا:

الشيخ الجليل علي بن عبيد الله ... كان فاضلا عالما ثقة صدوقا محدثا حافظا راوية علامة له كتاب الفهرس في ذكر المشائخ المعاصرين للشيخ الطوسي و المتاخرين إلى زمانه.

(امل الآمل : ج ۲ ، ص ۱۹۴)

آپ نے یہ فہرس شیخ طوسی کی فہرس کی تکمیل میں لکھی بعد از شیخ کے علماء کے عنوان سے جبکہ آپ کے دور میں ابن شہر آشوب نے بھی معالم العلماء اسی عنوان سے لکھی تھی۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے لسان المیزان میں اس الفہرس سے کثرت سے رجال الشیعة یا رجال الإمامیة کی تعبیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ان کی ایک کتاب تاریخ الری بھی تھی جس سے ابن حجر نقل کرتے ہیں لیکن ہم تک نہیں پہنچ سکی۔

۲۔ معالم العلماء في فهرس كتب الشيعة و اسماء المصنفين

یہ محمد بن علی بن شہر آشوب المازندرانی کی تالیف ہے (متولد ۴۸۸ھ، م ۵۸۸ھ)۔ الوافي بالوفیات میں صفدی نے آپ کو بڑے اچھے لفظوں میں یاد کیا ہے ۔ شیخ حر عاملی نے امل الآمل میں محمد کے ذیل میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۰۲۱ تراجم ہیں۔ یہ فہرس بھی فہرس شیخ کیلئے تکملہ ہے۔

۳۔ رجال ابن داؤد

تقی الدین حسن بن علی بن داؤد الحلی (متولد ۶۴۷ھ، م ۷۰۷ھ)، آپ ابن طاوؤس کے شاگرد تھے اور محقق اول سے بھی شرف تلمذ رکھتے تھے۔ یہ کتاب حسن ترتیب میں سب کتب پر فائق ہے کیونکہ اس میں خود شخص، اس کے والد اور دادا کے لحاظ سے ترتیب حروف ہے۔ آپ نے سابقہ کتب رجال سے جیسے فہرس شیخ و

نجاشی ، رجالِ کشی ، ابن الغضائری ، برقی ، عقیقی ، ابن عقدہ ، فضل بن شاذان اور ابن عبدون سب سے نقل کیا ہے۔ کتاب کو دو جزء قرار دیا۔ پہلے جزء میں موثقین ومہملین اور دوسرے جزء میں مجہولین ومجروحین کا تذکرہ ہے۔ جزءِ اول میں آپ نے ان ۳۳ افراد کا تذکرہ کیا ہے جن کے بارے نجاشی نے ثقة ثقة کہا ہے، پھر پانچ مزید افراد ذکر کیے جنہیں غضائری نے ذکر کیا۔

۴۔ خلاصة الاقوال في علم الرجال

یہ علامہ علی الاطلاق حسن بن یوسف بن المطهر الحلي (متولد ۶۴۸ ھ،م ۷۲۶ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں دو قسمیں ہیں: القسم الاول فيمن اعتمد عليه و فيه سبعة عشر فصلا و القسم الثاني مختص بذكر الضعفاء من ردّ قوله او وقف فيه و فيه ايضا سبعة عشر فصلا ۔ آخر میں خاتمہ ہے جو دس فوائد پر مشتمل ہے۔

علامہ اس کتاب میں فہرسِ شیخ ونجاشی کے علاوہ رجال ابن عقدہ و عقیقی و کتاب ابن غضائری سے نقل کرتے ہیں اور نجاشی کا نسخہ ظاہراً علامہ کے پاس اس سے کامل تر تھا جو ہمارے پاس ہے۔ اس وجہ سے ایسی چیزیں اس سے نقل کیں جو ہمارے والے موجودہ نسخہ میں نہیں ہیں۔ (قاموس الرجال، ج۱،ص ۱۵)

ابن داؤد اور علامہ دونوں سید ابن طاؤس کے شاگرد تھے جو کہ بہت بڑے رجالی تھے۔ لہٰذا انہی سے انہوں نے روش کو استفادہ کیا۔

مہمل ومجہول میں فرق

مہمل سے مراد وہ راوی ہے جس کا ذکر علماء نے کیا ہو لیکن اس کی توثیق و تضعیف بیان نہ کی ہو۔ جبکہ مجہول وہ ہے کہ رجالیون نے جس کی مجہولیت کی تصریح کی

ہواور یہ الفاظِ جرح میں سے ہیں۔ یہ علامہ وابن داؤد دونوں کی روش ہے۔لہٰذا مجہول کو قسم ثانی میں ذکر کرتے ہیں۔لیکن ان سے متاخرین علماء جیسے شہید ثانی ومجلسی و مامقانی کی اصطلاح میں مجہولِ اعم مراد ہوتا ہے جو مہمل کو بھی شامل ہے کہ جس کی مدح و ذمّ وارد نہ ہوئی ہو۔

کتب رجالیہ در عصور متاخرہ

یہ کتب دسویں صدی ہجری کے اواخر سے تا اواخر بارہویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں:

۱۔ مجمع الرجال :

یہ عناية الله القهپائي از تلامید مقدس اردبیلی (م۹۹۳ھ) واز تلامید عبد اللہ تستری (م۱۰۲۱ھ) واز تلامید شیخ بہائی (م۱۰۳۱ھ) کی تالیف ہے۔اس کتاب میں تمام اصول رجالیہ کو جمع کردیا گیا ہے حتیٰ کتاب الضعفاء للغضائری کو بھی۔

۲۔ منهج المقال :

یہ مرزا محمد بن علي بن إبراهيم الاسترآبادی(م۱۰۲۸ھ) کی تالیف ہے۔آپ محمد امین استرآبادی صاحب کتاب الفوائد المدنية کے استاد تھے۔

۳۔ جامع الرواة :

یہ الشيخ محمد بن علي الاردبیلی کی تالیف ہے۔آپ نے اس کتاب کی تالیف میں بیس سال کا عرصہ لگایا ہے اور بڑے قواعد رجالیہ کا ابتکار کیا ہے جن کی وجہ سے بہت سی مجہول، مرسل اور ضعیف روایات معلومة السند وصحیح ہوگئی ہیں۔ یہ کتاب دوحصوں میں چھپ چکی ہے۔اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کتب اربعہ کے رواۃ کو جمع کیا گیا ہے اور ہر راوی کے ترجمہ میں اس کے مروی عنہ و راوی کا

ذکر کیا گیا ہے اور اس کی روایات کی تعداد بھی معین کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تالیف سے بہت سے ابہامات دور ہو گئے ہیں۔

۴. نقد الرجال

یہ **سید مصطفی التفریشی** کی تالیف ہے جو انہوں نے ۱۰۱۵ھ میں تالیف کی۔ آپ عبداللہ تستری کے شاگرد تھے۔ آپ نے تمام اقوال جمع کئے ہیں جو کسی راوی کے بارے مدح وذم کے حوالے سے کہے گئے ہیں۔

۵. منتهي المقال في احوال الرجال

یہ رجالِ ابی علی حائری کے نام سے معروف ہے جس کو **ابی علی محمد بن اسماعیل الحائری** (م ۱۲۱۵ھ یا ۱۲۱۶ھ) نے تالیف کیا ہے۔ آپ نے بعض رواۃ کو مجہول کہہ کر ان کا ذکر نہیں کیا کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں حالانکہ وہ مجہول نہیں ہیں بلکہ اکثر مہمل ہیں۔

ان کتب میں قرائن بر ضعف وتوثیق جمع کیے گئے ہیں لیکن زیادہ تر حدس پر مشتمل ہیں۔ کچھ اور کتب بھی ہیں جن کی تالیف ان سے بھی متاخر ہے، جیسے **تنقیح المقال** جو کہ **عبد اللّٰہ المامقانی**ؒ (م ۱۳۵۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ جامع ترین کتاب ہے کیونکہ فن کتب رجالیہ متقدمہ ومتاخرہ میں جو کہا گیا ہے وہ آپ نے اس میں جمع کر دیا ہے۔ آپ نے صحابہ، تابعین اور تمام اصحاب آئمہ وغیرہم کو جمع کیا ہے چوتھی صدی تک۔ اس میں مجہول ومہمل کے درمیان خلاء واقع ہوا ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں صرف تین سال صرف ہوئے۔

۶. قاموس الرجال

قاموس الرجال جو کہ شیخ محمد تقی تستری کی تالیف ہے۔ یہ پہلے رجالِ مامقانی

پر تعلیقہ کے طور پر لکھی گئی تھی پھر اس کو مستقل کتاب کی شکل دے دی گئی اور ۱۳ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۷۔ مرتب الاسانید

آیۃ اللہ العظمیٰ سید حسین بروجردی نے دو کام کیے: (۱) کتب اربعہ کی اسانید کو مرتب کیا اور پھر کتب اربعہ رجالیہ وغیرہ کی اسانید کی ترتیب دی، (۲) اور دوسرا آپ نے طبقات الرجال کے نام سے کتاب لکھی عصر نبی اکرم ﷺ سے تا زمان شیخ طوسی آپ نے ۱۲ طبقات قرار دیے ہیں۔

۸۔ معجم رجال الحدیث

آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی نے ایک مفصل کتاب لکھی جس کا نام معجم رجال الحدیث وتفصیل طبقات الرواۃ ہے۔ آپ کسی راوی کے ترجمہ میں اس کی تمام روایات کو ذکر کرتے ہیں کہ کتب اربعہ میں کس سے روایت کرتا ہے اور کہاں کہاں اس کی روایات ہیں اور رواۃ ومروی عنہم کو ذکر کرتے ہیں۔ ۲۳ جلد میں یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

توثیقات خاصہ

اس مقصد کے آغاز سے پہلے مقدمۃً اصالۃ العدالۃ یا اصالۃ الوثاقۃ کی وضاحت ضروری ہے۔ علم اصول میں ثابت ہو چکا ہے کہ راوی سے جواز اخذ روایت کیلئے اس میں عدالت کا ہونا شرط نہیں بلکہ اس کی وثاقت کافی ہے جیسا کہ مرحوم شیخ الطائفہؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ ثقۃ متحرز عن الکذب کی خبر پر طائفہ کا عمل ثابت ہے اگرچہ وہ جوارح کے لحاظ سے فاسق ہو۔

عدالۃ الراوي کا دعویٰ آیت نباء کے مفہوم سے اخذ کیا گیا ہے۔ آیت نباء

﴿ اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوا ... ، (الحجرات:٦)﴾ میں جملہ شرطیہ کا موضوع طبیعی نباء یعنی شرط مجیئ الفاسق ہے اور حکم لزوم تبین (تحقیق) ہے۔ پس اس کا منطوق دال ہے کہ خبر فاسق مطلقاً حجت نہیں ہے اگر چہ وہ ثقہ ہو۔ جبکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر فاسق کی خبر حجت ہے جو کہ عدل ہے۔ یہ استدلال درست نہیں:

اولاً: ہوسکتا ہے آیت میں موضوع فاسق ہو اور شرط مجیئ بالنباء ہو اور انتفاءِ شرط برابر ہو عدمِ نباء کے، یعنی خبر ہی نہ لائے۔

ثانیاً: بالفرض آپ کی بات صحیح ہو تب بھی یہ اس وقت تک ہے کہ مقرون بالقرینة نہ ہو جبکہ یہاں تعلیل قرینہ ہے۔

یعنی مفہوم اگر چہ خبر عدل کے ساتھ اختصاص میں ظہور رکھتا ہے لیکن تعلیل دال ہے کہ یہ حجت خبر عدل کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ تعلیل اس آیت میں کہتی ہے ﴿اَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ...، (الحجرات:٦)﴾ خبر ثقہ کو منطوق سے خارج کررہی ہے چونکہ عقلاء خبر ثقہ پر ہمیشہ عمل کرتے رہے ہیں اس لیے کہ اس پر عمل کرنا سفیہانہ عمل شمار نہیں ہوتا۔

کیا اصالۃ العدالۃ ثابت ہے؟

عدالت خود تو صفت وجودی ہے جس کی تعریف یہ ہے "ملکة راسخة في النفس او استقامة کما ھو الظاھر"۔ لیکن اصالہ عدمِ فسق اگر جاری کریں تو اس کا لازمہ عدالت ہوسکتی ہے چونکہ ان دونوں میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن یہ اصل اصل مُثبِت جو کہ حجت نہیں ہے۔ اس طرح کی بعض اور وجوہ بھی ذکر کی گئی ہیں جو کہ تمام نہیں ہیں۔

اصالۃ الوثاقۃ

وثاقت بھی عدالت کی طرح صفت وجودیہ ہے، ہر غیر کاذب ثقہ نہیں کہلاتا، مثلا بالغ جس نے ابھی کوئی کلمہ نہیں بولا اسے ثقہ نہیں کہہ سکتے۔ ثقہ تب کہلائے گا کہ اس کی باتوں کا استقراء کرلیا جائے اور وہ مطابق واقع ہوں، ہوسکتا ہے ایک شخص کی بات واقع کے مطابق ہو لیکن وہ غیر ثقہ ہو کیونکہ اس کی بناء نہیں تھی طبق واقع بات کرنے کی، اتفاقا اس کی بات طبقِ واقع ہوگئی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی بات مطابق واقع نہ ہو لیکن وہ ثقہ ہو چونکہ اس نے صالح مقدمات پر اعتماد کیا تھا۔ یہ مطابقت واتصاف بالوثاقۃ میں عموم من وجہ کی نسبت ہے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ استصحاب عدم کذب سے وثاقت ثابت نہیں ہوسکتی۔ اگر ہوجائے تب بھی اصل مثبت ہے وثاقت لغۃً اعتماد کے معنی میں ہے جیسے و بہ ثقتي اور ثقہ وہ ہوتا ہے کہ عقلاء جس کی حدیث پر اعتماد کریں، جیسا کہ عقلاء کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ثقات کی اخبار پر اعتماد کرتے ہیں۔

مراتب توثیق

یہ متعدد مراتب ہیں، اہم چار ہیں:

۱۔ صریحا دال بر وثاقت ہوں، جیسے ثقۃٌ، مامونٌ، ثقۃٌ ثقۃٌ، صدوقٌ وغیرہ۔

الوثاقۃ بالمعنی المبحوث عنھا ان الفاظ سے صریحا ثابت ہو جاتی ہے۔ لفظ مامون بھی دقۃ في النقل پر دال ہے۔ بعض دفعہ في الحدیث وغیرہ کی قید بھی لگادیتے ہیں۔ یہ مزید توضیح کیلئے ہوتا ہے، جیسا کہ بعض عامہ کی توثیق میں اس طرح وارد ہے، مثلا احمد بن بشر کے

ترجمہ میں نجاشی نے کہا: **ثقة في الحديث واقفي المذهب** اور ترجمہ **حسن بن احمد بن المغيرة** میں کہا: كان عراقيًا مضطربَ المذهب و كان ثقة فيما يرويه ۔

۲۔ ضمناً وثاقت پر دال ہو، جیسے راوی کے بارے کہیں: **عظيم الشان، وجهٌ من وجوه ، اصحابنا ، جليل القدر** وغیرہ، یہ الفاظ ضمناً وثاقت پر دال ہیں۔

۳۔ وہ کلمات جو وثاقت پر دلالت ظنی رکھتے ہیں، جیسے راوی کے بارے کہیں **صحيح الحديث ، وجيه ، من علمائنا، من اصحابنا يا كان فاضلا** وغیرہ۔ ان الفاظ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ کوئی قرینہ ان کے ساتھ منضم ہو جو دال بر وثاقت ہو۔

۴۔ وہ جو وثاقت پر احتمالی دلالت رکھتے ہوں، جیسے راوی کے بارے کہیں **بانه ذو اصل او كتاب او كان خيرا ، يا رحمه الله يا حسن** وغیرہ، یہ الفاظ بھی تنہا وثاقت کیلئے کافی نہیں ہیں۔

مراتب تضعیف

یہ چار اقسام پر ہے:

۱۔ وہ الفاظ جو صریحاً تکذیب راوی پر دال ہوں، جیسے **بانه كذاب وضاع ، مفتر** وغیرہ۔ ایسی تعبیرات صریحاً جرح فی المطلق شمار ہوتی ہے، ایسی تعبیر کی بناء پر روایات کو اصحاب طرح (رد) کر دیتے ہیں۔

۲۔ ضعف راوی کی تصریح کی جائے جیسے **فلانٌ ضعيفٌ** ،اس طرح کی تصریح' طرحِ روایت راوی کی شاہد بن سکتی ہے لیکن اس سے کذب

راوی ثابت نہیں ہوسکتا چونکہ ضعف کی کوئی اور وجہ بھی سکتی ہے، اس میں چار احتمال ہیں:

الف: اس سے ضعف في كيف الحديث ہو، یعنی اس راوی کی روایات خطوطِ آئمہؑ سے مناسبت نہیں رکھتی یا متفرد بالرواية ہے یا لا ابالي فيما يرويه ہے۔

ب: اس سے مراد ضعف في العقيدة ہو یعنی وقف و فطح و بتر وغیرہ کی وجہ سے فاسد المذہب ہو۔

ج: وہ راوی جو رواۃ سے مطلقاً نقلِ روایات کرے اور صحاح وثقات سے نقل پر ملتزم نہ ہو، جیسا کہ احمد بن محمد بن عیسی الاشعری نے البرقي کو قم سے نکال دیا اس خاطر کہ وہ ضعاف پر اعتماد کرتے تھے۔

د: اس سے مراد ضعف في الحديث ہو بمعنى الوضع و الإفتراء و الكذب۔ مذکورہ عبارت یعنی فلان ضعیف تب تضعیف مطلوب پر دال ہوگی کہ اس سے احتمالِ اخیر مراد ہو اور یہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔

۳۔ تضعیف صریحاً یا لازماً عبارات سے مستفاد ہو لیکن خاص منشاء سے ہو یہ دو قسم پر ہے:

الف: اعتقاد کے لحاظ سے، جیسے کسی کے فطحي یا بتري یا واقفي ہونے کی تصریح ہو

ب: جو اس کے سلوک سے مربوط ہو لیکن اس کے قول کی حجت سے

اس کا کوئی ربط نہ ہو، جیسے بعض کو حیوانات سے تشبیہ دی جاتی ہے جیسا کہ علی ابن ابی حمزہ بطائنی کے بارے میں وارد ہے **یا علی انت و اصحابک اشباہ الحمیر** وغیرہ

اس طرح کی تعبیرات تضعیفِ مطلوب کو ثابت نہیں کر سکتی۔ یہ الفاظ اگر چہ ذم وقدح پر دال ہیں لیکن وہ تضعیف ان سے ثابت نہیں ہو سکتی۔

۴۔ وہ جو تضعیف احتمالی کا افادہ کرے جیسے راوی کا مجہول و مہمل ہونا، لیکن یہ تعبیر بھی تضعیف پر دال نہیں ہے۔

فائدہ ۱:

علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی نے مقباس الہدایۃ فائدہ سادسہ میں فرمایا ہے کہ کتب فقہیہ میں رجال کے بارے جرح میں تسرّع (جلدی) کی جاتی ہے۔ فقہاء تضعیفِ رجال میں بڑے شوق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ اسے **احتیاط فی الدین** کے طور پر کرتے ہیں، مثلاً کاشف الرموز نے محمد بن عیسیٰ **الیقطینی** کی طرف وقف کی نسبت دی ہے حالانکہ کتب رجال وفقہ میں یہ بات کہیں بھی نہیں پائی جاتی اور نہ یہ بات ان کے بارے معقول ہے چونکہ وہ امام رضاؑ اور امام جوادؑ کے اصحاب میں سے تھے جبکہ وقف کا تعلق امام کاظمؑ سے تھا۔

فائدہ ۲:

اکثر سندِ روایت میں قدح اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ رجالِ فطحیہ پر مشتمل ہوتی ہے، یعنی وہ جو عبد اللہ الافطح بن امام صادقؑ کی امامت کے قائل تھے۔ کشی نے درج ذیل افراد کو فطحی شمار کیا ہے:

محمد بن الولید الخزّاز، معاویۃ بن الحکیم، مصدّق بن

صدقة ، محمد بن سالم بن عبد الحميد ، عبد الله بن بكير ، حسن بن علي بن فضّال ، عمّار بن موسى الساباطي ، علي بن السباط ، بني حسن بن علي بن فضال یعنی علي اور اس کے دونوں بھائی ، یونس بن یعقوب وغیرہ۔

ہشام بن سالم کی روایت کے مطابق ان الفطحية رجعوا عن مقالتهم إلا طائفة منهم عمار و اصحابه ۔ شیخ طوسیؒ نے استبصار میں کہا: ان عمار هذا ضعيف فاسد المذهب لا يعمل علي ما يختص بروايته عمار ساباطی ضعیف، فاسد المذہب ہے جس روایت میں وہ تنہا ہوں اُس پر عمل نہیں کیا جاتا ۔ لیکن علامہ طباطبائی (سید بحر العلوم) نے اس بارے مناقشہ کیا ہے کہ یہ اگر چہ فطحیہ تھے فاسد المذهب تھے لیکن سب ثقات تھے، روایت میں معتمد علیہم تھے، امّا عمّار فمجمعٌ علي توثيقه و فضله و فقاهته و قبول روايته و له كتاب كبير جيد معتمد عليه ۔ یعنی عمار ساباطی کی وثاقت پر اس کے فضل و فقاہت پر اور اس کی روایات کی قبولیت پر اجماع قائم ہے ۔ شیخ نے تہذیب میں کہا: انه ثقة في النقل لا يطعن عليه فيه۔ محقق نے معتبر میں کہا: انّ الاصحاب عملوا بروايته و حكي عن الشيخ انه قال في غير موضع من كتبه ان الإمامية مجمعة علي العمل برواية السكوني و عمار و من ماثلهما من الثقات ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ نے استبصار میں جو کہا اس سے مراد وہ مورد ہے جہاں روایت عمار کے مقابل صحیح السند معارض موجود ہو جیسا کہ عدۃ الاصول میں شیخ کے کلام سے مستفاد ہے ۔ ابو عمرو کشی کہتے ہیں: قال محمد بن مسعود العياشي ، عبد الله بن بكير و جماعة من الفطحية هم فقهاء ، اصحابنا و عد منهم عمار بن موسى الساباطي و بني

الحسن بن فضال، عليا و اخوته ، احمد بن الحسن و محمد بن الحسن۔

شیخ مفید نے بھی رسالہ ہلالیہ میں عمار کو از اصحاب اصول معروفہ قرار دیتے ہوئے انہیں من جملة الفقهاء و الرؤساء الاعلام الماخوذ عنهم الحلال و الحرام و لا مطعن عليهم و لا طريق إلى ذم واحد منهم قرار دیا ہے۔

نجاشی نے کہا: عمار بن موسى و اخواه قيس و صباح روا عن ابي عبدالله علیہ السلام و ابی الحسن علیہ السلام ثقاة فی النقل و لم يتعرض لذكر مذهبه، علامہ طباطبائی اس سے استظہار کرتے ہیں کہ عمار بھی دوسرے فطحیہ کی طرح حق کی طرف لوٹ آئے تھے۔ نیز استدلال کیا اس پر اس سے جو کشی نے کتاب الرجال میں روایت کیا باسنادہ عن متروک عن ابي الحسن علیہ السلام قال و استوهبت عمار الساباطي من ربّه فوهب لي۔

فائدہ۳:

قولهم صحيح الحديث، عند القدماء هو ما وثقوا بكونه من المعصوم علیہ السلام اعم من ان يكون الراوى ثقة او لامارات اخر يقطعون او يظنون بها صدوره عنه علیہ السلام ۔قدماء کسی راوی کے بارے صحیح الحدیث کہتیں تو یہ اس کی روایت کے معصوم سے صدور کی توثیق ہے یعنی اس کی روایت موثوق الصدور ہے۔

شیخ بہائی مشرق الشمسین میں فرماتے ہیں: في اقسام الخبر و ما يكون به صحيحا .... و هذا الاصطلاح لم يكن معروفا بين قد مائنا بل كان المتعارف بينهم إطلاق الصحيح على كل حديث يعتضد بما يقتضي اعتمادهم عليه او اقترن بما يوجب الوثوق به و الركون اليه ۔یعنی قدماء کے نزدیک صحیح کی اصطلاح سے مراد اس کی روایت کا موثوق الصدور ہونا ہے۔ و قال

الکاظمی في التکملة ج ۱ ص ۵۰ ، اعلم ان الصحة في لسان القدماء یجعلونها صفة لمتن الحدیث علی خلاف اصطلاح المتاخرین حیث یجعلونها صفة للسند و یریدون به ما جمع شرائط العمل اما من کونه خبر ثقة کما هو في اصطلاح المتاخرین۔یعنی قدماء کی اصطلاح میں صحت سے مراد متن حدیث کی صفت ہے جبکہ متاخرین کے نزدیک یہ سند کی صفت ہے، پس حدیث صحیح نزد قدماء وہ ہے کہ جس میں شرائط عمل موجود ہوں چاہے وہ رواۃ کے ثقہ ہونے کے ذریعے سے ہوں یا کسی اور قرینہ سے۔

مجلسی اول روضة المتقین ج ۱۴، ص ۱۰ پر فرماتے ہیں: و الظاهر من طریقة القدماء سیما اصحابنا ان مراد هم بالصحیح ما علم وروده من المعصوم ۔یعنی قدماء کے نزدیک صحیح وہ حدیث ہے کہ جس کا صدور معصوم سے معلوم ہو۔شہید ثانی الرعایة میں فرماتے ہیں: کسی کو صحیح الحدیث کہنا یقتضي کونه ثقة ضابطا ففیه زیادة تزکیة ۔سید داماد الرواشح السماویة میں اسی کے قائل ہیں۔ (راشحہ ۱۲)

فائدہ۴:

قولهم لا باس به اي بمذهبه او روایاته ، ظاہر مراد یہ ہے کہ انه لا باس به بوجه من الوجوه ہے،یعنی کسی لحاظ سے کوئی ڈر نہیں ہے۔اسی وجہ سے بعض نے اسے توثیق قرار دیا ہے جیسا کہ شہید ثانی نے الرعایة ص ۲۵ پر فرمایا: لا باس به بمعنی انه لیس بظاهر الضعف ،یعنی لا باس بہ کا مطلب یہ ہے کہ ظاہراً ضعف نہیں ہے۔ص ۲۰۷ پر فرمایا: و اما نفي الباس عنه فقریب من الخیر و لکن لا یدل علی الثقة بل من المشهور ان نفي الباس یوهم الباس، کسی راوی کے بارے لا

باس به کہنا اس کے نیک ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کی توثیق نہیں ہے بلکہ مشہور کے نزدیک یہ کلمہ کسی راوی میں گڑبڑ کا تو ہم دیتا ہے۔ محقق نے حاشیة الرعایة ابن معین سے نقل کیا ہے اذا قلت لیس به باس فهو ثقة۔ میر داماد نے لا باس به کو در ضمن الفاظِ توثیق و مدح شمار کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ کلمہ مدح کا افادہ کرتا ہے۔

فائدہ ۵:

قولهم وجه، عین، یہ دو کلمے بھی کافی حد تک مدح کا افادہ کرتے ہیں۔ بعض نے انہیں توثیق شمار کیا ہے جیسا کہ روضة المتقین ج ۱۴ ص ۴۵ پر فرمایا ہے: بل الظاهر ان قوله وجه توثیق ۔الفصول الغرویة میں ہے: منها قولهم عین او وجه او وجه من وجوه، اصحابنا ....و الاظهر انه یفید مدحا یصح الاعتماد معه علی روایته لا سیما الاخیر ۔شیخ بہائی نے مشرق الشمسین میں کہا:

انهم یریدون بقولهم ان فلانا ثقة انه عدل ضابط لان لفظة ثقة مشتق من الوثوق و لا وثوق بمن تساوي سهوه و ذکره او یغلب سهوه علی ذکره و هذا هو السرّ في عدولهم عن قولهم عدل اي قولهم ثقة، جب رجالی کسی کے بارے میں ثقہ کہتے ہیں تو ان کی مراد عدل، ضابط ہوتا ہے چونکہ ثقہ وثوق سے مشتق ہے اور جس کا سہو اس کی یادداشت سے زیادہ ہو یا اس کے برابر ہو وہ قابل وثوق نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے وہ عدل کہنے کے بجائے ثقہ کہہ دیتے ہیں۔

لیکن مقدس اعرجی یہ نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ قدماء ثقہ کو عدل کے معنی میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ (عدة الرجال)

قيمة التوثيقات

توثیق یا متقدمین سے صادر ہے یا متاخرین سے:

۱۔ **توثیق المتقدمین**: متقدمین سے مراد راویوں کے معاصر ہیں یا ان کے قریب العہد ہیں اس حیثیت سے کہ ان کی **شہادۃ بالوثاقۃ** اجتہاد و حدس کی محتاج نہ ہو۔ یہ مثل شیخ مفید، شیخ طوسی، ابن قولویہ، علی بن ابراہیم قمی، نجاشی و برقی وغیرہم ہیں۔ ان میں سب سے آخر میں **وفات** پانے والے شیخ طوسی تھے (متوفی ۴۶۰ھ)۔ ان متقدمین کی توثیقات قابل قبول ہیں۔ آقائے خوئی مرحوم فرماتے ہیں:

و مما تثبت به الوثاقة او الحسن ان ينصّ على ذلك احد الاعلام كالبرقي و ابن قولويه و الكشي و الصدوق و المفيد و النجاشي و الشيخ و اضرابهم و هذا ايضا مما لا اشكال فيه و ذلك من جهة الشهادة و حجيّة خبر الثقة

(معجم رجال الحدیث، ج ۱، ص ۵۵)

کسی راوی کی وثاقت یا حسن اس سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کی تصریح ان افراد مذکورہ میں سے کسی نے کی ہو اور ان کے قول کو شہادت یا حجیت خبر ثقہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔

۲۔ **توثیق المتاخرین (عن الشیخ)**: اس سے مراد علامہ، شیخ منتجب الدین، ابن شہر آشوب (صاحب معالم العلماء، ابن طاؤس، مجلسیین وغیرہم ہیں۔ ان کی توثیقات اگر غیر معاصرین کے حق میں ہوں تو اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ اجتہاد و حدس پر مبنی ہوں گی اور اگر قولِ رجالی کی حجیت از باب شہادت ہو تو اس میں **عن حسّ** (یعنی محسوس کیا ہو دیکھنے وغیرہ کے ذریعے) ہونا شرط ہے۔ متاخرین کی

توثیقات حدس ہے ان کا جو انہوں نے شیخ وغیرہ کی عبارات سے لگایا ہے۔ علامہ نے اجازہ بنی زہرہ میں جو کہا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے جمیع طرق شیخ طوسی پر منتہی ہوتے ہیں۔

ہاں اگر قولِ رجالی کی طرف رجوع از باب رجوع إلی اهل الخبرة (یعنی اہل خبرہ کی طرف رجوع) ہو تو ان میں عن حسّ ہونا شرط نہیں ہے۔ ایسی صورت میں متاخرین ماہرین کی توثیقات کی طرف رجوع مما لا باس به (یعنی رجوع میں کوئی ڈر نہیں) ہے۔ بشرطیکہ انہیں خبرۃ کہہ سکیں جو کہ مشکل ہے۔ چونکہ انہوں نے وہی کتابیں دیکھی ہیں جو سابقین نے دیکھیں تھیں۔ ایک اور وجہ بھی قبولِ توثیقاتِ متاخرین کیلئے ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حجیت خبر' موثوق بالصدور کے لئے ثابت ہے نہ خصوص خبر ثقہ کے لیے، یعنی مناط وثاقة الرجل نہیں ہے اگر چہ خبر موثوق الصدور نہ ہو۔ ہوسکتا ہے راوی ثقہ ہو لیکن قرائن شاہد ہوں کہ روایت معصوم سے صادر نہیں ہوئی ثقہ پر امر ملتبس و مشتبہ ہوا ہے۔

لیکن اگر خبر کا مناط موثوق الصدور ہونا ہو تو وثاقۃ الراوی اس پر ایک امارہ ہے لیکن قرائن صدقِ خبر پر دال ہوں تو اس کا اخذ جائز ہے۔ اس قول پر سیرۂ عقلاء بھی دال ہے۔ اس بناء پر اگر متاخرین کی توثیقات موجب ہوں وثوق بصدور الخبر کی تو ان پر اعتماد جائز ہے۔ (آقائے جعفر سبحانی، کلیات الرجال، ص ۱۵۶)

۳۔ توثیق المعصوم علیہ السلام: یہ اعلیٰ مراتب توثیق ہے اگر ثابت ہو جائے۔ اس کا اثبات وجدان یا روایت معتبرہ پر موقوف ہے اور روایت معتبرہ کثرت سے موجود ہے۔ لیکن روایۃ ضعیفہ سے اس کا اثبات یا خود اسی راوی کی روایت سے اس کا اثبات مشکل وغریب ہے جیسا کہ محدث نوری نے ترجمہ عمران بن عبداللہ القمی میں

کہا: روی الکشی خبرین منهما مدح عظیم لا یضر ضعف سندها بعد حصولِ الظن منها ۔ (معجم رجال الحدیث، ج ا، ص ۵۲)

۴۔**دعوی اجماع از طرف اقدمین**: اگر قدماء میں سے کوئی کسی راوی کی وثاقت پر اجماعِ منقول کا دعوی کرے تو اس سے وثاقت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ مدعی اجماع کی اپنی طرف سے توثیق سے کمتر نہیں ہے، جیسا کہ ابراہیم بن ہاشم والد علی بن ابراہیم قمی کے حق میں اجماعِ منقول کا دعوی ہوا ہے جیسا کہ ابن طاؤوس نے کہا ہے۔

توثیق مشائخ اجازه

اس فن کے اجلاء نے تصریح کی ہے کہ حال مشائخ ثلاثہ و اشباہم کے لئے مراجعہ کتب رجال کی ضرورت نہیں ہے۔ شہید ثانی درایہ میں فرماتے ہیں: **تعرف العدالة المعتبرة في الراوي بتنصيص عدلين عليها او بالاستفاضة بان تشتهر عدالته بين اهل النقل و غيره من اهل العلم كمشائخنا السالفين من عهد الشيخ محمد بن يعقوب الكليني و ما بعده إلى زماننا هذا لا يحتاج احد من هولاء المشائخ المشهورين إلى تنصيص على تزكية و لا تنبيه على عدالته كما اشتهر في كل عصر من ثقتهم و ضبطهم و ورعهم زيادة على العدالة** ...۔ جو عدالت راوی میں معتبر ہے اس کا پتہ دو عادل افراد کی گواہی سے چلے گا یا اہل علم کے درمیان مشہور ہو جیسا کہ ہمارے شیخ کلینیؒ کے دور سے بزرگ علماء اسی طرح تھے، ان بزرگوں میں سے کسی کو کسی کی توثیق وتزکیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ان مشائخ کا کتب رجال میں مذکور نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ یہ مجہول تھے یا

ان کی شان کا اہتمام نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ ان کی کوئی تصنیف نہیں تھی اور کتب رجال عموما ذکر مصنفین پر اکتفاء کرتی ہیں اور ان کی تصانیف تک کے طرق کو بیان کرتی ہے۔

اس باب سے ہے: رواية الشيخ عن ابي الحسين بن ابي جيد، و رواية المفيد عن احمد بن محمد بن الحسن الوليد، و رواية الصدوق عن محمد بن علي ماجيلويه و احمد بن محمد بن يحيى العطار و قال العلامة يحكم بصحة السند المشتمل على امثال هؤلاء۔ شیخ بہائی نے مشرق الشمسین میں ایسے بزرگان کا ذکر کیا ہے جو مشائخ ہیں لیکن کتب رجال میں ان کا ذکر نہیں ہے جیسے احمد بن محمد بن حسن بن الوليد، احمد بن محمد بن يحيى العطار، حسين بن حسن بن ابان، ابو الحسين علي بن ابي جيد .... لنا ظنّ بحسن حالهم و عدالتهم ....۔ سید میر داماد نے بھی الرواشح السماویۃ میں فرمایا: انّ للصدوق اشياخا كلما سمي واحد منهم في سند الفقيه قال رضي الله كجعفر بن محمد بن مسرور فهؤلاء إثبات اجلاء و الحديث من جهتهم صحيح نصّ عليهم بالتوثيق ام لم ينصّ۔

مثال کے طور پر وسائل الشیعۃ باب ا از ابواب الوضوء، حدیث ا: ما نصه محمد بن الحسن (الشيخ الطوسي) باسناده عن الحسين بن سعيد عن حماد بن عيسى عن حريز عن زرارة عن ابي جعفر قال لا صلوة إلا بطهور۔ اس روایت کی سند دیکھنے کیلئے ضروری ہے پہلے شیخ کی سند حسین بن سعید اہوازی تک دیکھیں صحیح ہے یا نہیں؟ مشیخہ تہذیب ج ۱۰، ص ۶۳ پر یہ سند دو طریق سے یوں بیان ہوئی ہے: قال و ما ذكرته في هذا الكتاب عن الحسين بن سعيد

فقد اخبرني به الشيخ ابو عبد الله محمد بن النعمان (الشيخ المفيد) و الحسين بن عبد الله (الغضائري استاذ الشيخ الطوسي) و احمد بن عبدون كلهم عن احمد بن محمد بن الحسن بن الوليد عن ابيه محمد بن الحسن بن الوليد، و اخبرني به ايضا ابو الحسن ابن ابي جيّد القمي عن محمد بن الحسن بن الوليد عن الحسين بن الحسن بن ابان عن الحسين بن سعيد ۔

ان دونوں طریق میں سند محمد بن الحسن بن الولید پر ختم ہوتی ہے۔ پہلے طریق میں احمد بن محمد بن الحسن بن الولید ہے اور اس احمد کے بارے توثیق خاص وارد نہیں ہوئی ۔ ہاں ! یہ شیخ اجازہ ہے اگر اوپر والی بات تسلیم کر لی جائے کہ ان مشائخ کو توثیق کی ضرورت نہیں تو شیخ کی یہ سند حسین بن سعید تک درست ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسرے طریق میں ابن ابی جید ہیں ان کی بھی توثیق خاص وارد نہیں ہے لیکن مشائخ میں سے ہیں ۔آپ نجاشی کے شیخ ہیں اور مشائخ اجازہ کی توثیق باب توثیقات میں ذکر کریں گے۔

اب اگلہ مرحلہ ہے اس کے بعد والی سند کا اور اس میں حسین بن حسن بن ابان ہے جس کی وثاقت ثابت نہیں ہے۔ لیکن شیخ طوسی نے فہرست میں حسین بن سعید تک ایک اور طریق ذکر کیا ہے: اخبرنا بها عدة من اصحابنا عن محمد بن علي بن الحسين عن ابيه و محمد بن الحسن و محمد بن موسى بن المتوكل عن سعد بن عبد الله و الحميري عن احمد بن محمد بن عيسى عن الحسين بن سعيد، اور یہ طریق صحیح ہے سب رواۃ ثقہ و اجلاء ہیں محمد بن علی تین اشخاص سے روایت کر رہے ہیں ان میں سے دو یعنی ان کے والد اور محمد بن حسن بن

الولید ثقہ ہیں اور حسین بن سعید کے بعد حماد بن عیسی وحریز سجستانی و زرارۃ ہیں کہ تینوں ثقہ واجلاء ہیں اور خود حسین بن سعید اہوازی ثقہ وبزرگان میں سے ہیں۔

ایک ضمنی بحث

اکثر رجالی قولِ رجالی کو از باب شہادت شمار کرتے ہیں۔ اب ان میں یہ بحث ہے کہ تزکیۂ راوی میں آیا شہادۃ عدلِ واحد کافی ہے یا نہیں؟ مشہور بین المتاخرین یہ ہے کہ ایک کافی ہے۔ لیکن بعض جیسے محقق اول و صاحب منتقی الجمان (صاحب المعالم) تعدد کو ضروری سمجھتے ہیں۔ صاحب المنتقی نے کہا: راوی میں عدالت کی شرط تقاضا کرتی ہے کہ اس کی عدالت کا علم ضروری ہے اور تزکیہ واحد مفید علم نہیں ہے اور دو عدل پر اکتفاء صحیح ہے اگرچہ یہ بھی مفید علم نہیں ہے لیکن یہ شرعاً قائم مقام علم ہے۔

یہ استدلال تو درست ہے لیکن دوسری طرف سے قولِ عادل یا خبر ثقہ کی حجیت بطور مطلق ثابت ہے یعنی احکام میں بھی اور موضوعات میں بھی۔ احکام میں اسے روایت کہتے ہیں اور موضوعات میں شہادت۔ ظاہر ادلہ یہ ہے کہ قولِ عدل یا ثقہ حجت ہے سوائے اس مورد کے جو خرج بالدلیل ہو جیسے مرافعہ و ہلال کہ روایات میں ان موارد میں تعدد کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور موضوعات میں حجیت خبر ثقہ کی دلیل عقلاء کا قطعی سیرہ ہے جس سے شارع نے ردع نہیں کیا۔ اس سیرہ کے علاوہ روایات بھی اس پر دال ہیں، جیسے المؤذن ، مؤتمن وغیرہ۔

التوثیقات

توثیق یا خاص ہے یا عام: توثیق خاص میں کسی ایک شخص کے بارے توثیق ہے جیسا کہ رجالی رواۃ کی توثیق ذکر کرتے ہیں یا معصوم کسی راوی پر نص فرمائیں کہ فلان ثقہ جیسا کہ یونس بن عبد الرحمان و زرارۃ وغیرہ کے بارے اس طرح کی توثیق

خاص وارد ہے۔توثیق عام کا مطلب یہ ہے کہ ایک عنوانِ کلی کے بارے توثیق وارد ہو جو متعدد افراد کو شامل ہو جائے۔ یہ درج ذیل عناوین ہیں:

١۔اصحاب الإجماع　　　٢۔مشائخ الثقات

٣۔العصابة التي لا يروون إلا عن ثقة. ٤۔رجال اسانيد نوادر الحكمة

٥۔رجال اسانيد كامل الزيارة　　　٦۔رجال اسانيد تفسير القمي

٧۔اصحاب الصادق عليه السلام　　　٨۔شيخوخة الإجازة

٩۔الوكالة عن الإمام　　　١٠۔كثرة تخريج الثقة عن الشخص

١١۔مشائخ النجاشي　　　١٢۔وقوع بني فضّال في السند

١۔اصحاب الاجماع

ان طرق میں سے یہ سب سے اہم مورد ہے اور علم رجال کی بھی یہ اہم ترین بحث ہے۔اس کی اصل کیا ہے؟ یہ اصحاب کتنے افراد ہیں اور مراد کیا ہے؟ یہ چند امور اس میں قابل بحث ہیں:

١۔ما هو الاصل فی ذلک:

اس میں اصل وہ ہے جو کشی نے اپنے رجال میں نقل کیا ہے، تین عبارات ہیں:

١۔ تسمية الفقهاء من اصحاب ابي جعفر و ابي عبد الله عليهما السلام اجتمعت العصابة على تصديق هؤلاء الاولين من اصحاب ابي جعفر و اصحاب ابی عبد الله عليهما السلام و انقادوا لهم بالفقه، فقالوا: افقه الاولين ستة: زرارة و معروف بن خربوذ و بريد و ابو بصير الاسدی و الفضيل بن اليسار و محمد بن مسلم

الثقفی، قالوا : افقه الستة زرارة و قال بعضهم مکان ابی بصیر الاسدی ابو بصیر المرادی و هو لیث بن البختری۔ (ص ۲۰۶)

اصحاب امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام میں سے فقہاء کے نام: ان درج ذیل اصحاب کی تصدیق پر جماعت شیعہ کا اجماع ہے اور ان کی فقہ پر سر تسلیم خم ہیں۔ ان میں سے فقیہ ترین چھ ہیں: زرارہ، معروف بن خربوذ، ابو بصیر الاسدی، فضیل بن یسار، محمد بن مسلم اور برید۔ ان میں سے زرارہ فقیہ ترین ہیں۔ بعض نے ابو بصیر الاسدی کی جگہ ابو بصیر المرادی کہا ہے جو کہ لیث بن البختری ہیں۔

۲۔ تسمية الفقهاء من اصحاب ابي عبد اللهؑ اجمعت العصابة على تصحيح ما يصح عن هؤلاء و تصديقهم لما يقولون و اقرّوا لهم بالفقه من دون اولئک الستة الذين عددناهم و سميناهم و هم ستة نفر جميل بن درّاج و عبد الله بن مسكان و عبد الله بن بكير و حمّاد بن عثمان و حماد بن عيسى و ابان بن عثمان، قالوا و زعم ابو إسحاق الفقيه و هو ثعلبة بن ميمون ان افقه هؤلاء جميل بن درّاج و هم احداث اصحاب ابي عبد اللهؑ۔

(ص ۳۲۲، احداث یعنی جوان)

امام صادقؑ کے اصحاب میں سے فقہاء کے نام: جماعت شیعہ کا اجماع ہے کہ جو درج ذیل اصحاب سے حدیث صحیح ہو اس کو صحیح کہیں اور جو وہ کہیں اس کی تصدیق کریں اور ان کے فقیہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ ان سابقہ چھ افراد سے رتبہ میں کم ہیں۔ یہ بھی چھ افراد ہیں: جمیل بن درّاج، عبد اللہ بن

مسکان، حماد بن عثمان، حماد بن عیسیٰ، ابان بن عثمان، عبد اللہ بن بکیر۔ جمیل ان میں سے فقیہ ترین ہیں۔

۳۔ تسمية الفقهاء من اصحاب ابي إبراهيم و ابي الحسن عليهما السلام اجمع اصحابنا على تصحيح ما يصح عن هؤلاء و تصديقهم و اقرّوا لهم بالفقه و العلم و هم ستة نفر آخر دون ستة نفر الذين ذكرناهم في اصحاب ابي عبد الله عليه السلام منهم يونس بن عبد الرحمن و صفوان بن يحيى بيّاع السابري و محمد بن ابي عمير و عبد الله بن المغيرة و الحسن بن المحبوب و احمد بن محمد بن ابي نصر و قال بعضهم مكان الحسن بن محبوب الحسن بن علي بن فضّال و فضالة بن ايوب و قال بعضهم مكان فضالة بن ايوب عثمان بن عيسى و افقه هؤلاء يونس بن عبد الرحمن. (رجال الكشي، رقم ۱۰۵۰)

اصحاب امام موسیٰ کاظم اور امام رضا علیہما السلام میں سے فقہاء کے نام: ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ جو ان سے صحیح ہو اسے صحیح سمجھیں اور ان کی تصدیق کریں اور ان کے فقہ و علم کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بھی چھ افراد ہیں۔ یہ ان سابقہ افراد سے کم رتبہ ہیں: یونس بن عبد الرحمٰن، صفوان بن یحییٰ، محمد بن ابی عمیر، عبد اللہ بن مغیرہ، حسن بن محبوب، احمد بن محمد بن ابی نصر۔ بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی بن فضال کہا ہے یا فضالہ بن ایوب۔ ان میں سے یونس فقیہ ترین ہیں۔

ان افراد کو اصحاب اجماع کہنا ایک جدید اصطلاح ہے جو متاخرین میں رائج

ہوئی جبکہ کشی کی تینوں عبارات میں تسمیۃ الفقہاء آیا ہے یعنی انہوں نے انہیں الفقہاء کہا ہے۔

۲۔ اما عدد اصحاب الاجماع

کشی نے پہلے چھ میں فرمایا: بعض نے ابوبصیر اسدی کی جگہ ابوبصیر مرادی کہا ہے۔ گویا ان میں سے پانچ موردِ اتفاق ہیں، دوسرے چھ کے چھ موردِ اتفاق ہیں اور طبقہ ثالثہ سے بھی پانچ موردِ اتفاق ہیں۔ بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ پر حسن بن علی بن فضال کہا ہے اور فضالہ بن ایوب کہا اور بعض نے فضالہ بن ایوب کی جگہ عثمان بن عیسی کہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ان میں سے ۱۶ افراد موردِ اتفاق ہیں اور دو کا اختلاف کشی نے ذکر کیا ہے۔ یہ کل اٹھارہ ہوئے اور بعض نے چار اور ذکر کیے یہ کل ۲۲ افراد ہوئے۔

محدث نوری نے مستدرک الوسائل ج ۴ فائدہ سابعہ میں کہا: یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر طبقہ میں چھ افراد ہوں، ہوسکتا ہے بعض بعض کے بارے جان سکے ہوں اور دوسرے بعض نے دوسروں کے بارے جانا ہو لہٰذا سب موردِ اجماع ہونگے۔ سید بحر العلوم نے بھی ابوبصیر مرادی کو ستۃ اولی میں قرار دیتے ہوئے اسے اصح کہا ہے اور پہلے قول کو شاذ کہا ہے۔

۳۔ اس اجماع کے بارے اصحاب کی نظر

محدث نوری نے فائدہ سابعہ میں یہ کلمات ذکر کئے ہیں:

۱۔ سب سے پہلے کشی نے یہ اجماع نقل کیا ہے۔ آپ قرنِ رابع کے علماء میں سے شیخ کلینی کے معاصر تھے اور عیاشی صاحب تفسیر کے شاگرد تھے۔

۲۔ کشی کے بعد شیخ طوسی از علماء قرنِ خامس (م ۴۶۰ ھ) نے یہ اجماع نقل کیا ہے۔ انہوں نے رجال کشی کی تہذیب کی، اس میں بھی ہے اور عدۃ الاصول میں

فرمایا:

سوّت الطائفة بين ما رواه محمد بن ابي عمير و صفوان بن يحيى و احمد بن محمد بن ابي نصر و غيرهم من الثقات الذين عرفوا بانّهم لا يروون و لا يرسلون إلّا ممن يوثق به و بين ما اسندهم غيرهم و لذلک عملوا بمراسيلهم إذا انفرد عن رواية غيرهم۔

جماعت شیعہ صحیح سمجھتی ہے اسے جسے ابن ابی عمیر، صفوان اور بزنطی جیسے ثقہ افراد روایت کریں جن کے بارے معروف ہے کہ یہ نہ روایت کرتے اور نہ ارسال کرتے ہیں مگر ثقہ سے۔ اسی وجہ سے ان کے مرسلات پر بھی عمل کرتے ہیں جب یہ اس کی روایت میں منفرد ہوں۔

ان تین کے ساتھ اس بات میں یہی اصحاب اجماع ہی مشترک ہیں (لیکن العدۃ کی عبارت کا یہ مطلب نہیں جو محدث نوری نے فرمایا ہے کما سیاتي)۔

۳۔ ابن شہر آشوب از علماءِ چھٹی صدی (م ۵۸۸) انہوں نے کشی کی عبارت ذکر کی ہے اور اسے قبول کیا ہے۔

۴۔ علامہ حلی از علماء آٹھویں صدی (م ۷۲۶)، آپ نے کشی کی بات خلاصہ میں متعدد موارد میں ذکر کی ہے۔

۵۔ ابن داؤد از علماءِ آٹھویں صدی، آپ اپنے رجال میں فرماتے ہیں: اجمعت العصابة على ثمانية عشر رجلا فلم يختلفوا في تعظيمهم غير انهم يتفاوتون ثلاثة درج ...(رجال ابن داؤد ، خاتمة قسم الاول الفصل الاول)

٦۔ شہید اول (استشہد ۷۸۶ھ) بھی غایۃ المراد میں کشی کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں۔

البتہ ساتویں صدی کے علماء میں سے کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا، جیسے ابن زہرہ، ابن نما، ابن طاؤوس، محقق اول و ابن سعید۔نویں صدی کے فاضل مقداد و ابن فہد حلی نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ہاں شہید ثانی از علماء دسویں صدی کے علماء میں سے شرح درایہ میں تعریف صحیح میں اس اجماع کا حوالہ دیتے ہیں اور شرح لمعہ کتاب الطلاق میں اس کا ذکر کیا ہے۔بعد کے سب فقہاء نے اسے قبول کیا ہے لیکن واضح ہے کہ سب نے کشی ہی کے حوالے سے اسے ذکر کیا ہے۔لہٰذا یہ چیز اس کے اعتبار میں مزید اضافے کا باعث نہیں بنے گی۔

۴۔مذکورہ بالا اجماع کی حجیت کی وجہ

اجماعِ منقول بخبر واحد آیا حجت ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا حجت ہے اور ادلہ حجیت خبر واحد اسے شامل ہیں۔لیکن شیخ انصاریؒ اور دوسرے علماء نے اسے ردّ کر دیا چونکہ ادلہ حجیت خبر واحد خاص ہیں اس خبر کے ساتھ جو قولِ معصوم کو عن حس نقل کرے جبکہ ناقل اجماع اسے عن حدس نقل کرتا ہے۔لہٰذا یہ اشکال مشترک ہے تمام اجماعاتِ منقولہ پر کہ ناقل' سبب یعنی اتفاق الکل کو نقل کرتا ہے۔اما مسبب یعنی قولِ امامؑ تو وہ حدساً ہوتا ہے نہ حساً۔اور ظاہراً ابو عمرو الکشی نے بھی تمام عصابہ کے اجماع کا تفحص نہیں کیا بلکہ معدود آراء کو ملاحظہ کیا ہے جو کہ اتفاقِ کل سے ملازمہ نہیں رکھتی۔

اس اجماع پر ایک اور اشکال بھی ہے کہ اجماعِ منقول کی حجیت بالفرض اگر مان بھی لیں تو بھی یہ صرف حکم شرعی کے متعلق ہو تو حجت ہوتا ہے نہ کہ موضوع پر اجماعِ محصل ہو تب بھی حجت نہیں چہ جائیکہ منقول ہو۔اس اجماعِ کشی پر مندرجہ بالا دو اشکال

کیے جا سکتے ہیں۔

اشکالِ اوّل کا جواب

دیکھنا یہ ہے کہ ان اٹھارہ افراد کے بارے جو کشی نے کہا ہے اس سے مراد کیا ہے۔ اگر مراد یہ ہو کہ ان اعلام کی نقل و حکایت میں تصدیق ہے جو کہ ان کی وثاقت کے ملازم ہے کما ھو الظاھر کما سیاتی تو ان کی وثاقت کیلئے اتفاقِ کل کی اصلاً ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک شخص کی توثیق بھی کافی ہے جس پر کشی عن حسّ واقف ہوئے ہیں اور یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ اس پر کشی کو حدس سے متہم کریں بلکہ یقیناً کشی نے ایک سے زیادہ تصریحات وتوثیقات عن حسّ درک کی ہوں گی۔

ہاں اگر کشی کی عبارت سے مراد یہ ہو کہ عصابہ کا اجماع ہے ان اعلام کی روایات کی تصحیح بالمعنی المصطلح عند القدماء پر قرائن خارجیہ سے استفادہ کرتے ہوئے تو پھر یہ اشکال وارد ہوگا چونکہ علم بالصحة تو امرِ حسی نہیں کہ ادلہ حجیت خبر واحد اسے شامل ہوں اور نہ سارے قرائن موجب علم از امور حسیہ ہیں اور مسبب یعنی ان اعلام کی روایات کی صحت حدسی امر ہے اور غالب قرائن حدسی ہیں۔

بعض نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ قولِ کشی اگر چہ اتفاقِ حقیقی کو ثابت نہیں کرتا لیکن ایک مجموعہ کبیرہ کے اتفاق کو علی تصحیح ھؤلاء پر ثابت کرتا ہے۔ چونکہ بعید ہے قدماء ایک دو افراد کی تصریح کو دیکھ کر اجماع کا دعویٰ کردیں اور اتنی جماعت کا اتفاق ان کی روایات کی تصحیح پر ان کے بارے اطمینان کا فائدہ دیتا ہے اور اس دور میں اجتہاد و حدس قلیل تھا مسائل فقہیہ میں اساس و بنیاد حس وشہود ہی تھی لہٰذا ممکن ہے انہوں نے ایسے قرائن عامہ پر اعتماد کیا ہو جو مفید اطمینان ہوں جیسے کتاب کو امام پر پیش کرنا یا کسی اصل معتبر میں پانا یا اصول میں متکرر ہونا وغیرہا۔

لیکن یہ راہ حل صرف امکانات پر مبنی ہے اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ورنہ فقیہ وتہذیب واستبصار کے مقدموں میں بھی صحت روایات کا دعوی موجود ہے انہیں بھی صحیح ماننا پڑے گا۔

اشکالِ دوم کا جواب

اس کا جواب واضح و آسان ہے چونکہ شمولِ ادلہ کیلئے حکم شرعی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کون المخبر به مما يترتب على ثبوته اثر شرعي (یعنی مخبر بہ ایسی چیز ہو کہ جس کے ثبوت پر اثر شرعی مترتب ہو) کافی ہے اور یہ چیز یہاں موجود ہے۔

۵۔تصحیح ما یصح عنھم کامفہوم

یہ وہ اہم بحث ہے جس کے بارے محدث نوری نے خاتمہ مستدرک میں مفصل بحث کی ہے۔اختلاف اس میں ہے کہ ما یصح میں ما موصولہ سے کیا مراد ہے؟ آیا مراد روایت و حکایت بالمعنی المصدری ہے یا مراد مروی ونفس الحدیث ہے؟ یعنی آیا مرادان کی حکایات کی تصدیق ہے یا ان کی مرویات کی تصدیق ہے؟ یعنی اجماع اس پر قائم ہے کہ ابن ابی عمیر مثلا اپنی حکایت وقول میں صادق ہیں کہ ابن اذینہ یا عبداللہ بن مسکان نے اس سے یہ بیان کیا ہے یا اجماع اس پر قائم ہے کہ اس کی حدیث صحیح ہے اور معصوم سے صادر ہے۔

یا یوں کہہ لیں آیا اجماع کا متعلق اس کی بلا واسطہ روایت ہے یعنی جو اس نے اپنے شیخ سے کی ہے یا اجماع اس کی مع الواسطہ روایت کی تصحیح پر قائم ہے یعنی اس حدیث کی صحت پر جو وہ امام سے مع الواسطہ نقل کر رہا ہے۔یعنی معنی اول مراد ہو تو یہ ان کی توثیق کے ملازم ہے یعنی ان افراد کی تصحیح ان کی روایات و حکایات میں ملازمہ رکھتی ہیں ان کے ثقہ ہونے کے ساتھ۔

دوسرے معنی میں تین احتمالات ہیں:

۱۔ خود روایت کی صحت مراد ہے۔ اگر چہ مرسلہ او ضعیفہ ہو اور ضعیف راوی سے مروی ہو۔

۲۔ حدیث کی صحت مراد ہو اس وجہ سے کہ خود اصحاب اجماع ثقہ ہیں، یہ وہی معنی اول ہے۔

۳۔ حدیث صحیح ہے چونکہ خود اصحاب اجماع بھی ثقہ ہیں اور جن سے وہ روایت کریں تا امامؑ وہ سب ثقہ ہیں۔ یہاں تک کہ امام تک واصل ہو جائے۔ اس احتمالِ سوم کی بناء پر بہت بڑی تعداد از روایات موثق ہو جائے گی۔

معنی اول:

معنی اول کا احتمال صاحب وافی نے مقدمہ ثالثہ میں دیا ہے: انّ ما یصح عنہم ھو الروایۃ لا المروي، اس کی بناء پر یہ اجماع ان کی عدالت وصدق سے کنایہ ہوگا۔ صاحب ریاض کا ظاہر بھی یہی معنی ہے اور یہی درست ہے، چونکہ:

اوّلاً: کشی نے ان پہلے طبقہ کے بارے ایسی تعبیر ذکر نہیں کی بلکہ یہ کہا **اجتمعت العصابة علی تصدیق ھؤلاء الاولین ... و انقادوا لھم بالفقه** ...اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا: **امر تصحیح ما یصح عنھم** سے اگر مرویات کی تصحیح ہوتی تو یہ عبارت ان کے حق میں بھی کہتے جبکہ یہ سب سے اعلیٰ طبقہ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تصحیح سے مراد ان کے صدق کا حکم لگانا تھا جس کا لازمہ ان کی وثاقت ہے۔

و ثانیاً: بہت سے اعلام نے اس عبارت سے یہی معنی سمجھے ہیں جیسا کہ ابن

شہر آشوب ہیں۔ اسی وجہ سے وہ طبقہ ثانیہ کو ذکر کرتے ہوئے تصحیح ما یصح عنہم کی بجائے فرماتے ہیں: **اجتمعت العصابة علی تصدیق ستة اصحاب الإمام الصادقؑ و....**

اسی طرح علامہ نے مختلف الشیعہ میں کہا: **لا یقال عبد اللّٰه بن بکیر الفطحي لانا نقول عبد الله بن بکیر و إن کان فطحیا إلّا ان المشائخ وثقوه**، اس کے بعد کشی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح کی بات وہ ابان بن عثمان الاحمر کے ترجمہ میں کہتے ہیں:.... **الأ انه کان ثقة و قال الکشي انه ممن اجمعت العصابة علی تصحیح ما یصح عنهم**۔ اسی طرح ابن داؤد نے بھی سمجھا ہے جیسا کہ ان کی عبارت ذکر ہوگئی۔

و ثالثًا: ہر راوی اپنے سے پہلے والے راوی کی کلام نقل کرتا ہے نہ کہ حدیث کو نقل کرتا ہے۔ لہٰذا تصحیح بھی اس کی نقل سے مربوط ہوگی نہ کہ حدیث سے، مثلاً ابن ابی عمیر، ابن اذینہ سے نقل کرتے ہیں تو وہ اس نقل میں مصدق ہوں گے جب وہ مصدق درنقل ہوئے تو ثقہ ہوں گے۔ البتہ محدث نوری نے اس قول پر اشکالات کئے ہیں لیکن وہ زیادہ دقیق نہیں ہیں۔ ہاں یہ سوال باقی ہے کہ اگر توثیق ہی مراد تھی تو پھر ان ۱۸ افراد کے ساتھ تخصیص کی کیا ضرورت تھی جبکہ بہت سے اور رواۃ بھی ہیں جن کی وثاقت متفق علیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ افراد مراجع فقہ تھے اور مصادر علوم ائمہ تھے۔ اسی وجہ سے **بتصدیقهم** پر عطف کرتے ہوئے کہا: **و اقرّوا لهم بالفقه و العلم** یعنی اجماع صرف ان کی وثاقت پر قائم نہیں ہے بلکہ ان کی فقاہت وعلم پر بھی ہے ائمہ کے دوسرے تلامذہ کے مقابل میں۔ جبکہ کشی نے انہیں اصحاب اجماع نہیں کہا بلکہ فقہاء کہا ہے۔

معنی ثانی:

معنی ثانی میں تین احتمال ذکر ہوئے ہیں:

احتمالِ اول: ان کی روایات صحیح ہیں قرائن داخلیہ یا خارجیہ کی وجہ سے یعنی **تصحیح ما یصح عنه** کا مطلب یہ ہے کہ ان اصحاب کی روایات صحیح ہیں اور صحت اس معنی میں مراد ہے جو قدماء میں معروف تھا یعنی اطمینان ہو صدق روایت کے بارے بغیر اس کے کہ اس کے رواۃ کی توثیق ہو، اس احتمال میں ما صولہ سے مراد خود مروی و حدیث ہے جب ان تک روایت صحیح ہو جائے تو اس کی صحت کا حکم لگائیں گے اگر چہ سند مرسل ہو یا مشتمل ہو ضعیف یا مجہول پر۔

متاخرین یعنی علامہ یا ان کے شیخ احمد بن طاؤس (م۶۷۳) کے عصر سے صحیح کے معنی یہ رائج ہوئے جس کی سند معصوم تک متصل ہو نقل عدل امامی ضابط کے ذریعے تمام طبقات میں جبکہ قدماء کے نزدیک صحیح وہ حدیث تھی جو قرائن داخلیہ یا خارجیہ سے محفوف ہو جو اس کے صدق پر دال ہوں اگر چہ اس کی سند ضعیف ہو۔ تصحیح ما یصح عنہ کا یہ معنی محقق داماد نے الرواشح السماویہ ص ۴۱ میں اختیار کیا ہے اور محقق بہبہانی نے تعلیقہ میں اسے اختیار کیا ہے۔ اس قول سے کوئی ثمرۂ رجالی ثابت نہیں ہوتا چونکہ اس کی بناء پر نہ ان اصحاب اجماع کی توثیق ہوتی ہے اور نہ ان کے مشائخ کی۔

اس قول سے جواب دیتے ہوئے محدث نوری فرماتے ہیں کہ یہ قول موقوف ہے اس پر کہ صحیح عند القدماء و صحیح عند المتاخرین فرق رکھتا ہو جبکہ ایسا کوئی فرق ثابت نہیں ہے بلکہ دونوں کے نزدیک صحیح کے ایک معنی ہیں۔ صرف یہ کہ متاخرین صحیح میں راوی کے امامی ہونے کی شرط کرتے ہیں جبکہ قدماء روایت ثقہ پر صحیح کا اطلاق کرتے ہیں اگر چہ

غیر امامی ہو۔

لیکن یہ بات درست نہیں ہے چونکہ خبر کو قرائن داخلیہ یا خارجیہ کی بناء پر صحیح کہنا ثابت ہے۔ قرینہ داخلیہ سے مراد وثاقت راوی ہے، متاخرین سب کے سب اسی کے قائل ہیں۔ شیخ طوسی نے عدۃ الاصول بحث تعادل وتراجیح میں قرائن خارجیہ کو بیان کیا ہے جیسے خبر کا موافق ادلہ عقل ہونا یا موافق مضمونِ قرآن ہونا یا موافق سنت معتبرۃ ہونا یا موافق ہونا اس کے جس پر فرقہ مُحقّۃ کا اجماع ہو:

فھذہ القرائن کلھا تدل علی صحۃ متضمن اخبار الاحاد و لا تدل علی صحتھا انفسھا۔

یعنی یہ قرائن سب کے سب اخبار کے مضمون کی صحت پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ خود خبر واحد کی صحت پر۔

احتمال دوم و سوم: اصحاب اجماع کی روایات پر صحت کا حکم لگانا ان کی اور ان کے مشائخ کی وثاقت کی بناء پر یعنی ان کی احادیث صحیح ہیں نہ بسبب قرائن داخلیہ یا خارجیہ بلکہ اس لئے کہ یہ خود ثقہ ہیں اور جن سے انہوں نے روایت کی ہو تا معصوم وہ سب رواۃ ثقہ ہیں۔ یہی احتمال محدث نوری نے اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اس قول کی تقریر وتوضیح اور استدلال کو مفصل بیان کیا ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے اور ان کا استدلال اسے ثابت نہیں کرسکتا۔

اس قول کا سب سے بہترین جواب یہ ہے کہ اصحاب اجماع میں ضعفاء سے روایت کثرت سے واقع ہوئی ہے، جیسے

۱۔ کلینی نے باب من اوصی و علیہ دین و کتاب المیراث میں

غیر امامی ہو۔

لیکن یہ بات درست نہیں ہے چونکہ خبر کو قرائن داخلیہ یا خارجیہ کی بناء پر صحیح کہنا ثابت ہے۔قرینہ داخلیہ سے مراد وثاقت راوی ہے، متاخرین سب کے سب اسی کے قائل ہیں ۔شیخ طوسی نے عدۃ الاصول بحث تعادل وتراجیح میں قرائن خارجیہ کو بیان کیا ہے جیسے خبر کا موافق ادلہ عقل ہونا یا موافق مضمونِ قرآن ہونا یا موافق سنت معتبرۃ ہونا یا موافق ہونا اس کے جس پر فرقہ مُحقَّۃ کا اجماع ہو:

فهذه القرائن كلها تدل على صحة متضمن اخبار الاحاد و لا تدل على صحتها انفسها۔

یعنی یہ قرائن سب کے سب اخبار کے مضمون کی صحت پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ خود خبر واحد کی صحت پر۔

احتمال دوم و سوم: اصحاب اجماع کی روایات پر صحت کا حکم لگانا ان کی اور ان کے مشائخ کی وثاقت کی بناء پر یعنی ان کی احادیث صحیح ہیں نہ بسبب قرائن داخلیہ یا خارجیہ بلکہ اس لئے کہ یہ خود ثقہ ہیں اور جن سے انہوں نے روایت کی ہو تا معصوم وہ سب رواۃ ثقہ ہیں ۔یہی احتمال محدث نوری نے اختیار کیا ہے۔انہوں نے اس قول کی تقریر وتوضیح اور استدلال کو مفصل بیان کیا ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے اور ان کا استدلال اسے ثابت نہیں کرسکتا۔

اس قول کا سب سے بہترین جواب یہ ہے کہ اصحاب اجماع میں ضعفاء سے روایت کثرت سے واقع ہوئی ہے، جیسے

۱۔ کلینی نے باب من اوصى و عليه دين و كتاب الميراث میں

روایت کی: عن جمیل بن درّاج عن زکریا بن یحیی الشعیري عن الحکم بن عتیبة ،اس حکم کی مذمت میں متعدد روایات وارد ہیں۔ (رجالِ کشی، ص ۱۳۷)۔

۲۔ شیخ نے الفہرس میں حکایت کی: ان یونس بن عبد الرحمن روی کتاب عمرو بن جمیع الازدي البصري ... و قد ضعّفه الشیخ و النجاشي ،اس کی مزید وضاحت مشائخ ثقات میں آئے گی۔ (کلیات الرجال استاد جعفر سبحانی مدظلہ)

۲۔مشائخ الثقات

توثیق عام کا ایک اور مورد تین افراد کے بارے یہ جملہ ہے کہ محمد بن ابي عمیر و صفوان بن یحیی و محمد بن ابي نصر البزنطي لا یروون و لا یرسلون إلا عن ثقة ،دو فائدے اس دعوی پر مترتب ہیں:

فائدہ اولی: جس سے یہ روایت کریں وہ ثقہ ہے، یہ ثمرہ رجالی ہے۔

فائدہ ثانیہ: ان کے مراسیل پر عمل ایسے ہی جائز ہے جیسے ان کے مسانید پر اگرچہ واسطہ مجہول یا مہمل یا ضعیف ہو، یہ ثمرہ اصولیہ ہے۔

اس بارے اصل شیخ طوسی کی عدة الاصول کی عبارت ہے، وہ فرماتے ہیں:

و إذا کان احد الراویین مسندا و الآخر مرسلا نظر في حال المرسل فإن کان ممّن انّه لا یرسل إلّا عن ثقة موثوق به فلا ترجیح لخبر غیره علی خبره و لإجل ذلک سوّت الطائفة بین ما یرویه محمد بن ابي عمیر و صفوان بن یحیی و احمد بن ابي نصر البزنطي وغیرهم من الثقات الذین عرفوا بانّهم لا

یـروون و لا یـرسلون إلّا ممّن یوثق به و بین ما اسنده غیرهم و لذلک عملوا بمراسیلهم إذا انفردوا بروایة غیرهم۔

(ج۱،ص۱۵۴، طبعہ حدیثہ ص۳۸۶)

اگر دو روایوں میں سے ایک مسنداً روایت کرے اور دوسرا مرسلاً تو دیکھیں ارسال کرنے والا کون ہے۔اگر وہ ایسا راوی ہے جو ارسال نہیں کرتا مگر ثقہ سے تو دوسرے کی روایت کو اس کی مرسلہ روایت پر کوئی ترجیح نہیں ہو گی۔اسی وجہ سے طائفہ امامیہ برابر قرار دیتے ہیں اسے جسے یہ تین افراد روایت کریں یا دوسرے ثقہ افراد جن کے بارے معروف ہے کہ یہ روایت یا ارسال نہیں کرتے مگر ثقہ سے اور اسے جسے ان کے غیر راوی مسنداً نقل کریں۔اسی وجہ سے جماعت شیعہ ان کے مرسلات پر عمل کرتی ہے۔

ان تین افراد کی شناخت

۱۔ ابن ابی عمیر (۲/۲۱۷ھ)

آپ کو محمد بن زیاد البـزاز یا الازدی کہا جاتا ہے۔نجاشی نے کہا: و هــو مـحـمـد ابن ابي عمير زياد بن عيسى ابو احمد الازدي من موالي المهلب بـن ابي صـفـرة، بـغدادی الاصل و المقام لقي ابا الحسن موسیٰ علیہ السلام و سـمـع مـنــه احـاديـث كـنـاه في بـعـضـهـا فقال : يا ابا احمد و روى عن الرضا علیہ السلام، جـلـيـل الـقـدر ، عـظيم المنزلة فينا و عند المخالفين الحافظ يـحـكـی عنه فی کتبه و قد ذکره فی المفاخرة بین العدنانیة و القحطانیة جاحظ نے البیان والتبیین میں کہا: حـدثنی إبراهیم بن داحة عن ابن ابی عمیر و كـان وجها من وجوه الرافضة ۔آپ مہلب ابن ابی صفرہ کے موالی تھے بغداد کے

رہنے والے تھے، امام کاظمؑ سے روایات لیتے، بعض روایات میں امام نے آپ کو یا ابا احمد کہہ کر خطاب کیا، حافظ ابن حجر نے اپنی کتب میں آپ کے بارے کہا کہ آپ مفاخر میں سے تھے۔جاحظ نے بھی کہا کہ آپ روافض کے بزرگان میں سے تھے۔

ایامِ رشید میں آپ کو قید میں ڈالا گیا۔بعض نے کہا تا کہ مسند قضاوت قبول کر لیں، بعض نے کہا تا کہ اصحاب امام کاظم علیہ السلام کے بارے خبر دیں۔و روي کہ آپ کو کوڑے مارے جا رہے تھے، شدت تکلیف سے قریب تھا کہ آپ کچھ کہہ دیتے کہ آپ نے محمد بن یونس بن عبد الرحمٰن کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے اتق اللّٰہ یا محمد بن ابي عمير فصبر ففرّج اللّٰہ۔خدا سے ڈرو اے ابن ابی عمیر آپ نے صبر کیا اور خداوند نے آپ کو رہائی دلائی۔روایت کی گئی ہے کہ آپ کو مامون نے قید میں ڈالا یہاں تک کہ بعض بلاد کی قضاوت آپ نے قبول کر لی۔

و قيل آپ کی بہن نے آپ کی کتب کو اس حالت میں دفن کر دیا جب وہ چھپی ہوئی تھیں، ابن ابی عمیر چار سال قید میں رہے جس کی وجہ سے ان کی سب کتب ضائع ہو گئیں۔و قيل آپ کی بہن نے آپ کی کتب ایک غرفہ میں رکھی تھیں ان پر بارش کے پڑنے سے وہ سب خراب ہو گئی، آپ نے پھر حفظ سے احادیث بیان کیں اس وجہ سے آپ کے مراسیل کو اصحاب قبول کرتے ہیں۔

نجاشی احمد بن محمد بن خالد سے روایت کرتے ہیں کہ ان ابن ابي عمير صنّف اربعة و تسعين كتابا ...۔کہ ابن ابی عمیر نے چورانوے کتب لکھی۔و مات سنة سبع عشرة و مائتين۔اور ۲۱۷ ہجری میں فوت ہوئے۔شیخ طوسیؒ نے فہرست میں کہا: كان من اوثق الناس عند الخاصة و العامة و نسكهم نسكا و اورعهم و اعبدهم و قد ذكره الحافظ في كتابه فخر قحطان على عدنان

... انه كان اوحد اهل زمانه في الاشياء كلها۔ آپ نے تین آئمہ علیہم السلام کو ادراک کیا امام موسیٰ کاظم، امام رضا اور امام جواد علیہم السلام کو۔ احمد بن محمد بن عیسی نے آپ سے ۱۰۰ افراد اصحاب کی کتب کو روایت کیا ہے۔ (فہرس، ترجمہ رقم ۶۱۸)

اصحاب میں سے ایسے اور افراد بھی تھے جن کے بارے مشہور تھا کہ یہ نقل نہیں کرتے مگر ثقہ سے۔ جیسے احمد بن محمد بن عیسیٰ قمی، جعفر بن بشیر بجلی، محمد بن میمون، زعفرانی، علی بن حسن طاطری۔ (نجاشی، ص ۵)

شیخ طوسی اس فن میں تبحر تھے وہ اس تسویہ پر متوجہ ہو گئے اگر چہ آپ کے معاصرین میں سے کسی نے اسے نقل نہیں کیا اور نہ متاخرین میں سے کسی نے ساتویں صدی ہجری تک۔ ہاں! نجاشی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لہذا شیخ نے ان تین مشائخ کے بارے علماء وفقہاء طائفہ کے ایک بڑے مجموعے کی آراء پر اطلاع حاصل کرلی جو ان کی مسانید و مراسیل کے درمیان برابری کے قائل تھے۔ اس کا مفاد ان کے سب مشائخ کی توثیق ہے۔ شیخ کی فہرس و رجال دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ شیخ کے پاس کتب رجال وفہارس کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ ساتویں صدی ہجری سے علماء کی تصریحات اس بارے ملتی ہیں، محدث نوری نے ان کی تفصیلات ذکر کی ہیں:

۱۔ سید علی ابن طاؤوس (۶۶۴ م) فلاح السائل میں فرماتے ہیں: **و مراسيل ابن ابي عمير كالمسانيد عند اهل الوفاق**۔ ان کے بھائی احمد ابن طاؤوس نے اس بات کی مخالفت کی ہے۔

۲۔ محقق نے معتبر میں بحث کرّ میں کہا: **ولا طعن في هذه بطريق الإرسال لعمل الاصحاب بمراسيل ابن ابي عمير۔**

۳۔ فاضل آبی نے کشف الرموز میں کہا: **و هذه و إن كانت مرسلة**

لکن الاصحاب تعمل بمراسیل ابن ابي عمیر۔

۴۔ علامہ نے نہایہ میں کہا: **الوجہ المنع إلاّ إذا عرف ان الراوی فیه لا یرسل إلّا عن عدل کمراسیل ابن ابی عمیر۔**

شہید اول ذکری میں، ابن فہد حلی، محقق ثانی، صاحب جامع المقاصد وشہید ثانی وغیرہ سب نے ایسی تصریحات کی ہیں۔ ظاہراً یہ متاخرین کی طرف سے تسویہ وہی شیخ ونجاشی کے دعوی کی بناء پر ہے نہ کہ انہوں نے خود اس بارے تتبع کی ہو۔ شیخ کے دعوی سے اس بارے اتفاقِ فقہاء تو ثابت نہیں ہوسکتا لیکن مشہور کی توثیق مشائخ ابن ابی عمیر کے بارے کافی ہے۔ لیکن کچھ فقہاء اس تسویہ کو قبول نہیں کرتے اور اس پر اشکال کرتے ہیں:

۱۔ شیخ طوسی نے تہذیب واستبصار کے کئی مقامات پر اس پر مرسلہ ہونے کا اشکال کیا ہے لیکن عدۃ الاصول ان سے بعد میں لکھی گئی ہے لہذا یہ دعویٰ تسویہ شیخ کی آخری حیات میں حاصل ہوا ہے اور اس سے انصراف ہوگا جوان دو کتابوں میں کہا۔

۲۔ محقق نے معتبر میں کہا:

و لو قال قائل مراسیل ابن ابي عمیر تعمل بها الاصحاب منعنا ذلک لان في رجاله من طعن الاصحاب فیه فإذا ارسل احتمل ان یکون الراوي احدهم۔

اگر کوئی کہے کہ اصحاب امامیہ ابن ابی عمیر کے مرسلات پر عمل کرتے ہیں تو ہم اس بات کی نفی کریں گے۔ اس لیے کہ وہ جن

افراد سے روایت کرتے ہیں ان میں ضعیف بھی موجود ہیں۔
ارسال کی صورت میں ہوسکتا ہے راوی انہی میں سے ایک ہو۔
شیخ بہائیؒ نے الوجیزۃ میں اس سے جواب دیا کہ ابن ابی عمیر کا بعض دفعہ غیر ثقہ سے روایت کرنا مضر نہیں ہے چونکہ یہ اس کے ارسال میں دعوی ہے لا یرسل إلا عن ثقة نہ کہ لا یروي إلا عن ثقة۔لیکن یہ جواب درست نہیں ہے اس لئے کہ شیخ طوسی نے عدۃ میں کہا عرفوا بانهم لا يروون و لا يرسلون إلا عن ثقة ،یعنی یہ جیسے ارسال نہیں کرتے مگر ثقہ سے اسی طرح روایت بھی نہیں کرتے مگر ثقہ سے۔

۳۔ سید جمال الدین طاؤوس (۶۷۳م) صاحب البشری' اس دعوی کے خلاف شہید ثانی کی درایہ سے نقل کرتے ہیں۔

۴۔ شہید ثانی نے درایہ میں کہا: **و فی تحقق هذا المعنى و هو العلم بكون المرسل لا يروى إلا عن ثقة نظر**۔اس چیز کا ثبوت یعنی یہ علم کہ ارسال کرنے والا روایت نہیں کرتا مگر ثقہ سے اشکال رکھتا ہے۔

۵۔ صاحب مدارک سید محمد سبط شہید ثانی (۱۰۰۹م)

۶۔ ولد شہید ثانی صاحب المعالم (۱۰۱۱م) معالم میں اس پر اشکال کرتے ہیں۔

الثالث: ابن ابی عمیر کے مشائخ بہت زیادہ ہیں۔بعض نے ۴۱۰ تک ذکر کیے ہیں۔شیخ نے الفہرس میں کہا: انه روى عنه احمد بن محمد بن عيسى القمي كتب مائة رجل من رجال الصادق عليه السلام۔محدث نوری نے آپ کے ۱۱۳ شیخ ذکر کیے۔آقائے خوئی نے معجم الرجال میں ۲۷۰ شیخ ذکر کیے ہیں۔صاحب مشائخ ثقات

نے ۳۹۷ مشائخ ان تینوں بزرگوں کے ذکر کیے ہیں اگر چہ انہوں نے بعض جو مشائخ ذکر کیے وہ مشائخ نہیں تھے، جیسے

۱۔محمد بن سنان کو مشائخ ابن ابی عمیر میں سے شمار کیا ہے چونکہ ایک روایت میں آیا ہے: روى الشيخ الحر العاملي عن الصدوق في علل الشرائع عن محمد بن الحسن بن الصفار عن يعقوب بن يزيد عن محمد بن ابي عمير عن محمد بن سنان عمن ذكره عن ابي عبد الله ع في حديث ان نبيا من الانبياء بعثه الله إلى قومه فاخذوه فسلخوا فروة راسه و وجهه فاتاه ملک فقال له: إن الله بعثني إليک فمرني بما شئت فقال لي: اسوة لما يصنع بالحسين۔ اس روایت میں چونکہ ابن ابی عمیر نے محمد بن سنان سے روایت کی ہے اس لئے اسے ان کے مشائخ میں سے شمار کیا ہے جبکہ یہ درست نہیں ہے۔

محمد بن سنان آپ کے معاصر تھے نہ کہ مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۲۱۷ میں ہوئی اور ابن سنان کی ۲۲۰ میں۔ ثانیاً علل الشرائع میں اس کی جگہ وارد ہے و محمد بن سنان ہے اور یہ اشتباہ کثرت سے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب معالم نے مقدمہ منتقی الجمان میں اس پر تنبیہ کی ہے وہ فائدہ ثالثہ میں فرماتے ہیں: حيث إن الغالب في الطرق هو الوحدة و وقوع كلمة عن في الكتابة بين اسماء الرجال فمع الاعجال يسبق إلى الذهن ما هو الغالب فيوضع كلمة عن في الكتابة موضع واؤ العطف و قد رايت في نسخة التهذيب التي عندي بخط الشيخ رحمه الله عدة مواضع سبق فيها القلم إلى إثبات كلمة عن في موضع الواؤ ثم وصل بين طرفي العين و جعل على صورتها واؤ و التبس ذلک على بعض النساخ فكتبها بالصورة الاصلية في بعض مواضع

الاصلاح و فشا ذلک في النسخ المتعددة و لما راجعت خط الشيخ فيه تبينت الحال و ظاهر ان إبدال الواؤ عن نقيضي الزيادة التي ذكرنا (كثرة الواسطة و زيادتها) فإذا كان الرجل ضعيفا ضاع به الاسناد فلا بد من استفراغ الوسع في ملاحظة امثال هذا و عدم القناعة بظاهر الامور۔

۲۔ نجیۃ بن اسحاق فزاری:

روی الصدوق عن ابيه حدثنا علي بن إبراهيم عن محمد بن عيسى قال حدثنا محمد بن زياد مولى بني هاشم قال حدثنا شيخ لنا ثقة يقال نجيّة بن إسحاق الفزاری، قال حدثنا عبد اللّٰه بن الحسين قال : قال لی ابو الحسن علیہ السلام : لم سميت فاطمة فاطمة۔ (علل الشرائع، باب ۱۴۲)

اس روایت میں محمد بن زیاد سے ابن ابی عمیر مراد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔اس لئے کہ کتب حدیث میں محمد بن ابی عمیر کا نام یعنی جب محمد بن زیاد ذکر ہو تو اس کے ساتھ ازدي یا البزاز کو ضرور ذکر کرتے ہیں اور رجال میں محمد بن زیاد نام کے نو راوی ذکر ہوئے ہیں ۔ثانیاً: ابن ابی عمیر کو کسی رجالی نے مولی بنی ہاشم نہیں کہا بلکہ من موالی بنی المهلب کہا گیا ہے۔اما نجية بن إسحاق کتب رجال میں نہیں آیا نجيّة بن الحارث آیا ہے۔

۳۔ معاویۃ بن حفص

روی الصدوق عن شيخه محمد بن الحسن بن الوليد (۳۴۳م) قال حدثنا محمد بن الحسن بن الصفار قال حدثنا الحسين بن الحسن بن ابان عن الحسين بن سعيد عن ابن ابي عمير عن حماد بن عثمان و معاوية بن حفص عن منصور جميعا عن ابي عبد اللّٰه علیہ السلام قال كان ابو

الاصلاح و فشا ذلک في النسخ المتعددة و لما راجعت خط الشيخ فيه تبينت الحال و ظاهر ان إبدال الواؤ عن نقيضي الزيادة التي ذكرنا (كثرة الواسطة و زيادتها) فإذا كان الرجل ضعيفا ضاع به الاسناد فلا بد من استفراع الوسع في ملاحظة امثال هذا و عدم القناعة بظاهر الامور۔

۲۔ نجیۃ بن اسحاق فزاری:

روی الصدوق عن ابيه حدثنا علي بن إبراهيم عن محمد بن عيسى قال حدثنا محمد بن زياد مولي بني هاشم قال حدثنا شيخ لنا ثقة يقال نجيّة بن إسحاق الفزاری، قال حدثنا عبد اللّٰه بن الحسين قال : قال لي ابو الحسن علیہ السلام : لم سميت فاطمة فاطمة۔ (علل الشرائع، باب۱۴۲)

اس روایت میں محمد بن زیاد سے ابن ابی عمیر مراد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔اس لئے کہ کتب حدیث میں محمد بن ابی عمیر کا نام یعنی جب محمد بن زیاد ذکر ہوتو اس کے ساتھ ازدي یا البزاز کوضرورذکر کرتے ہیں اوررجال میں محمد بن زیادنام کے نوراوی ذکر ہوئے ہیں ۔ثانیاً:ابن ابی عمیر کو کسی رجالی نے مولی بنی ہاشم نہیں کہا بلکہ من موالی بنی المهلب کہا گیا ہے۔اما نجية بن إسحاق کتب رجال میں نہیں آیا نجيّة بن الحارث آیا ہے۔

۳۔ معاویۃ بن حفص

روى الصدوق عن شيخه محمد بن الحسن بن الوليد (۳۴۳م) قال حدثنا محمد بن الحسن بن الصفار قال حدثنا الحسين بن الحسن بن ابان عن الحسين بن سعيد عن ابن ابي عمير عن حماد بن عثمان و معاوية بن حفص عن منصور جميعا عن ابي عبد اللّٰه علیہ السلام قال كان ابو

نے ۲۹۷ مشائخ ان تینوں بزرگوں کے ذکر کیے ہیں اگر چہ انہوں نے بعض جو مشائخ ذکر کیے وہ مشائخ نہیں تھے، جیسے

ا۔محمد بن سنان کو مشائخ ابن ابی عمیر میں سے شمار کیا ہے چونکہ ایک روایت میں آیا ہے: روی الشیخ الحر العاملي عن الصدوق في علل الشرائع عن محمد بن الحسن بن الصفار عن يعقوب بن يزيد عن محمد بن ابي عمير عن محمد بن سنان عمن ذكره عن ابي عبد اللّٰه ع في حديث ان نبيا من الانبياء بعثه اللّٰه إلى قومه فاخذوه فسلخوا فروة راسه و وجهه فاتاه ملک فقال له : إن اللّٰه بعثني إليک فمرني بما شئت فقال لي : اسوة لما يصنع بالحسين۔ اس روایت میں چونکہ ابن ابی عمیر نے محمد بن سنان سے روایت کی ہے اس لئے اسے ان کے مشائخ میں سے شمار کیا ہے جبکہ یہ درست نہیں ہے۔

محمد بن سنان آپ کے معاصر تھے نہ کہ مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی وفات ۲۱۷ میں ہوئی اور ابن سنان کی ۲۲۰ میں۔ ثانیاً علل الشرائع میں اس کی جگہ وارد ہے و محمد بن سنان ہے اور یہ اشتباہ کثرت سے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب معالم نے مقدمہ منتقی الجمان میں اس پر تنبیہ کی ہے وہ فائدہ ثالثہ میں فرماتے ہیں: حيث إن الغالب في الطرق هو الوحدة و وقوع كلمة عن في الكتابة بين اسماء الرجال فمع الاعجال يسبق إلى الذهن ما هو الغالب فيوضع كلمة عن في الكتابة موضع واؤ العطف و قد رايت في نسخة التهذيب التي عندي بخط الشيخ رحمه اللّٰه عدة مواضع سبق فيها القلم إلى إثبات كلمة عن في موضع الواؤ ثم وصل بين طرفي العين و جعل على صورتها واؤ و التبس ذلک على بعض النساخ فكتبها بالصورة الاصلية في بعض مواضع

الاصلاح و فشا ذلک في النسخ المتعددة و لما راجعت خط الشيخ فيه تبينت الحال و ظاهر ان إبدال الواؤ عن نقيضي الزيادة التي ذكرنا (كثرة الواسطة و زيادتها) فإذا كان الرجل ضعيفا ضاع به الاسناد فلا بد من استفراغ الوسع في ملاحظة امثال هذا و عدم القناعة بظاهر الامور۔

۲۔ نجیۃ بن اسحاق فزاری:

روی الصدوق عن ابيه حدثنا علي بن إبراهيم عن محمد بن عيسى قال حدثنا محمد بن زياد مولى بني هاشم قال حدثنا شيخ لنا ثقة يقال نجيّة بن إسحاق الفزاري، قال حدثنا عبد الله بن الحسين قال : قال لي ابو الحسن عليه السلام : لم سميت فاطمة فاطمة۔ (علل الشرائع، باب ۱۴۲)

اس روایت میں محمد بن زیاد سے ابن ابی عمیر مراد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔اس لئے کہ کتب حدیث میں محمد بن ابی عمیر کا نام یعنی جب محمد بن زیاد ذکر ہو تو اس کے ساتھ ازدي یا البزاز کو ضرور ذکر کرتے ہیں اور رجال میں محمد بن زیاد نام کے نو راوی ذکر ہوئے ہیں ۔ثانیاً: ابن ابی عمیر کو کسی رجالی نے مولی بنی ہاشم نہیں کہا بلکہ من موالي بني المهلب کہا گیا ہے۔اما نجية بن إسحاق کتب رجال میں نہیں آیا نجيّة بن الحارث آیا ہے۔

۳۔ معاویۃ بن حفص

روى الصدوق عن شيخه محمد بن الحسن بن الوليد (۳۴۳م) قال حدثنا محمد بن الحسن بن الصفار قال حدثنا الحسين بن الحسن بن ابان عن الحسين بن سعيد عن ابن ابي عمير عن حماد بن عثمان و معاوية بن حفص عن منصور جميعا عن ابي عبد الله عليه السلام قال كان ابو

عبد اللہ علیہ السلام في المسجد الحرام۔

(علل الشرائع، ج۲، ص۴۵۳، باب ۲۱۰، ح۴)

اس حدیث کی بناء پر معاویہ بن حفص کو ابن ابی عمیر کا شیخ شمار کیا ہے جبکہ یہ کتب رجال میں معنون نہیں ہیں۔اس کے علاوہ کہ ظاہراً واؤ عاطفہ کے ذریعے معاویہ کا عطف ابن ابی عمیر پر ہے چونکہ جمیعاً کہا ہے یعنی در حقیقت حسین بن سعید، امام صادق علیہ السلام سے دو سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الاول : عن معاوية بن حفص عن منصور عن ابی عبد الله علیہ السلام

الثاني: حسين بن سعيد عن ابن ابی عمير عن حماد عن ابی عبد الله علیہ السلام۔

۴۔ عبدالرحمٰن بن ابی نجران

روى الشيخ في التهذيب عن الحسين بن سعيد عن فضالة بن ايوب و محمد بن ابي عمير و صفوان بن يحيى عن جميل و عبد الرحمن بن ابي نجران عن محمد بن حمران قال سئلت ابا عبد الله علیہ السلام عن النبت الذي في ارض الحرم ۔(تہذیب، ح۱۲۴۸)

اس حدیث کی بناء پر عبدالرحمٰن کو ابن ابی عمیر کا شیخ قرار دیا گیا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ عبدالرحمٰن کا جمیل پر عطف ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے چونکہ عبدالرحمٰن جمیل کے طبقہ سے نہیں ہیں بلکہ ان کا باپ ابونجران اس طبقہ سے ہے۔قال النجاشي عبد الرحمن بن ابي نجران كوفي روى عن الرضا روى ابوه ابو نجران عن ابي عبد الله علیہ السلام۔لہٰذا عبدالرحمٰن خود ابن ابی عمیر کے طبقہ سے ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن خالد جو کہ ابن ابی عمیر سے بعد والے طبقہ کے رواۃ میں

سے ہے اس عبدالرحمٰن سے روایت کرتا ہے۔ بناء بریں حسین بن سعید کی دو سندیں ہیں:

الاول ۔ حسین بن سعید عن فضالة محمد بن ابي عمیر و صفوان عن جمیل

الثاني ۔ عن عبد الرحمن بن ابي نجران عن محمد بن حمران

لہٰذا عبدالرحمٰن فضالہ بن ایوب پر عطف ہے نہ کہ جمیل پر۔

۵۔المعلی بن خنیس

روی الشیخ باسناده عن الحسن بن محمد بن سماعة عن محمد بن زیاد یعني ابن ابي عمیر عن معلّی بن خنیس قال قلت لابي عبد اللہ علیہ السلام: اشتری الزرع قال إذا کان علی قدر شبر۔

(وسائل، ج ۱۳، باب ۱۱، بیع الثمار)

ظاہراً ابن ابی عمیر اور معلّی کے درمیان واسطہ ساقط ہوا ہے چونکہ معلّی امام صادق کے زمانے میں داؤد بن علی کے ہاتھوں منصور کے حکم پر قتل ہو گئے تھے اور بعید ہے کہ ابن ابی عمیر (۲۱۷م) ان سے بلا واسطہ روایت کرے اس لئے کہ داؤد کی وفات ۱۳۳ھ میں ہوئی جیسا کہ کامل الزیارات ج ۵ ص ۴۴۸ پر مذکور ہے۔ گویا معلّی کا قتل ۱۳۳ھ سے پہلے ہوا ہے۔ صفوان بن یحیی متوفی ۲۱۰ھ کتاب معلّی بواسطہ معلّی بن زید الاحول روایت کرتے ہیں۔ (نجاشی، رقم ۱۱۱۴) بناء بریں معلّی مشائخ ابن عمیر سے نہیں ہو سکتے۔

الخامس

اس جملے فإن کان ممن یعلم انه لا یرسل إلاّ عن ثقة موثوق به

...السخ میں آیا انسان موثوق بہ ہے چاہے امامی ہو یا غیر امامی، یا خصوص عدلِ امامی ہے؟ چونکہ ثقہ کے تین معنی مراد لئے گئے ہیں:

المعنی الاول: زبان کا سچا ہو اگر چہ اعضاء و جوارح کے لحاظ سے گناہ گار ہو، کذوب کے مقابل۔ یہ ظاہر ہے جب ثقة فی الحدیث کہا جائے۔

المعنی الثانی: متحرز عن المعاصی کلها و منها الکذب چاہے امامی ہو یا غیرہ۔ تمام گناہوں سے پرہیز کرے جھوٹ ان میں سے ایک گناہ ہے چاہے امامی ہو یا غیر امامی۔

المعنی الثالث: یہی معنی ثانی مراد ہیں ساتھ ساتھ صحیح المذہب بھی یعنی امامی ہو، بعض قائل ہیں کہ شیخ کی عبارت میں یہ تیسرے معنی مراد ہیں کیونکہ:

اولاً: شیخ ترجیح احد الخبرین علی الآخر میں فرماتے ہیں: بان روایة المخالف شیعیا کان ام غیره إنما یحتج بها إذا لم یکن فی مقابلها خبر مخالف مروی من الفرقة المحقة و إلّا فلا یحتج بها۔ شیخ کی عبارت یہ ہے: فاما إذا کان مخالفا فی الاعتقاد لاصل المذهب و روی مع ذلک عن الآئمة علیهم السلام نظر فیما یرویه فإن کان هناک من طرق الموثوق بهم ما یخالفه وجب إطراح خبره و إن لم یکن هناک ما یوجب إطراح خبره و یکون هناک ما یوافقه وجب العمل به و إن لم یکن هناک من الفرقة المحقة خبر یوافق ذلک و لا یخالفه و

لا یعرف لهم قول فیه وجب ایضا العمل به۔(عدۃ الاصول، ج ا)
اگر کوئی راوی مذہب کے لحاظ سے ہمارا مخالف ہو لیکن آئمہ علیہم السلام سے روایت کرے تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے برخلاف ایک روایت ایسے طریق سے منقول ہو جو ثقہ افراد ہوں تو اس روایت کو چھوڑ دیں گے۔لیکن اگر اس کے برخلاف کوئی ایسی روایت نہ ہو بلکہ اس کے موافق ایسی روایت ہو تو اس پر عمل واجب ہے اور اگر شیعہ رواۃ کی طرف سے کوئی روایت اس کے موافق یا مخالف نہ ہو تو بھی اس پر عمل واجب ہے۔
شیخ نے دوسرے فرقوں جیسے فطحیہ، ناووسیہ و واقفیہ کے بارے بھی یہی کہا ہے۔

ثانیاً: فرمایا: إن الطائفة سوّت بین مراسیل الثلاثة و مسانید غیرهم ، ان مسانید غیر سے مراد وہ احادیث ہیں جو طرق امامیہ سے نقل ہوئی ہو۔ پس ان تین میں سے جو جن ثقہ سے ارسال کرتے ہیں وہ بھی عادل امامی ہونا چاہیے تا کہ تسویہ صحیح ہو سکے۔

پس یہ اقطاب ملتزم تھے کہ روایت نہ کریں مگر ثقة بالمعنی الاخص سے لہذا اگر ان میں کوئی اپنی مسانید میں ضعیف في الحدیث سے یا صدوق فاسد المذہب سے روایت کریں تو قاعدہ ٹوٹ جائے گا۔انتہی

یہ بات دو امر پر موقوف ہے: اولاً ثقہ سے مراد اصطلاحِ قدماء ہو جو کہ عدلِ امامی ہے۔ ثانیاً حجیۃ خبر واحد میں قدماء کے مسلک کو مان لیں کہ خبر مخالف (یعنی سنی راوی) میں مقتضی حجیت غیر تام ہے۔لیکن یہ دونوں امر ثابت نہیں ہیں۔چونکہ ثقہ سے امامی کا استفادہ مشکل ہے جبکہ ثقہ کے ایک ہی معنی ہیں و هو من یوثق به في العمل

الذي تريده منه (جو جس کا کام ہے وہ اس میں قابل بھروسہ ہو) جیسے طبیب کا کام علاج ہے اس میں وہ قابل بھروسہ ہو، راوی کا کام روایت وحدیث ہے وہ روایت میں قابل بھروسہ ہو۔ اور یہ بھی ثابت نہیں کہ قدماء ثقہ سے مراد خصوصِ عدل امامی لیتے تھے برخلاف عرف۔

اما شیخ نے جو تفصیل دی اخبار غیر امامی میں یہ شیخ کا اپنا مختار ہے نہ کہ تمام اصحاب کا۔ لہٰذا آگے فرماتے ہیں فاما ما اخترته من المذهب فهو ان الخبر الواحد إذا كان واردًا من طريق اصحابنا... پھر استدلال بیان فرماتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب مطلقاً عمل کرتے ہیں **خاطئين في الاعتقاد** کی اخبار پر (یعنی فاسد المذہب رواۃ کی روایات پر)۔

لہٰذا حجیت خبر واحد میں شیخ کے مختار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ لانهم لا يروون و لا يرسلون إلّا عن ثقة میں بھی آپ کی مراد ثقہ سے **ثقة بالمعنى الاخص** ہے۔ مگر یہ کہ ثابت ہو جائے کہ آپ کا مختار اور اصحاب کا مختار حجیت خبر واحد میں ایک جیسا ہے۔ بناءبریں اس قاعدہ کا نقض تب ہوگا کہ یہ افراد ضعیف راوی سے روایت کریں۔ لیکن فاسد المذہب اگر سچا ہو تو اس سے روایت کرنے سے قاعدہ نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ ابن ابی عمیر نے ۱۳ واقفی شیوخ سے روایت کی ہے:

۱۔إبراهيم بن عبد الحميد الاسدي	۲۔حسين بن مختار
۳۔حنان بن سدير	۴۔داؤد بن الحصين
۵۔درست بن ابي المنصور	۶۔زكريا المؤمن
۷۔زياد بن المروان القندي	۸۔سماعة بن مهران
۹۔سيف بن عميرة	۱۰۔عثمان بن عيسى

الذي تريله منه (جو جس کا کام ہے وہ اس میں قابل بھروسہ ہو) جیسے طبیب کا کام علاج ہے اس میں وہ قابل بھروسہ ہو، راوی کا کام روایت وحدیث ہے وہ روایت میں قابل بھروسہ ہو۔ اور یہ بھی ثابت نہیں کہ قدماء ثقہ سے مراد خصوصِ عدل امامی لیتے تھے برخلاف عرف۔

اما شیخ نے جو تفصیل دی اخبار غیر امامی میں یہ شیخ کا اپنا مختار ہے نہ کہ تمام اصحاب کا۔ لہٰذا آگے فرماتے ہیں فاما ما اخترته من المذهب فهو ان الخبر الواحد إذا كان واردًا من طريق اصحابنا...پھر استدلال بیان فرماتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب مطلقاً عمل کرتے ہیں **خاطئين في الاعتقاد** کی اخبار پر (یعنی فاسد المذہب رواۃ کی روایات پر)۔

لہٰذا حجیت خبر واحد میں شیخ کے مختار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ لانهم لا يروون و لا يرسلون إلّا عن ثقة میں بھی آپ کی مراد ثقہ سے **ثقة بالمعنى الاخص** ہے۔ مگر یہ کہ ثابت ہو جائے کہ آپ کا مختار اور اصحاب کا مختار حجیت خبر واحد میں ایک جیسا ہے۔ بناء بریں اس قاعدہ کا نقض تب ہوگا کہ یہ افراد ضعیف راوی سے روایت کریں۔ لیکن فاسد المذہب اگر سچا ہو تو اس سے روایت کرنے سے قاعدہ نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ ابن ابی عمیر نے ۱۳ واقفی شیوخ سے روایت کی ہے:

۱۔إبراهيم بن عبد الحميد الاسدي	۲۔حسين بن مختار
۳۔حنان بن سدير	۴۔داؤد بن الحصين
۵۔درست بن ابي المنصور	۶۔زكريا المؤمن
۷۔زياد بن المروان القندي	۸۔سماعة بن مهران
۹۔سيف بن عميرة	۱۰۔عثمان بن عيسى

۱۱۔محمد بن إسحاق بن عمار ۱۲۔منصور بن یونس بزرج

۱۳۔موسٰی بن بکر

فطحي المذهب مشائخ سے:

۱۴۔إسحاق بن عمار الساباطي ۱۵۔إسماعیل بن عمار

۱۶۔یونس بن یعقوب ۱۷۔عبد اللّٰہ بن بکیر

۱۸۔خالد بن نجیح جوّان

ابن ابی عمیر نے درج ذیل جماعت عامہ سے روایت ہے:

۱۹۔مالک بن انس

۲۰۔محمد بن عبد الرحمن بن ابي لیلٰی القاضی المعروف کما فی کمال الدین، ص ۲۱۱

۲۱۔محمد بن یحیی الخثعمي کما في فهرس الشیخ فی ترجمته.

۲۲۔ابو حنیفة علی ما في الاختصاص

ابن ابی عمیر نے بعض زیدیہ سے بھی روایت کی ہے

۲۳۔زیاد بن المنذر علی ما في الفهرس

اور بعض ناؤوسیہ سے بھی روایت کی ہے مثل ابان بن عثمان المرمي بالناووسیّة اگر چہ درست نہیں۔

السادس

وہ جو قدر متیقن ہے کہ یہ ثقہ سے نقل کے پابند تھے۔ یہ وہاں ہے جہاں بلا واسطہ نقل کریں۔ اما بالواسطہ نقل میں ایسی پابندی اس عبارت سے نہیں سمجھی جا سکتی۔

السابع

اس تسویہ پر شہید ثانی وغیرہ نے اعتراض کیا ہے ۔ آپ اپنے استاد شیخ الشریعۃ اصفہانی سے بھی اس کی عدمِ صحت نقل کرتے ہیں ۔ آقائے خوئی نے معجم الرجال میں شہید ثانی کے اعتراض کو نقل کیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اولاً ۔ اگر یہ تسویہ صحیح ہوتا تو قدماء میں سے کوئی ایک اسے ذکر کرتا لہٰذا یہ بات زیادہ محتمل ہے اس دعوی کا منشاء وہی کشی کا دعویٰ اجماع ہے **علی تصحیح ما یصح عن ھؤلاء** والا چونکہ شیخ نے اس تسویہ میں تعمیم دی یہ تین اور ان کے غیر **الذین عرفوا بانھم یروون إلاّ عمن یوثق بہ** اور اس دور میں سوائے دعوای کشی کے اور کوئی اس بات سے معروف نہیں تھے ۔ لہٰذا شیخ کے تسویہ کو اصحاب کی طرف منسوب کرنا ان کا اپنا اجتہاد ہے ۔ کیونکہ شیخ نے خود کئی موارد میں روایتِ ابن ابی عمیر ارسال کی وجہ سے ردّ کی ہے ۔

شہید کی بات پر اشکال، یہ درست ہے کہ قدماء کی کلام میں یہ دعوی نہیں ملتا لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ ان کے کلمات میں اس کا نہ نام ہے نہ نشان ۔ کیونکہ سب کتب تو ہم تک پہنچی نہیں ہیں ہم تک قدماء کی کتب میں سے صرف کشی کی کتاب پہنچی ہے اور وہ بھی اصل کتاب نہیں ہے بلکہ وہ جس کی شیخ نے تہذیب کی ہے اور سوائے رجالِ برقی کے کہ جس کو شیخ نے فہرس میں طبقات الرجال کہا ہے ۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ نے یہ تسویہ کتبِ فقہیہ سے استنباط کیا ہو جو کہ ہم تک نہیں پہنچیں ۔

اما یہ کہنا کہ شیخ نے وغیرہم کہا اور اصحابِ اجماع کے علاوہ کوئی اور اس وصف سے معروف نہیں تھے یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ دوسرے افراد کے نام جو اس وصف سے مشہور تھے پہلے بیان ہو چکے ہیں ۔ اس وجہ سے علماء نقل عن الضعفاء کو ضعف شمار

کرتے تھے جیسا کہ کہا گیا ہے احمد بن محمد بن خالد البرقي إلّا انه يروي عن الضعفاء ۔۔۔۔اور یہ کہ شیخ نے خود تہذیب واستبصار میں اس کی جو مخالفت کی ہے اس کی وجہ بیان ہوچکی کہ شیخ نے ان دونوں کتابوں کو اوائل جوانی میں تالیف کیا تھا اس وقت آپ ان اجلاء کے مراسیل کے بارے سیرہ اصحاب سے واقف نہیں تھے، بعد میں رجال وفقہ کی کتب میں بہت زیادہ تحقیق وجستجو کے نتیجہ میں آپ اس سیرہ سے واقف ہوئے۔آپ نے عدۃ الاصول ایامِ سید مرتضٰی (۴۳۶م) میں تالیف کی جب آپ کی عمر شریف ۵۰ سال سے تجاوز کرچکی تھی۔ممکن ہے کوئی کہے شیخ نے جوتسویہ ذکر کیا اس کا منشاء وہ ہو کہ ہر امامی کی خبر حجت ہے جس سے فسق ظاہر نہ ہوا ہو اور حجیت خبر کیلئے وثاقت شرط نہیں ہے۔لیکن یہ بھی درست نہیں! شیخ خود عدۃ الاصول میں وثاقت کو شرط قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

إن واحدًا منهم إذا افتي بشيء لا يعرفونه سئلوه من اين قلت هذا؟ فإذا احالهم علي كتاب معروف او اصل مشهور و كان راويه ثقة لا ينكر حديثه سكتوا و سلّموا الامر في ذلك و قبلوا قوله و هذه عادتهم و سجيتهم من عهد النبي .صلی الله علي و آله. و من بعده من الآئمة .عليهم السلام. ـ

جب ان میں سے کوئی شخص ایک چیز کے بارے فتویٰ دے تو اس سے وہ پوچھتے ہیں کہ تم نے کہاں سے کہا؟ اگر وہ کسی مشہور کتاب یا اصل کا حوالہ دے اور اس کا راوی ثقہ ہو جس کی روایت قبول کی جاتی ہو تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں اور اس کی بات مان لیتے ہیں۔یہی عادت و رویہ ہمیشہ سے ہے۔

بعض نے کہا علامہ اس نظریئے کے قائل تھے اس لئے کہ وہ ترجمہ احمد بن اسماعیل بن عبداللہ میں کہتے ہیں: لم ینصّ علمائنا علیه بالتعدیل و لم یرو فیه جرح فالاقوی قبول روایته مع سلامتها من المعارض ۔یعنی علماء نے اس کی توثیق ذکر نہیں کی اور اس بارے مذمت بھی وارد نہیں ہوئی پس بناء بر اقوی اس کی روایت قبول ہوگی بشرطیکہ معارض نہ رکھتی ہو۔(الخلاصۃ ،ص ۱۶)۔لیکن ممکن ہے علامہ نے یہ اس لئے کہا ہو جو نجاشی نے ان کے ترجمہ میں کہ: له عدة کتب لم یصنف مثلها و انّ اباه کان من غلمان احمد بن ابي عبد اللّٰه البرقي و ممن تادب علیه و ممن کتبه۔(فہرس نجاشی ،رقم ۲۴۲)

یا جو شیخ نے کہا: کان من اهل الفضل و الادب و العلم و له عدة کتب لم یصنف مثلها فمن کتبه کتاب العباسي و هو کتاب عظیم نحو عشرة آلاف ورقة في اخبار الخلفاء و الدولة العباسیة مستوفی ،(فہرس: ۲۳)۔ان جملات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مشاہیر شیعہ علماء میں سے تھے اور ایسی شخصیت کو توثیق کی ضرورت نہیں ہوتی صرف یہی کافی ہے کہ اس کے بارے قدح و مذمت وارد نہ ہوئی ہو تو اس کی توثیق کا حکم لگائیں گے۔اور یہ علماء کا طریقہ کار رہا ہے کہ وہ اعاظم کے بارے وثاقت کا حکم لگاتے تھے اگر چہ ان کی وثاقت کی تصریح وارد نہ ہوئی ہو۔اسی بناء پر ہم ابراہیم بن ہاشم وصدوق وغیرہ کی توثیق کا حکم لگاتے ہیں۔

و ثالثًا: یہ بات ثابت کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ لا یروون و لا یرسلون إلاّ عن ثقة، یا تو خود راوی اپنے بارے ایسی تصریح کردے یا ان کی مسانید و مشائخ میں تتبع کیا جائے اور کسی ضعیف سے ان کی روایت نہ ملے۔اما پہلا طریقہ کہ خود انہوں ایسی تصریح کی ہو کہیں ثابت نہیں ہے۔اما دوسرا طریقہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت

ہوسکتا ہے کہ کسی ضعیف راوی سے روایت ان کی ملی نہیں ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے ضعیف سے روایت نہیں کی۔ اگر یہ بات درست ہو تب بھی مسانید میں درست ہے۔ لیکن مراسیل میں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ خود ابن ابی عمیر کو ان سب کے نام یاد نہیں تھے جن سے اس نے روایت کی ہے تو دوسرے کیسے انہیں جان کر ان کی وثاقت کو پہچان سکتے ہیں۔

جواب: پہلی شق بھی صحیح ہو سکتی ہے، ہوسکتا ہے خود انہوں نے ایسی تصریح کی ہو جس پر شیخ اور نجاشی واقف ہوئے ہوں اور ہم نہ جان سکے ہوں چونکہ قدماء کی بہت سی کتب ضائع ہوگئی۔ لیکن یہ صرف احتمال ہے۔ بہتر ہے کہ دوسری شق اختیار کریں اور وہ یہ کہ ان کے مسانید میں تتبع کریں استقراء سے ثابت ہو جائے کہ ان میں کوئی ضعیف مروی عنہ نہ ہو اس سے یہ اطمینان حاصل ہو جائے گا کہ یہ ضعاف سے روایت نہ کرنے کے پابند تھے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر مسانید و مراسیل میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ یہاں تک ان تین اشکالات کا جواب روشن ہو گیا۔ مہم چوتھا اشکال ہے اور وہ یہ کہ ان کی مسانید میں ضعاف سے روایت ملتی ہے۔ آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں ابن ابی عمیر کے مشائخ میں چار افراد کا نام ذکر کیا ہے جو کہ ضعیف ہیں:

۱۔ علی بن ابی حمزۃ البطائنی

۲۔ یونس بن ظبیان

۳۔ علی بن حدید

۴۔ حسن بن احمد المنقری

۱۔ علی بن ابی حمزۃ البطائنی

روی الکلینی عن ابن ابی عمیر عن علی بن ابی حمزۃ عن ابی

بصير قال شكوت إلى ابی عبد الله الوسواس ۔

(الکافی، ج ۳، کتاب الجنائز، ح ۲۰)

روى الكشي عن ابن مسعود العياشي قال سمعت علي بن الحسن بن فضال يقول ابن ابي حمزة كذاب ملعون و قد رويت عنه احاديث كثيرة و كتبت تفسير القرآن من اوله إلى آخره إلا إني لا استحل ان اروي عنه حديثا واحدا۔ (رجال کشی، رقم ۷۵۶)

اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ روایت قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ علی بن حسن بن فضال خود فطحی ہے جوکہ متولد بھی علی بن ابی حمزہ کی وفات کے بعد ہوا ہے ۔ چونکہ حسن بن فضال ۲۲۴ھ میں فوت ہوا، ان کا بیٹا کہتا ہے: كنت اقابله (الوالد) و سني ثمان عشرة سنة بكتبه و لا افهم إذ ذاک الروايات و لا استحل ان ارويها عنه، یعنی موتِ والد کے وقت یہ بیٹا ۱۸ سال کا تھا تو گویا یہ ۲۰۶ھ متولد ہوا ہے جبکہ علی بن ابی حمزہ حیاتِ امام رضاؑ میں فوت ہوگیا تھا اور امام رضاؑ کی وفات ۲۰۳ھ میں ہے ۔

و ثانیا: کشی نے یہی روایت علی بن ابی حمزہ کے بیٹے حسن کے ترجمہ میں ذکر کی ہے اور ظاہرا یہ ابن فضال کا طعن بیٹے کی طرف راجع ہے نہ کہ باپ کی طرف ۔ چونکہ ابن فضال نے باپ کو ادراک نہیں کیا ۔ یہ تو امامین الہادی و العسکری علیہما السلام کے دور میں تھا لہٰذا یہ کیسے علی بن ابی حمزہ سے احادیث و تفسیر کو لکھ سکتا ہے ۔

ب: ما في الكشي رقم ۷۵۴، ۷۵۷، ۸۳۲، ۸۳۵ و ۸۳۶ بسنده عن علي بن ابي حمزة نفسه قال قال لي ابو الحسن موسیٰؑ: يا علي انت و اصحابک شبه (اشباه) الحمير ونظير ذلک في غيبة الطوسي،

ص ۴۴۔

وفیہ ، اولاً : امامؑ سے بعید ہے کہ کسی کو اس کے منہ پر ایسی گالی دیں جیسا کہ کشی نے ص ۴۹۷ پر قمیوں کی طرف سے یونس بن عبد الرحمٰن کے بارے اخبار کا جواب دیتے ہوئے کہا: فإن ابا الحسن اجلّ خطرا و اعظم قدرا من ان یسب احدا صراحا (معجم رجال الحدیث ، ج ۴، ص ۲۳۰) ۔ ثانیاً یہ روایت کذب خبری پر دلالت نہیں کرتی ہے صرف ان کی حماقت وغباوت پر دلالت کرتی ہے۔

ح : ما روی عن الرضا علیه السلام مسندا (فیه ابو علي الفارسي المجهول) عن محمد بن عیسٰی عن یونس بن عبد الرحمن قال دخلت علی الرضا علیه السلام فقال لي : مات علي بن ابي حمزة ؟ قلت : نعم ، قال : قد دخل النار ، قال ففزعت من ذلک ، قال : اما انه سئل عن الإمام بعد موسٰی علیه السلام : ابی فقال : لا اعرف ، اما مابعده فقیل : لا ، فضرب في قبره ضربة اشتعل قبره نارا ۔ اور ایک مرسل روایت میں ہے: انّه قال بعد موت ابي حمزة إنه اقعد في قبره فسئل عن الآئمة فاخبر باسمائهم حتی انتهی إليّ فسئل فوقف فضرب علی راسه ضربة امتلاء قبره نارا ۔ ان دونوں روایات میں علی بن ابی حمزہ کی مذمت فرمائی گئی ہے کہ قبر میں دفن کے بعد جب ائمہ کے بارے میں اس سے سوال ہوا تو اس نے آٹھویں امام پر خاموشی اختیار کی تو اسے کوڑا مارا گیا جس سے اس کی قبر آگ سے بھر گئی ۔ (کشی رقم ۸۳۴ و ۷۵۵)

و فیه ، یہ روایت سنداً ضعیف ہے ۔ وثانیاً احتمال ہے یہ ان کے بیٹے حسن کے بارے وارد ہے جیسا کہ ابن الغضائری نے حسن کے بارے ذکر کی ہے ۔ ثالثاً یہ معارض ہے ان روایات سے جو ان کے واقفیت سے رجوع پر دال ہیں کہ آخر میں وہ

امام رضاؑ کی امامت کی طرف لوٹ چکے تھے۔

د: غیبة الطوسي ص ۳۷ پر ہے کہ فهذا خبر رواه ابن ابی حمزة و هو مطعون علیه و هو واقفي۔ اس خبر سے مراد وہ روایت ہے جو امام صادقؑ سے ابن ابی حمزہ نے نقل کی ہے فی تکذیب من اخبر بموت ابنه الکاظمؑ۔

شیخ نے اس کا جواب دیا کہ اس کا راوی خود واقفی ہے اور عقیدہ و فہم میں کجی سے متہم ہے۔ ثانیاً: روایت کا مفہوم یہ ہے کہ امام کاظمؑ زندان میں شہید ہوئے اور آپ کی موت کسی پر ظاہر نہ ہوئی آپؑ کی تجہیز و تکفین آپؑ کے بیٹے امام رضاؑ نے انجام دی۔

ھ۔ نجاشی و شیخ نے آپ کے ترجمہ میں کہا واقفی ہے واحد عمد الوقفة (اور واقفی فرقے کے بنیادی افراد میں سے تھے)۔ اس کا جواب روشن ہے کہ کسی راوی کو صرف واقفی کہنے سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا چونکہ فرض یہ ہے کہ ایمان و عدالت' راوی میں معتبر نہیں ہیں، بس تعمّد بالکذب (جان بوجھ کر جھوٹ نہ بولتا ہو) نہ کرتا ہو۔

و۔ متعدد روایات غیبتِ طوسی و اختیارِ معرفۃ الرجال میں ہیں جو ان کے طمع فی مالِ الامام پر دلالت کرتی ہیں جو کہ ۳۰ ہزار درہم تھا۔ اس کی وجہ سے اس نے امام کاظمؑ کی موت کا انکار کیا۔ لیکن یہ روایات اولاً ضعیف السند ہیں جو کہ معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی ان روایات سے جو اس کی وثاقت پر دلالت کرتی ہیں۔ البتہ ایسی روایات، معتبرہ ہیں جو ان کے تعمد بالکذب پر دلالت کرتی ہیں۔

غیبة الطوسی ص ۴۶: روی احمد بن محمد بن عیسی عن سعد بن سعد عن احمد بن عمر، قال: سمعت الرضاؑ یقول في ابن حمزة

الیس ھو الذي یروي ان راس المھدي یھدي إلی عیسی بن موسی و ھو صاحب السفیاني و قال ، إن ابا إبراھیم علیه السلام یعود إلی ثمانیة اشھر فما استبان لھم (لکم) کذبه۔ کیا وہی نہیں جو روایت کرتا ہے کہ مہدی کا سر عیسیٰ بن موسیٰ کو ہدیہ بھیجا جائے گا جو کہ سفیانی کا ساتھی ہوگا اور اسی علی بن ابی حمزہ نے یہ نہیں کہا تھا کہ امام موسیٰ کاظمؑ آٹھ ماہ بعد واپس آجائیں گے کیسے اس کا یہ جھوٹ تم پر ظاہر ہوگیا ہے۔

الکشي، رقم ۴۰۵۔۴۰۶ میں بھی ایک روایت وارد ہے: **و قد یقال طریق الشیخ إلی احمد بن محمد بن عیسی مجھول یعني في کتاب الغیبة و ذلک بتقریب ما جری علیه الشیخ في مشیخة التھذیبین و الفھرس من بیان طرقه إلی اصحاب الکتب و الروایات مختص بالروایات المتضمنة للاحکام في التھذیبین لا غیر۔**

لیکن یہ اشکال اس روایت پر قابل حل ہے، اولاً تو یہ اختصاص ثابت نہیں بلکہ ظاہراً تعمیم ہے یعنی شیخ کے جو طرق ان رواۃ تک ہیں آپ کی تمام کتب میں وہی ہے جو فہرست و مشیخہ میں ہے۔ إن قلت، شیخ کے فہرس میں احمد بن محمد بن عیسیٰ کی کتب و روایات تک دو طریق ذکر ہوئے ہیں دونوں ضعیف ہیں۔ ایک میں احمد بن محمد بن حسن بن الولید ہے جس کی توثیق نہیں ہوئی اور دوسرے میں احمد بن محمد بن یحییٰ العطار ہے ان کی بھی توثیق نہیں ہوئی۔ پس شیخ نے جو کچھ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے بیان کیا ہے اپنی کتب میں وہ سب ضعیف شمار ہوگا۔

قلت، اگر مشائخ اجازہ کو بغیر توثیق کے قبول نہ بھی کیا جائے تو تبدیل طریق کے ذریعے تصحیح ممکن ہے چونکہ شیخ مشیخہ میں فرماتے ہیں: **و من جملة ما ذکرته عن**

احمد بن محمد بن عيسى ما رويته عن الحسين بن عبيد الله عن احمد بن محمد بن يحيى العطار عن ابيه محمد بن يحيى عن محمد بن علي بن محبوب عنه۔ نیز فہرست میں عنوان محمد بن علی بن محبوب میں فرماتے ہیں: اخبرنا بها اى بجميع كتب محمد بن علي بن محبوب و رواياته جماعة عن محمد بن علي بن الحسين عن ابيه (الصدوقين) و محمد بن الحسن عن احمد بن ادريس عنه۔

ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ شیخ نے جو کچھ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے روایت کیا ہے وہ شیخ تک طریق صحیح کے ساتھ پہنچا ہے جو کہ یہی طریق مذکور ہے، یعنی محمد بن علی بن محبوب سے احمد بن محمد بن عیسیٰ تک تعبیر کرتا ہے۔ بعبارۃ اخری شیخ کا فہرس میں محمد بن علی بن محبوب کی تمام کتب و روایات تک طریق صحیح ہے اور وہ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے روایت کرتی ہیں تو گویا شیخ کا احمد بن محمد بن عیسی کی جمیع کتب و روایات تک بھی طریقہ صحیح ہو جائے گا نظریۂ تبدیل کی بناء پر۔ شاید اردبیلی نے اسی بناء پر جامع الرواۃ میں شیخ کے طريق الى احمد بن محمد بن عيسىٰ کو صحیح قرار دیا ہو۔

(جامع الرواۃ، ج ۲، ص ۴۷۹)

اس صورت میں آقائے خوئی کا معجم رجال الحدیث ج ۲، ص ۳۰۸ پر ان پر سہو کا اشکال صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر اردبیلی مرحوم احمد بن محمد بن حسن بن الولید کی وثاقت کے قائل ہوں تو پھر طریق اول خود صحیح ہوگا لیکن ظاہراً اردبیلی ان کی وثاقت کے قائل نہیں ہیں۔

بہرکیف روایت مذکور سنداً معتبر ہے لیکن اس سے بطائنی کا ضعف خبری ثابت نہیں ہوتا۔ نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مستبصر نہیں ہوا اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی

حالِ التفات والی روایات بھی نا قابل عمل ہیں، صرف اس پر طعن با لوقف ثابت ہوتا ہے جو کہ وثاقت خبری میں مضر نہیں ہے۔ اور وہ روایات جو بطائنی کے مستبصر (تائب ہو کر امام رضا -کی امامت کو قبول کر لینے) ہونے کی دلیل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ نعمانی نے غیبت میں **باب ما روی ان الآئمة إثنی عشر** میں ذکر کی ہے:

يحيى الحلبي عن علي بن ابي حمزة البطائني ، قال كنت مع ابي بصير و معنا مولى لابي جعفر عليه السلام فقال سمعت ابا جعفر عليه السلام يقول: منّا إثنا عشر محدثا السابع من وُلدي القائم عليه السلام فقام اليه ابو بصير فقال : اشهد اني سمعت ابا جعفر عليه السلام يقول منذ اربعين سنة۔

۲۔ **عیون اخبار الرضا عليه السلام ، باب النصوص عليه بالإمامة، حدیث ۲۸، کمال الدین، باب ۲۴، حدیث ۴:** عن حسن بن ابي حمزة عن ابيه عن يحيى بن القاسم عن الصادق عليه السلام عن ابيه عن جده علي عليه السلام قال : قال رسول الله صلى الله عليه و آله : الآئمة بعدي اثنا عشر اوّلهم علي بن ابي طالب (عليه السلام) و آخرهم القائم (عليه السلام) ۔ **اسی طرح باب ۲۴ حدیث ۳ میں راوی حسن ہے علی بن ابی حمزہ کا بیٹا عن ابیہ، اس روایت میں بارہ اماموں کے نام ہیں ۔اس سے بڑھ کر علی بن ابی حمزہ نے خود امام رضا عليه السلام سے روایت کی ہے، اصول الکافی، ج ۵، ص ۳۸۱ بسند معتبر:** عن إبراهيم عن ابيه عن ابن ابي عمير عن علي بن ابي حمزة قال : قلت لابي الحسن الرضا عليه السلام : رجل تزوج إمراة على خادم فقال لي : وسط من الخدم ، قال : قلت على بيت ، قال : وسط من البيوت۔

تہذیب ج ۱، ص ۲۶۲ میں بھی سند صحیح کے ساتھ حسن اپنے باپ سے اور وہ

امام رضا علیہ السلام سے بیان کرتے ہیں جاریۂ اب کے بارے، آخر میں امامؑ نے فرمایا: رضی اللّٰہ عن ابیك و رفعه مع محمد و آله۔ (لیکن مشکل یہ ہے کہ بیٹا 'حسن' بھی باپ کی طرح متہم ہے کذب کے ساتھ اور وہ بھی واقفی تھا)۔

اسی طرح کشی نے سندِ معتبر کے ساتھ روایت کی ہے: عن علي بن ابي حمزة البطائني: من لعن موسى بن جعفر علیہ السلام محمد بن بشير المبدع و المتشعبذ و دعائه عليه بان يذيقه الله حرّ الحديد و قول علي بن ابي حمزة فما رايت احدا قتل باسوء قتلة من محمد بن بشير لعنه الله ۔ترجمہ: علی بن ابی حمزہ روایت کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم - نے بدعتی شعبدہ باز محمد بن بشیر پر لعنت فرمائی اور دعا کی کہ خدا اسے لوہے کی گرمی چکھائے اور پھر میں نے دیکھا کہ اس سے برا کوئی قتل نہیں ہوا۔ اس بناء پر غضائری سے جو نقل ہوا ہے کہ **علی بن ابی حمزہ لعنه الله اصل الوقف و اشد الخلق عداوة للولی من بعد ابی ابراهيم**، یعنی علی بن ابی حمزہ واقفی مذہب کی بنیاد ہے اور امام موسیٰ کاظم - سے بعد والے امام یعنی امام رضا علیہ السلام کا سخت ترین دشمن ہے۔ یہ درست نہیں ہے اور غضائری کی کتاب اصل نہیں ہے بلکہ ان پر وضع کی گئی ہے۔

شیخ طوسی عدۃ الاصول میں فرماتے ہیں:

في عنوان اعتبار العدالة في الراوي و إن كان ما رواه ليس هناك ما يخالفه و لا يعرف من الطائفة العمل بخلافه وجب ايضا العمل به إذا كان متحرجا في روايته موثوقا به في إمانته و إن كان مخطئا في اصل الاعتقاد فلإجل ما قلنا عملت الطائفة باخبار الفطحية مثل عبد اللّٰه بن بكير و غيره و اخبار الواقفة مثل سماعة بن
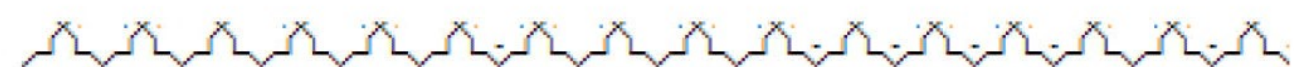
مهران و علي بن ابي حمزة و عثمان بن عیسیٰ۔

راوی میں اعتبار عدالت کے عنوان کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اگر مخالف عقیدہ والا کوئی روایت نقل کرے اور اس کے مخالف روایت ہمارے سے منقول نہ ہو اور نہ ہی شیعہ کا عمل اس کے خلاف ہو تو بھی اس روایت پر عمل واجب ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی روایت میں محتاط ہو اور امانت میں وہ قابل اعتماد ہو۔ اگر چہ اصل عقیدہ میں وہ خطا کار ہو۔ اسی وجہ سے شیعہ فطحیہ مثل عبداللہ بن بکیر وغیرہ اور واقفہ مثل سماعہ بن مہران و علی بن ابی حمزہ اور عثمان بن عیسیٰ کی روایت پر عمل کرتے ہیں۔

البتہ علامہ خلاصہ میں علی بن ابی حمزہ کے ترجمہ میں کہتے ہیں: لیس ھو علي بن ابي حمزة البطائني لانه ضعیف جداً۔ یعنی یہ علی بن ابی حمزہ بطائنی نہیں ہیں کیونکہ وہ انتہائی ضعیف ہے۔ فہرست میں شیخ نے کہا: له اصل وری عنه ابن ابي عمیر و صفوان بن یحیی۔ **تکملة الرجال** میں شیخ عبدالنبی الکاظمی فرماتے ہیں: موتِ امام کاظم علیہ السلام سے پہلے یہ موثق تھے؟ و الاکثر علی تضعیفه مطلقا فیشمل جمیع حالاته، لیکن اکثر کے نزدیک یہ مطلقاً ضعیف ہیں پس ان کی تمام روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔ قال في الشرح (**شرح الاستبصار للشیخ محمد سبط الشهید الثاني**): هو واقفی من غیر توثیق بل ورد فیه ذمّ... و لعله اشار إلی روایة المتن، یا علی انت و اصحابك شبه الحمیر۔ شہید ثانی کے نواسے شیخ محمد نے فرمایا کہ علی بن ابی حمزہ واقفی ہے جس کی توثیق نہیں ہوئی بلکہ اس کے بارے مذمت وارد ہے اس مذمت سے ان کی مراد وہی روایت ہے جس میں فرمایا کہ اے علی بن ابی حمزہ تم اور تمہارے ساتھی گدھے کی مانند ہو۔ لیکن محقق نے معتبر میں کہا: بان تغیره انما
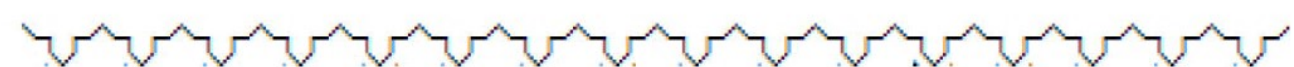
کان فی زمن موسی علیہ السلام فلا یقدح فیما قبلہ، اس میں تبدیلی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی لہذا اس سے پہلے والی روایات میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ معتبر میں محقق انہی کی وجہ سے ایک روایت کوضعیف شمار کرتے ہیں۔ (ص ۸۸، المسئلة ٦،اذا ماتت امراة بين رجال الاجانب،از کتاب الطہارۃ)

لیکن اس میں یوں فرمایا ہے:و الرواية ضعيفة لان علي بن ابي حمزة واقفي فلا عمل علي روايته مع وجود معارض من سليم ،یعنی چونکہ معارض سلیم موجود ہے لہذا اس کی روایت پر عمل نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ شیخ نے عدۃ میں یہی کہا ہے۔

ب۔ یونس بن ظبیان

روی الشيخ عن موسی بن القاسم عن صفوان و ابن ابي عمير عن بريد او يزيد و يونس بن ظبيان قالا : سئلنا ابا عبد اللہ علیہ السلام عن رجل يحرم في رجب او في شهر رمضان حتی إذا كان اوان الحج اتی متمتعا فقال : لا باس بذلك (تہذیب، کتاب الحج ، باب ضروب الحج)۔نجاشی نے یونس کے بارے کہا:ضعيف جدا لا يلتفت إلى ما رواه كل كتبه تخليط۔ یہ انتہائی ضعیف ہے اس کی روایات قابل التفات نہیں ہیں اور اس کی سب کتب میں ملاوٹ ہے۔(رجال النجاشی ،رقم :۱۲۱۰)

و قال الكاظمي في التكملة : علماء الرجال بالغوا في ذمّه و نسبوه إلى الكذب و الضعف و التهمة و الغلو و وضع الحديث و نقلوا عن الرضا علیہ السلام : لعنه۔ کہ علم رجال والوں نے اس کی بہت مذمت کی ہے،اسے جھوٹا ،ضعیف، متہم ، غالی حدیثیں گھڑنے والا قرار دیا ہے اور امام رضا - سے اس کے

بارے لعنت روایت کی گئی ہے۔

جواب: اولاً:۔ابن ابی عمیر تنہا ہوں تو غیر ثقہ سے نقل نہیں کرتے۔اسی وجہ سے یونس سے انہوں نے سوائے اس ایک حدیث کے کوئی اور حدیث نقل نہیں۔یہاں یونس تنہا نہیں ہے یعنی ابن ابی عمیر تنہا غیر ثقہ سے نقل نہیں کرتے اور اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا راوی ہو تو پھر کوئی ڈر نہیں۔یونس اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کے ساتھ برید بھی جیسا کہ نسخہ تہذیب، وافی اور رسائل میں ہے، یا یزید ہے جیسا کہ نسخہ استبصار میں ہے۔لیکن برید سے ابن ابی عمیر کی روایت بعید ہے چونکہ برید امام صادقؑ کی حیات میں وفات پا گئے تھے یعنی ۱۴۸ھ سے پہلے۔لہذا یہاں یزید ہی درست ہے۔احتمالاً اس سے مراد ابو خالد القماط ہے جو کہ ثقہ ہے۔اس سے صفوان روایات کرتے ہیں لہذا ابن ابی عمیر کی نقل اس سے صحیح ہے۔اور احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یزید بن خلیفہ ہو جو کہ اصحاب امام صادقؑ میں سے ہے۔اس سے بھی صفوان روایت کرتے ہیں جیسا کہ استبصار میں ہے۔(ج ۳، حدیث ۳۷۲)

ثـانیاً: احتمالاً واسطہ ہے درمیان میں یعنی ابن ابی عمیر اور یونس کے درمیان اس لئے کہ یونس کی وفات امام صادقؑ کی حیات میں ہوئی ہے۔ابن ابی عمیر کا ان سے روایت کرنا بعید ہے۔

ثالثاً: یونس کا ضعف ثابت نہیں ہے۔البتہ ان کی مدح میں جو روایت ہشام بن سالم نے امام صادقؑ سے ذکر کی: **قال : سئلت ابا عبد الله عليه السلام عن يونس بن ظبيان فقال : رحمه الله و بنى له بيتا في الجنة كان و الله مامونا في الحديث**۔یہ حدیث ابن الہروی مجہول کی وجہ سے سنداً ضعیف ہے۔بلکہ اس وجہ سے کہ بزنطی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے جسے ابن ادریس نے **مستطرفات**

السـرائـر میں جامع البزنطی سے روایت کیا ہے اور چونکہ یہ جوامع مشہور میں سے تھی جس کا انتساب اس کے مصنف کی طرف قطعی تھا لہٰذا آقائے خوئی کا یہ اشکال غیر تام ہے کہ ابن ادریس کی سند بزنطی سے ضعیف ہے۔

(کلیات فی علم الرجال، آقائے جعفر سبحانی)

ج۔ علی بن حدید

روی الشیخ عن الحسین بن سعید عن ابن ابي عمیر عن علي بن حدید عن بعض اصحابه عن احدهما علیهما السلام في رجل كانت له جاریة فوطئها ثم اشتری امها او ابنتها قال لا تحل له ۔(تہذیب، حدیث ۱۱۷۶)۔شیخ نے رجال میں اسے اصحاب امام رضا و امام جواد علیہما السلام سے شمار کیا ہے، فہرست میں اس کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔کشی نے کہا: فطحی من اهل الكوفة و كان ادرک الرضا علیه السلام ۔علامہ نے خلاصہ کی قسم ثانی میں ذکر کیا اور کہا: ضعفه شیخنا في التهذیب و الاستبصار لا یعول علی ما ینفرد بنقله ۔شیخ نے استبصار میں دو موارد میں ان کی تضعیف کی ہے: ایک باب البئر تقع فیها الفارة وغیرها، دوسرا باب النهي علی بیع الذهب بالفضة نسیئة ، في ذیل حدیث عباد : و اما خبر زرارة فالطریق إلیه علي بن حدید و هو ضعیف جدا لا یعول علی ما ینفرد بنقله ، جس روایت کے نقل میں علی بن حدید منفرد ہوں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

جواب: اوّلاً: ضعف علی بن حدید ثابت نہیں ہے بلکہ کشی نے ہشام بن حکم کے ترجمہ میں نقل کیا ہے۔ علي بن محمد عن احمد بن محمد عن علي بن راشد عن ابي جعفر الثاني : قال جعلت فداك قد اختلف اصحابنا فاصلي

خلف اصحاب هشام بن الحكم؟ قال : عليك بعلي بن حديد ، قلت : فاخذ بقوله؟ قال : نعم فلقيت علي بن حديد فقلت : تصلي خلف هشام بن الحكم؟ قال : لا ۔ (اس سند میں ضعف ہے **علي بن محمد القمي** ضعیف ہے)

ترجمۂ یونس بن عبدالرحمٰن میں کہتے ہیں (یہ بھی ضعیف ہے علی بن محمد القمی کی وجہ سے) **آدم بن محمد القلانسي ، قال علي بن محمد القمي ، قال : حدثني احمد بن محمد بن عيسىٰ القمي عن يعقوب بن يزيد عن ابيه يزيد بن حماد عن ابي الحسن** علیہ السلام **قال : قلت اصلّي خلف من لا اعرف؟ قال : لا تصل إلّا خلف من تثق بدينه، فقلت له : اصلّي خلف يونس و اصحابه ؟ قال : يابى ذلک عليكم عليّ بن حديد ، قلت : آخذ بقوله ؟ قال : نعم** ۔ ان دونوں روایات میں راوی نے سوال کیا کہ میں کس کے پیچھے نماز پڑھوں تو آپؑ نے فرمایا: اس کے پیچھے جس کے دین پر بھروسہ ہو پھر حکم دیا کہ علی بن حدید کے پیچھے نماز پڑھو۔

علی بن حدید رجالِ کامل الزیارات اور تفسیر قمی میں سے بھی ہیں ۔ یہ بھی ان کی توثیق کی تائید کرتی ہیں لیکن اس کی حقیقت سے بعد میں بحث ہوگی ۔ لیکن کشی کی توثیق والی سند ضعیف ہے بناء بریں تضعیف شیخ مقدم ہے ۔ لہٰذا اس روایت کہ جس میں ابن ابی عمیر نے علی بن حدید سے روایت کی ہے کا جواب یہ ہے کہ یہاں عن تصحیف ہے واؤ سے یعنی واؤ کو غلطی سے **عــــن** لکھ دیا گیا ہے چونکہ **اوّلاً**: ابن ابی عمیر جمیل سے بلا واسطہ ۲۹۸ روایت نقل کرتے ہیں (معجم رجال الحدیث ، ج ۲۲،ص ۱۰۲) ۔ اور بہت بعید ہے کہ ان سے ایک روایت مع الواسطہ نقل کریں اس وجہ سے کتب احادیث میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۔ **ثــانیًا**: دونوں کا طبقہ ایک ہے جیسا کہ نجاشی نے نص کی ہے کہ علی

بن حدید امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے نقل روایت کرتے ہیں۔ **ثالثاً:** ابن ابی عمیر نے اس ایک روایت کے علاوہ علی بن حدید سے کوئی روایت نہیں کی۔ اس سے یہ بھی تائید ہوتی ہے کہ علی بن حدید ان کے شیخ نہیں تھے بلکہ معاصر تھے۔

(معجم رجال الحدیث، ج ۲۲، ص ۲۹۲)۔

د۔ حسین بن احمد المنقری

ان سے ابن ابی عمیر نے متعدد روایات نقل کی ہیں:

۱) روی الكليني عن علي بن إبراهيم عن إبيه عن ابن ابي عمير عن الحسين بن احمد المنقري، قال: سمعت ابا إبراهيم عليه السلام يقول من استكفى بآية من القرآن۔ (الكافي، ج ۲، كتاب فضل القرآن)

۲) روى عن محمد بن يحيى عن احمد بن محمد عن ابن ابي عمير عن الحسين بن احمد المنقري عن خاله، قال: سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول من اكل طعاما لم يدع إليه فإنه اكل قصعة من النار۔ (الكافي، ج ٥، كتاب المعيشة)

۳) روى في الروضة عن علي بن إبراهيم عن ابيه عن ابن ابي عمير عن حسين بن احمد المنقري عن يونس بن ظبيان، قال: قلت لابي عبد الله عليه السلام الا تنهى هذين الرجلين عن هذا الرجل۔

٤) روى ايضا بسند صحيح عن ابن ابي عمير عن الحسين بن احمد عن شهاب بن عبد ربه قال، قال لي ابو عبد الله عليه السلام: إن ظننت ان هذا الامر كائن فلا تدعن طلب الرزق ـ (الكافي، كتاب المعيشة)

٥) روى علي بن إبراهيم عن ابيه عن ابن ابي عمير عن حسين بن احمد

المنقري عن عيسى الضرير قال : قلت لابي عبد الله عليه السلام : رجل قتل رجلا متعمدا ما توبته۔ (الكافي ، كتاب الديات)

قال النجاشي : الحسين بن احمد المنقري ابو عبد الله روى عن ابي عبد الله عليه السلام رواية شاذة لم تثبت و كان ضعيفا ، ذكر ذلك اصحابنا رحمهم الله روى عن داؤد الرقي و اكثر ، له كتاب ۔ رجال میں شیخ نے کہا: انه ضعيف (رقم ۸)۔نجاشی نے کہا حسین بن احمد منقری ضعیف تھا اور شیخ طوسی نے بھی اسے ضعیف کہا۔

ظاہراً ان کا ضعف ان کے عقیدہ کی طرف راجع ہے نہ روایت کی طرف ، چونکہ اولاً نجاشی نے کہا: روى عن داؤد الرقي و اكثر اور داؤد کے حق میں کہا: ضعيف جداً و الغلاة تروي عنه ،اس بناء پر ممکن ہے یہ ان غلاۃ میں سے ایک ہو۔ ثانیاً: شیخ نے داؤد الرقی کو اصحاب امام کاظم علیہ السلام میں شمار کیا ہے اور کہا ہے : داود الرقي مولى بني اسد و هو ثقة من اصحاب ابي عبد الله عليه السلام ۔ہاں! ابن الغضائری نے کہا: كان فاسد المذهب ضعيف الرواية لايلتفت إليه۔ اس تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں طعن، نقلِ حدیث میں غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ یہ داؤد رقی سے کثرت سے روایت کرتا تھا۔لیکن یہ چیز مانع از وثاقت نہیں ہے کہ جس میں ابن ابی عمیر ملتزم تھے کہ غیر ثقہ سے روایت نہیں کریں گے۔

دو اور موارد

مشائخ الثقات میں دو اور مورد بھی ذکر ہوئے ہیں جن میں ابن عمیر ضعاف سے نقل کرتے ہیں:

(۱) ابو البختری وھب بن وھب اور عمرو بن جمیع ۔وہب بن

وہب عامی ہے اور نجاشی نے اسے کذاب کہا ہے۔ ابن ابی عمیر نے کتاب الصلاۃ میں صلاۃ الاستسقاء میں اس سے روایت کی ہے۔ (التھذیب، ج ۳، ح ۳۲۵)

(۲) عمرو بن جمیع زیدی بتری، نجاشی نے کہا: قاضي الري ضعيف۔ آقائے جعفر سبحانی فرماتے ہیں: ابن ابی عمیر نے ان سے کوئی روایت کتب اربعہ میں نہیں کی۔ ہاں شیخ صدوق نے دو روایتیں ان سے کی ہیں: معانی الاخبار جن میں ابن ابی عمیر ان سے روایت کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مشائخ امامی ثقہ (یعنی شیعہ ثقہ راویوں) سے روایت کرنے پر ملتزم تھے۔ جبکہ پہلا عامی ہے اور دوسرا بتری ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن ابی عمیر ان سے تحمل حدیث کے وقت ان کی وثاقت کے معتقد ہوں۔ نیز عبداللہ بن قاسم کو بھی ذکر کیا گیا ہے جو کہ ضعیف ہے اور اس سے ابن ابی عمیر نے روایت کی ہے۔ نجاشی نے اسے کذاب غالی کہا ہے ولا خير فيه و لا يعتد بروايته۔ شیخ نے رجال میں اسے واقفی کہا ہے۔ ابن ابی عمیر نے اس سے صرف ایک روایت کی ہے وہ بھی احکام سے مربوط نہیں ہے ممکن ہے ان کا التزام صرف احکام سے مربوط روایات کے حوالے سے ہو۔

۲۔ صفوان بن یحییٰ (متوفی ۲۱۰ھ)

صفوان بن يحيي بيّاع السابری ان تین میں سے ایک ہیں جن کے بارے شیخ نے کہا کہ یہ روایت یا ارسال نہیں کرتے مگر ثقہ سے۔ نجاشی نے ان کے بارے کہا: كوفي ثقة ثقة عين روى ابوه عن ابي عبد الله عليه السلام و روى هو عن الرضا عليه السلام و كان له عنده منزلة شريفة۔ بہت متقی و زاہد تھے۔ شیخ فہرس میں فرماتے ہیں: اوثق اهل زمانه عند اهل الحديث و اعبدهم و كان يصلي كل

یوم و لیلة خمسین و مائة رکعة و یصوم في السنة ثلاثة اشهر و یخرج زکاة مالـه في کل سنة ثلاث مرات۔ کہ آپ موثق ترین اور عابد ترین فرد تھے، دن رات میں آپ ڈیڑھ سو رکعت نماز پڑھتے اور سال میں تین ماہ روزے رکھتے اور ہر سال تین مرتبہ زکوۃ مال ادا کرتے تھے۔

مشائخہ:

آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں آپ کے کتب اربعہ میں ۱۴۰ مشائخ ذکر کیے ہیں۔مشائخ الثقات میں آپ کے مشائخ کتب اربعہ وغیرہ میں ۲۱۲ ذکر کیے ہیں جن میں سے ۱۰۹ ثقہ ہیں جبکہ باقی یا مہمل ہیں یا مجہول۔ضعیف بہت کم ہیں۔ بہر کیف ان کے مشائخ میں ضعاف کا دعویٰ کیا گیا ہے۔معجم رجال الحدیث میں یہ ذکر ہوئے ہیں:

۱۔ **یونس بن ظبیان** : روی الشیخ عن موسی بن قاسم عن صفوان و ابن ابي عمیر عن برید (او یزید) و یونس بن ظبیان ،**اس کا جواب وہی** ہے جو سابقاً گذر چکا ہے۔

۲۔ **علی بن ابی حمزة البطائنی**: یہ روایت جسم خدا کے بارے میں ہے اور علی بن ابی حمزہ نے صفوان سے روایت کی۔ کتب اربعہ میں اس کے علاوہ کوئی روایت بیان نہیں کی۔

۳۔ **ابو جمیله المفضل بن صالح الاسدی** : نجاشی نے ان کی تضعیف کی ہے، جابر بن یزید جعفی کے ذیل میں، **قال روی عنه جماعة غمز فیهم و ضعفوا منهم عمرو بن شمر و مفضل بن صالح و منخل بن جمیل و یوسف بن یعقوب**۔علامہ نے انہیں ضعیف کذاب کہا

ہے یضع الحدیث۔ جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا۔

مفضل سے صفوان کی اس ایک حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے اور علامہ نے جو کہا ہے کہ یہ ابن الغضائری سے ماخوذ ہے چونکہ ان کی یہی تعبیر ہے **ضعیف کذاب یضع الحدیث** اور ابن غضائری کی تضعیفات وتعدیلات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ نجاشی کی تضعیف بھی باحتمال قوی اس کے غلو کی بناء پر ہے۔

۴۔ **عبد اللہ بن خداش المنقری**: نجاشی نے کہا ضعیف جداً و فی مذهبه ارتفاع۔ لیکن نجاشی کی تضعیف اس کے غلو کی وجہ سے ہے چونکہ خود کہہ دیا و فی مذهبه ارتفاع۔ نجاشی ابن الغضائری سے تضعیفات میں متاثر تھے جہاں وہ وجہ ذکر نہیں کرتے وہاں **اعتقاد غلوّ فی الراوی** کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کشی نے ان کی وثاقت نقل کی ہے۔

۵۔ **معلّٰی بن خنیس**: صفوان نے ان سے روایت کی ہے جیسا کہ فہرست شیخ میں ترجمہ معلّٰی میں مذکور ہے۔ فہرسِ شیخ میں ترجمہ معلّٰی میں وارد ہے: **معلی بن خنیس یکنی ابا عثمان الاحول له کتاب۔**

ابن غضائری نے کہا: معلّٰی پہلے مغیرہ بن سعید کا پیروکار تھا پھر محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی طرف چلا گیا و الغلاة یضیفون إلیه کثیراً و لا اری الاعتماد علی شیء من حدیثه۔ خلاصہ کی قسمِ ثانی میں علامہ نے ذکر کیا... و هو ضعیف جداً۔ نجاشی نے بھی تضعیف کی ہے: ضعیف جدًا لا یعوّل علیه۔

شیخ طوسی نے جو الغیبۃ میں کہا وہ ان کی مدح وعدالت پر دلالت کرتا ہے لیکن وہ بغیر اسناد کے ہے اور جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ نجاشی شیخ سے اضبط بھی ہیں لہذا

ان کی تضعیف مقدم ہونی چاہیے لیکن ابن غضائری کی تضعیفات کا تو اعتبار نہیں ہے اور دعوائے غلو متقدمین کی طرف سے مضرّ نہیں کیونکہ وہ اسے بھی غلو سمجھتے تھے جسے آج ضروریاتِ مذہب میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ شیخ وحید بہبانی نے تعلیقہ میں کہا: ابن غضائری کا انہیں مغیری کہنا قطعاً درست نہیں۔ ابن طاؤس نے مہج الدعوات میں کہا: آپ اشہر وکلاءِ امام صادق علیہ السلام میں سے تھے اور اسی وجہ سے قتل ہوئے۔

بہت سی روایات ان کی مدحِ عظیم میں وارد ہیں جنہیں نجاشی نے ذکر کیا ہے اور ان کی مذمت کے بارے جو احادیث ذکر کی گئی ہیں وہی ہیں جن میں امام معصوم علیہ السلام نے فرمایا: خدا اس پر رحم کرے اس نے ہمارے سرّ کو فاش کیا جس کی وجہ سے قتل ہوا یہ عدمِ رضا پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ انہوں نے صرف تقیہ میں تقصیر کی ہے اور یہ ایسا گناہ نہیں جو عدمِ قبول روایت کا باعث ہو۔ باقی بعض سنداً ضعیف ہیں اور قابل جواب ہیں۔ شیخ طوسی نے غیبت میں معلّٰی کے حق میں نقل کیا ہے: **کان معلّی من قوّام ابی عبداللہ علیہ السلام و انما قتلہ داؤد بن علی بسببہ و کان محموداً عندہ ، فروی عن ابی بصیر۔** جب قتل کر دیا تو اس نے انہیں سولی پر لٹکا دیا **اعظم ذلک علی ابی عبد اللہ علیہ السلام و اشتدّ علیہ و قال علیہ السلام لہ : یا داؤد علی ما قتلت مولای و قیّمی فی ما لی و علی اھلی، واللہ انہ لاوجہ عند اللہ منک .... اما واللّٰہ لقد دخل الجنۃ۔** معلّٰی امام صادق -کے گھریلو امور کے ناظر تھے اس وجہ سے داؤد بن علی نے آپ کو قتل کروایا۔ قتل کے بعد ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا گیا، اس سے امامؑ کو بہت اذیت ہوئی اور آپ نے داؤد سے فرمایا: اے داؤد تم نے کیوں میرے دوست اور میرے مالی امور کے سرپرست کو قتل کر دیا خدا کی قسم خداوند کے نزدیک اس کا تم سے زیادہ مقام ہے۔ اور وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

ثانیا: معلّی ۱۳۳ھ سے پہلے قتل ہوئے اور صفوان ۲۱۰ھ میں فوت ہوئے وہ ان سے کیسے نقل کر سکتے ہیں جبکہ دونوں کی وفات میں ۷۷ سال کا فاصلہ ہے۔ لہذا یہاں کوئی بیچ میں واسطہ تھا جیسا کہ ایک دوسری سند میں نجاشی نے ترجمہ معلّی بن خنیس میں ذکر کیا ہے کہ ان کی کتاب ہمارے لئے روایت کی ہے فلان فلان ... **عن صفوان عن ابن ابی عثمان معلّی بن زید الاحول عن معلّی بن خنیس** (رقم ۱۱۱۴)۔ ابو عثمان الاحول معلّی بن زید کی کنیت ولقب ہے نہ کہ معلّی بن خنیس کی۔ لہذا فہرس سے جو ترجمہ نقل ہوا اس میں تحریف ہے وہ معلّی بن زید کا ترجمہ ہے نہ کہ معلّی بن خنیس کا۔

۳۔ احمد بن محمد بن عمرو بن ابی نصر البزنطی (متوفی ۲۲۱ھ)

نجاشی نے کہا: **لقی الرضا علیہ السلام و جواد علیہ السلام و کان عظیم المنزلة عندهما و له کتب منها الجامع**۔ کتب اربعہ میں ۷۸۸ کے قریب روایات کی اسناد میں آئے ہیں۔ آقائے خوئی نے آپ کے مشائخ کتب اربعہ میں جو آئے ہیں ۱۱۵ ذکر کیے ہیں جن میں سے ۵۳ ثقہ ہیں باقی مہمل یا مجہول ہیں، کچھ ضعیف ہیں جیسے

۱۔ **مفضل بن صالح**: کلینی نے الکافی، کتاب الحج، باب بدء البیت و الطواف میں ایک روایت ذکر کی ہے جس میں بزنطی نے ان سے روایت کی ہے۔

۲۔ **حسن بن علي بن ابي حمزة البطائني**: شیخ نے التهذیب، باب التدبیر، حدیث ۹۵۳ کو ان سے ذکر کیا ہے جو حسن امام رضا علیہ السلام سے روایت کر رہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی باپ کی طرح سے وقف سے لوٹ آیا تھا ورنہ امام رضا علیہ السلام سے روایت نہ کرتا۔

۳۔ **عبد اللہ بن محمد شامی**: الکافي، کتاب الاطعمة میں ان

سے روایت کی گئی ہے۔

ان پر اشکال یہ ہے کہ یہ رجال نوادر الحکمۃ میں سے ہیں جن کے متعدد رجال کی تضعیف کی گئی ہے۔ ان میں سے عبد اللہ بن محمد شامی ہے جیسا کہ نجاشی نے ترجمۂ محمد بن احمد بن یحییٰ اشعری قمی میں کہا ہے۔لیکن جس عبد اللہ بن محمد شامی سے بزنطی روایت کرتے ہیں وہ اور ہے اور یہ اور ہے کیونکہ یہ شیخ صاحب نوادر ہے۔ جبکہ جس سے بزنطی نے روایت کی ہے وہ اس سے دو واسطہ کے ساتھ مقدم ہے: احمد بن محمد بن عیسیٰ یروی عن البزنطی یروی عن عبد اللہ بن محمد شامی ،لہٰذا یہ وہی نہیں ہوسکتا۔

۴۔ **عبد الرحمن بن سالم**: ان سے ابن ابی عمیر کی روایت بھی موجود ہے اور بزنطی کی بھی یہ عبد الرحمٰن بن سالم بن عبد الرحمٰن عطار ہیں۔ان کی تضعیف صرف ابن غضائری نے کی جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ایک وجہ اور بھی ان اشکالات کے جواب کیلئے ذکر ہوئی ہے کہ علی بن ابراہیم اور ابن قولویہ نے شہادت دی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں روایت نہیں کریں گے إلّا عن ثقة جیسے ان کی شہادت کو اخذ کرنا ضروری ہے مطلقاً مگر یہ کہ اس کے خلاف نص آجائے۔اسی طرح شیخ کی اس شہادت میں بھی ہے قبول کریں گے مگر یہ کہ اس کے برخلاف ثابت ہو جائے یا کوئی اور نص اس کے معارض ہو جائے ، جیسے ابن قولویہ اور علی بن ابراہیم کی اس شہادت کے خلاف ثابت ہو جانے سے ان کی یہ شہادت ردّ نہیں ہوئی۔ اس مورد کے غیر میں وہ شہادت ماخوذ ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔اس لئے کہ ان مقامات میں یہ شہادت اجمالیہ کئی شہادات بہ تعداد رواۃ منحل ہوتی ہیں۔اگر کسی مورد میں ثبوت خلاف ہو تو صرف اسی مورد کو اخذ نہیں کریں گے۔ بقیہ موارد میں یہ

شہادت اپنی قوت کے ساتھ باقی ہے۔اس پر دو اشکال ہیں:

پہلا اشکال: یہ بات تب درست ہے کہ ایسی شہادت خود ان تین بزرگوں نے دی ہو یعنی خود انہوں نے تصریح کی ہو کہ وہ روایت یا ارسال نہیں کریں گے مگر ثقہ سے، اس صورت میں جہاں جہاں اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے یہ شہادت ماخوذ ہو گی۔لیکن یہ شہادت شیخ نے دی ہے ان مشائخ ثلاثہ کے بارے۔اب اگر ان کے ایسے مشائخ موجود ہوں جن کی تضعیف خود شیخ نے کی ہو تو یہ شہادت اعتبار سے ساقط ہو جائے گی۔فرق یہ ہے کہ اگر شہادت خود ان تینوں نے دی ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انہوں یہ شہادت دی ہے کہ ہم روایت یا ارسال نہیں کریں گے مگر اس سے جو ہماری نظر میں ثقہ ہو گا۔اب خلاف ظاہر ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انہوں نے مصداق میں اشتباہ کیا ہے غیر ثقہ کو ثقہ سمجھ لیا ہے۔یہ مضر نہیں ہے کہ اس کے علاوہ موارد میں ان کی شہادت ماخوذ ہو۔

لیکن اگر یہ شہادت شیخ پر منتہی ہو تو یہ شیخ کا اپنا استقراء ہے ان کے مشائخ کے بارے میں اور اس کے خلاف ظاہر ہو جانے سے اس استقراء کا اعتبار ختم ہو جائے گا چونکہ ظاہر ہو چکا ہے کہ ناقص ہے۔استقراءِ ناقص سے ضابطہ و کلیہ استنباط نہیں کیا جا سکتا۔یہ بات آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں کی ہے۔

لیکن عدۃ الاصول کی عبارت میں غور و فکر کر لینے سے اس کا جواب دیا جا سکتا ہے چونکہ ظاہرِ عبارت یہ ہے کہ یہ استکشاف شیخ نے نہیں کیا بلکہ طائفۂ شیعہ نے کیا ہے یعنی شیخ سے پہلے اوساطِ علمیہ میں یہ بات مشہور تھی اور شیخ اس استکشاف کے حاکی ہیں نہ کہ کاشف۔شیخ نے فرمایا: **سوّت الطائفة بين ما يرويه هؤلاء و غيرهم من الثقات الذين عرفوا بانهم لا يروون و لا يرسلون الا عمن يوثق به**۔اس بناء

پر اشکال وارد نہیں ہے لہٰذا ان کے شمائخ موردِ وثوق ہوں گے اور سب کی وثاقت کا حکم لگائیں گے اگر چہ کتب رجال میں ان کا ذکر نہ ہوا ہو یعنی مجہول یا مہمل ہوں۔

دوسرا اشکال: وہ یہ ہے کہ یہ توجیہ ان کے مسانید میں درست ہے نہ کہ مراسیل میں کیونکہ ہوسکتا ہے مرسلہ میں واسطہ وہ راوی ہو جس کا ضعف ثابت ہو۔اس کیلئے اس ضابطہ کو اخذ نہیں کریں گے کیونکہ یہ عام کے ساتھ اس کے شبھہ مصداقیہ میں تمسک ہوگا جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب میں کہتے ہیں کہ ان کے مشائخ میں جن کا ضعف ثابت ہے وہ انتہائی قلیل ہیں اور ان سے روایات بھی انتہائی محدود ہیں اور ایسا نادر احتمال اطمینان شخص کو مضرّ نہیں ہوتا چونکہ عقلاء ملتزم نہیں ہوئے کہ وہ صد درصد مطمئن ہوئے بغیر عمل نہیں کریں گے بلکہ نادر احتمال خلاف کے باوجود وہ عمل کرتے ہیں۔

(کلیات فی علم الرجال ، استاد جعفر سبحانی مدظلہ)

لیکن مزید دقت نظر کی ضرورت ہے اس لئے کہ شیخ نے بھی بطور مطلق نہیں کہا بلکہ **و كذلك عملوا بمراسيلهم إذا انفردوا عن رواية غيرهم** اگر ان کے مراسیل و مسانید برابر تھے تو پھر یہ قید لگانے کی کیا ضرورت تھی اور خود شیخ نے بھی مراسیل ابن ابی عمیر پر عمل نہیں کیا جہاں مسانید موجود ہیں ،(فراجع التہذیب ، ج۸، ح ۹۳۲)۔معلوم ہوا کہ ان کے مراسیل پر وہاں عمل کیا جا سکتا ہے کہ جہاں ہمیں مسند حدیث نہ مل سکے۔

العصابة المشهورة
بانّهم لا يروون إلاّ عن الثقات

(وہ جماعت جن کے بارے معروف ہے کہ وہ روایت نہیں کرتے مگر ثقہ افراد سے)

۱۔ احمد بن محمد بن عیسٰی

۲۔ بنو فضّال کلّهم

۳۔ جعفر بن بشير البجلي

۴۔ محمد بن إسماعيل بن ميمون الزعفراني

۵۔ علي بن الحسن الطاطري

۶۔ احمد بن علي النجاشي (صاحب الفهرس)

۱۔ احمد بن محمد بن عیسٰی القمی

آپ ثقہ جلیل تھے، نجاشی و شیخ نے آپ کی توثیق کی ہے۔ علامہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ آپ نے احمد بن محمد بن خالد البرقی القمی کو قم سے نکال دیا لانــه كـان يـروي عـن الضعاف، بعد میں انہیں واپس بلا کر معذرت کی اور ان کی وفات کے بعد ان کے جنازے میں برہنہ پاؤں چل کر گئے اور آپ نے سہل بن زیاد الآدمی کو بھی غلو کی وجہ سے قم سے نکال دیا تھا۔

برقی کو قم سے نکالنے کی وجہ سے بعض نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ خود ضعاف سے روایت نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ نتیجہ درست نہیں ہے کیونکہ انہوں نے احمد برقی کی پکڑ اس کے اکثار الـروایة عن الضعفاء یعنی ضعفاء سے کثرت سے روایتیں لینے کی وجہ سے کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ خود اکثار الـروایة عـن الضعفاء نہیں کرتے تھے۔ نیز ان کا ضعفاء سے روایت کرنا ثابت ہے، جیسے:

۱) محمد بن سنان، ان کی نجاشی نے تضعیف کی ہے

۲) علی بن حدید، ان کا ضعف بیان ہو چکا ہے

۳) اسماعیل بن سہل، نجاشی نے کہا **ضعفه اصحابنا**

۴) بکر بن صالح، ان کی تضعیف نجاشی نے ذکر کی ہے

۲۔بنو فضال کلّهم

بنو فضال کے ہر مروی عنہ کی وثاقت پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:

روی الشیخ في كتاب الغيبة عن ابي محمد المهدي قال : و قال ابو الحسين بن تمام ، حدثني عبد الله الكوفي خادم الشيخ حسين بن روح قال سئل الشيخ يعني ابا القاسم رضي الله عنه (حسين بن روح) عن كتب ابن ابی الغزاقر (**محمد بن علي الشلمغاني**،جس کے لعن کے بارے توقیع مبارک صادر ہوئی حسین بن روح کی طرف ورذی الحجہ سنۃ ۳۱۲ھ) بعد ما ذمّ و خرجت فيه اللعنة فقيل له كيف نعمل بكتبه و بيوتنا منها ملاء؟ فقال : اقول فيها ما قاله ابو محمد الحسن بن علي عليه السلام و قد سئل عن كتب بني فضال فقالوا كيف نعمل بكتبهم و بيوتنا منها ملاء فقال : خذوا بما رووا و ذروا ما راوا۔

شیخ انصاری نے کتاب الصلاۃ میں وقتِ صلوٰۃ ظہر کی بحث میں داؤد فرقد کے روایت کے بارے کہا: **و هذه الرواية و إن كانت مرسلة إلّا ان سندها إلى الحسن بن فضال صحيح و بنو فضال ممن امروا بالاخذ بكتبهم و رواياتهم۔**

اولاً یہ روایت ضعیف ہے عبداللہ الکوفی مجہول ہے اور مرسلہ بھی ہے چونکہ حسین بن روح ۳۲۶ھ میں فوت ہوئے اور امام عسکری ۲۶۰ھ میں، لیکن اس روایت

کو مان لیں تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ روایت کا مقصود یہ ہے کہ استقامت کے بعد بنی فضال کو فساد عقیدہ مضر نہیں ہوگا کہ ان کی حال استقامت والی روایات کو ماننے سے، نہ کہ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مسانید و مراسیل سب مان لیں بغیر اس کے کہ ان کے مروی عنہ کو دیکھیں۔ باقی سب لوگوں کی طرح ان کا بھی حال ہے غیر ثقہ و ثقہ کی تفتیش ضروری ہے (معجم رجال الحدیث، ج ۱، صفحہ ۸۳)

۳۔جعفر بن بشیر البجلی

نجاشی نے کہا: جعفر بن بشیر الوشا البجلي من رفقائنا و اصحابنا و عبادهم و كان ثقة مات بالابواء ۲۰۸ و كان ابو العباس بن نوح يقول كان يلقب فقحة العلم (الفقحة من النبت الزهرة) روى عن الثقات و رووا عنه۔

یہ عبارت اس مطلوب پر دال نہیں ہے کہ وہ صرف ثقہ سے روایت کرتے تھے چونکہ دوسرا فقرہ بھی ساتھ ہے و رووا عنہ یہ تو انسان کے اختیار میں نہیں کہ انسان سے صرف ثقہ ہی روایت کریں، اور جعفر بن بشیر نے ضعاف سے روایت کی ہے جیسا کہ صالح بن الحکم جس کی نجاشی نے تضعیف کی ہے۔

۴۔محمد بن اسماعیل بن میمون الزعفرانی

ان کے بارے میں بھی وہی کہا گیا جو جعفر بن بشیر کے بارے میں کہا گیا اور اس کی دلیل نجاشی کی یہ عبارت ہے: قال محمد بن اسماعيل بن ميمون الزعفراني ابو عبد الله ثقة عين روى عن الثقات و رووا عنه اس عبارت سے بھی وہی مراد ہے جو بیان ہو چکا۔

۵۔علی بن الحسن الطاطری الکوفی

شیخ نے ان کے ترجمہ میں فہرست میں کہا: كان واقفياً شديد العناد في

مذهبه صعب العصبية على من خالفه من الاماميه وله كتب كثيرة في نصرة مذهبه و له كتب في الفقه رواها عن الرجال الموثوق بهم و برواياتهم فلاجل ذلك ذكرناها یہ واقفی تھا اور اس میں بہت شدید تھا، اس نے اپنے مذہب کی حمایت میں بہت کتابیں لکھی اور فقہ میں بھی اس کی کتب ہیں جن میں وہ ثقہ سے اور ثقہ افراد اس سے روایت کرتے ہیں۔

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جس سے بھی یہ روایت کریں وہ ثقہ ہے لیکن عبارت سے زیادہ سے زیادہ یہ استفادہ ہوتا ہے کہ طاطری اپنی کتب میں غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتا نہ کہ وہ جس سند میں بھی واقع ہو جائے ان کا مروی عنہ ثقہ شمار ہوگا۔

۶۔احمد بن علی النجاشی

شیخ ابوالعباس احمد بن علی بن احمد بن عباس بن محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن محمد بن عبداللہ النجاشی آپ کے بہت سے مشائخ ہیں جن کے بارے میں آپ نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں مثلاً وہ جعفر بن محمد بن مالک بن عیسیٰ بن سابور کے ترجمہ میں کہتے ہیں: كان ضعيفا في الحديث قال احمد بن الحسين كان يضع الحديث...... و سمعت من قال كان فاسد المذهب و الرواية اور مجھے تعجب ہے کہ ہمارے دو جلیل القدر شیخ علی بن ہمام اور ابو غالب الرازی نے اس سے کیسے روایت کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان جیسوں سے روایت نہیں کرتے تھے۔

احمد بن محمد الجوہری کے ترجمہ میں کہا (م ۴۴۱) رايت هذا الشيخ و كان صديقا لي ولو الدى وسمعت منه شيئًا كثيرًا و رايت شيوخاً يضعّفونه فلم ارو عنه شيئًا و تجنّبته۔ کہ اس شیخ سے میں نے روایات سنی لیکن چونکہ ہمارے بزرگان اس کی تضعیف کرتے تھے لہٰذا میں نے اس سے روایت نہیں کی اور اس سے

اجتناب کیا۔

نیز محمد بن عبداللہ بن بہلول کے ترجمہ میں کہا: وکان فی اوّل امرہ ثبتا ثم خلط و رایت جلّ اصحابنا یغمزونہ و یضعّفونہ الی ان قال رایت ھذا الشیخ و سمعت منہ ثمّ توقفت عن الروایۃ عنہ الاّ بواسطۃ بینی و بینہ۔ کہ یہ شیخ پہلے ٹھیک تھے پھر گڑبڑ ہوئے، ہمارے اکثر اصحاب ان کی تضعیف کرتے تھے میں نے انہیں دیکھا سنا لیکن ان سے روایت نہیں کی مگر یہ کہ میرے اور ان کے درمیان واسطہ ہو۔

انہی تصریحات سے محدث نوری نجاشی کے تمام ۳۲ مشائخ کی وثاقت کے قائل ہوئے ہیں اور آقای خوئی نے بھی کلام نجاشی سے اس کا استظہار کیا ہے۔
(معجم، ج ۱، صفحہ ۶۰)

اور یہی چیز قرین قیاس لگتی ہے لہٰذا ان کے مشائخ کی توثیق کا حکم لگائیں گے مگر وہ کہ جس کی تضعیف ثابت ہو جائے۔

مشائخ صاحب نوادر الحکمۃ

محمد بن احمد بن یحییٰ بن عمران الاشعری القمی نے جو کہ اجلّاء اصحاب میں سے شمار ہوتے ہیں نوادر الحکمۃ نام سے کتاب لکھی جو کہ کتاب التوحید سے شروع ہوتی ہے اور کتاب القضایا و الاحکام پر ختم ہوتی ہے۔ نجاشی اس بارے کہتے ہیں:

لمحمد بن احمد بن یحییٰ کتب منھا کتاب "نوادر الحکمۃ" وھو کتاب حسن کبیر یعرفہ القمیّون بہ دبّۃ شبیب۔ ترجمہ: ان کی بہت سی کتب تھیں ان میں سے ایک کتاب نوادر الحکمۃ ہے جو کہ بہترین اور بڑی کتاب ہے قمی اسے دُبّہ شبیب کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اور مصنف کے بارے کہتے ہیں: محمد بن احمد بن یحیٰی الاشعری القمی کان ثقة فی الحدیث الآن اصحابنا یقولون قالوا کان یروی عن الضعفاء و یعتمد المراسیل ولا یبال عمن اخذو ما علیه فی نفسه مطعن فی شیٔ و کان محمد بن الحسن بن الولید یستثنی من روایة محمد بن احمد بن یحیٰی ما رواہ عن (۱) محمد بن موسیٰ الهمدانی، (۲) او ما رواہ عن رجل، (۳) او یقول بعض اصحابنا، (۴) او عن محمد بن یحیٰی المعاذی، (۵) او عن ابی عبد اللّٰہ الرازی الجامورانی، (۶) او عن ابی عبد اللّٰہ السیاری، (۷) او عن یوسف بن سخت، (۸) او عن وهب بن منبسة، (۹) او عن ابی علی النیشاپوری، (۱۰) او عن ابی یحیٰی الواسطی، (۱۱) او عن محمد بن علی بن ابی سمینه، (۱۲) او یقول فی حدیث او کتاب ولم اروہ، (۱۳) او عن سهل بن زیاد الآدمی، (۱۴) او عن محمد بن عیسیٰ بن عبید باسناد منقطع، (۱۵) او احمد بن هلال، (۱۶) او عن محمد بن علی الهمدانی، (۱۷) او عبد اللّٰہ بن محمد الشامی، (۱۸) او عبد اللّٰہ بن احمد الرازی، (۱۹) او احمد بن حسن بن سعید، (۲۰) او احمد بن بشیر الرقّی، (۲۱) او عن محمد بن هارون، (۲۲) او عن میمونه بن معروف، (۲۳) او عن محمد بن عبد اللّٰہ بن مهران، (۲۴) او ما ینفرد به الحسن بن الحسین اللؤلؤی، (۲۵) او ما یرو به عن جعفر بن محمد بن مالک، (۲۶) او یوسف بن الحارث، (۲۷) او عبد اللّٰہ بن محمد الدمشقی۔

(ابن الولید نے اس جماعت کو رجال نوادر الحکمة سے استثناء کیا ہے یعنی ان

کے علاوہ جن مشائخ سے انہوں نے بلا واسطہ روایت کی ہے وہ محکوم بالصحۃ ہیں (رجال نجاشی، رقم/۹۳۹) اور شیخ نے فہرس میں دو کا اور اضافہ کیا: ۲۸۔ جعفر بن محمد الکوفی، ۲۹۔ ھیثم بن عدی۔

ابوالعباس بن نوح کہتے ہیں: وقد اصاب شیخنا ابو جعفر محمد بن الحسن بن الولید فی ذلک کلّہ و تبعہ ابو جعفر بن بابویہ رحمہ اللّٰہ علی ذلک الاّ فی محمد بن عیسٰی بن عبید فلا ادری ما رایہ فیہ لانہ کان علی ظاھر العدالۃ و الثقۃ۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ استثناء مذکور شہادت ہے اس بات پر کہ جس سے محمد بن احمد بن عیسٰی اشعری قمی نے روایت کی ہے اور اسے استثناء نہیں کیا گیا وہ عادل ہے۔ البتہ مراد ان کے بلاواسطہ مشائخ ہیں۔

اور جب ابن الولید کی یہ نظر ہے تو شیخ صدوق تضعیفات میں ان پر اعتماد کرتے ہیں شیخ من لایحضرہ الفقیہ میں فرماتے ہیں: کان شیخنا محمد بن الحسن لا یصحّح خبر صلاۃ یوم غدیر خم و الثواب المذکور لمن صامہ و یقول انّہ من طریق محمد بن موسٰی الھمدانی و کان کذّابا غیر ثقۃ و کلّ مالم یصحّحہ ذلک الشیخ قدس اللّٰہ روحہ۔ ولم یحکم بصحۃ من الاخبار فھو عندنا متروک غیر صحیح کہ ہمارے شیخ محمد بن الحسن یوم الغدیر کی نماز و روزے والی روایت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن موسی الہمدانی کذاب موجود ہے، اور جس روایت کو ہمارے یہ شیخ صحیح نہ سمجھیں وہ ہمارے نزدیک بھی غیر صحیح اور متروک روایت ہے۔

پس شیخ صدوقؒ کی بھی یہی نظر ہے اس کے علاوہ اس عبارت سے یہ بھی پتہ

چلتا ہے کہ رجال نوادر الحکمۃ کی توثیق اصالۃ العدالہ کی بناء پر نہیں تھی بلکہ احراز حال کی بناء پر تھی۔

البتہ بعض مستثنیٰ افراد میں قواعد توثیق وتضعیف کو سامنے رکھنا ہوگا جیسا کہ ابن نوح نے محمد بن عیسیٰ کے بارے میں کہا یا حسن اللؤلؤی کی نجاشی نے توثیق کی ہے۔

مشائخ صاحب کامل الزیارات

مصنف کامل الزیارات شیخ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ (م ۳۶۷ یا ۳۶۹) کاظمیہ میں شیخ مفید کے مقابل مدفون ہیں جوکہ آپ کے شاگرد تھے۔ احد اجلاء الاصحاب فی الحدیث والفقہ جیسا کہ نجاشی کی تعبیر ہے۔ آپ کی یہ کتاب شیعہ کی اہم کتب میں سے ہے اور حدیث میں اصول معتمدہ میں سے ہے، نجاشی نے فہرس میں اسے الزیارات سے تعبیر کیا اور شیخ نے رجال میں اسے جامع الزیارات سے تعبیر کیا ہے بقیہ کتب میں کامل الزیارات کہا ہے۔

آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں کہا ہے: **ولم اُخرج فيه حديثا اروى عن غيرهم اذا كان فيما روينا عنهم من حديثهم كفاية عن حديث غيرهم وقد علمنا انّا لا نحيط بجمع ما روى عنهم في هذا المعنى ولا في غيره ولكن ما وقع لنا من جهة الثقات من اصحابنا ولا اخرجت فيه حديثاً روى عن الشذاذ من الرجال يؤثر ذلك عنهم عن المذكورين غير المعروفين بالرواية المشهورين بالحديث و العلم۔**

اس عبارت سے یہ استظہار کیا گیا ہے کہ جن رواۃ سے آپ نے روایت کی ہے اس کتاب میں تا امام علیہ السلام وہ سب ثقہ ہیں آپ کے نزدیک۔ شیخ حر عاملی نے وسائل الشیعہ کے خاتمہ میں یہی موقف اختیار کیا ہے فائدہ سادسہ میں وہ فرماتے ہیں:

وقد شهد علی بن ابراهیم ایضًا بثبوت احادیث تفسیره و انها مرویّة عن الثقات عن الائمّة و کذلک جعفر بن محمد بن قولویه فانّه صرّح بما هوا بلغ من ذلک فی اوّل مزاره کہ علی بن ابراہیم نے شہادت دی کہ ان کی تفسیر میں احادیث ہیں وہ ثقہ افراد کے ذریعے معصوم سے ثابت ہیں اسی طرح ابن قولویہ نے مقدمہ کتاب الزیارات میں اس بارے واضح شہادت دی ہے۔

آقای خوئی نے بھی کہا: نحکم بوثاقة جمیع من وقع فی اسناد کامل الزیارات ایضًا فانّ جعفر بن قولویه قال فی اول کتاب...... فانک تری انّ هذه العبارة و اضحة الدلالة علی انّه لا یروی فی کتابه روایة عن المعصوم الاّ وقد وصلت الیه من جهة الثقات من اصحابنا رحمهم اللّٰه۔ آقای خوئی نے فرمایا: ہم کامل الزیارۃ کی اسناد میں واقع ہونے والے سب راویوں کو ثقہ سمجھتے ہیں چونکہ خود جعفر بن قولویہ نے اس کی شہادت دی ہے پھر آپ نے وہ عبارت نقل کی اور فرمایا کہ یہ عبارت واضح دلالت کرتی ہے کہ آپ نے اس کتاب میں معصوم سے روایت نہیں کی مگر وہ جو ثقہ افراد کے ذریعے آپ تک پہنچی، پھر آپ نے فرمایا: البتہ یہ حکم ان روایات کے بارے ہے کہ جو معارض سے مبتلا نہ ہوں۔

پھر فرماتے ہیں: ﴿انّ هذا الحکم انما هو فیما اذا لم یبتلی بالمعارض﴾۔ (معجم، ج ا، ص ۶۴) لیکن اس عبارت سے یہ استفادہ صحیح نہیں ہے۔

استاد جعفر سبحانی فرماتے ہیں: اس میں صحیح وہی ہے جو محدث نوری نے اختیار کیا ہے کہ ﴿انه نصّ علی توثیق کل من صدّر بهم﴾ لہذا ﴿احادیث کتابه لا کلّ من ورد فی اسناد الروایات﴾ یعنی یہ ان کے مشائخ کی توثیق پر دلالت کرتی ہے نہ کہ تمام رواۃ کی توثیق پر۔

اس لئے کہ آپ اپنے تمام مشائخ کے لئے کلمہ استرحام ادا کرتے ہیں جبکہ رواۃ میں فطحی وواقفی اور سُنّی راوی ہیں یہ شیخ اجل ان سب کے لئے کیسے کلمہ استرحام کہہ سکتے ہیں۔

آقای خوئی بھی بعد میں اپنی اس رائے سے منصرف ہوگئے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں: ولکن بعد ملاحظة روايات الكتاب و التفتيش في اسانيدها ظهر اشتماله على جملة وافرة من الروايات و لعلّها تربو على النصف لا تنطبق على الاوصاف الّتي ذكرها قدس في المقدمة، ففي الكتاب الشئ الكثير من الروايات المرسلة والمرفوعة المقطوعة والتي تنتهي الى غير المعصوم والتي وقع في اسنادها من هو من غير اصحابنا كما انه اشتمل على الكثير من روايات اناس مهملين لا ذكر لهم في كتب الرجال اصلاً بل و جماعة مشهورين بالضعف كالحسن بن علي بن ابي عثمان و محمد بن عبد الله بن مهران و اميّه بن علي القيسي وغيرهم و معلوم ان هذا كلّه لا ينسجم مع ما اخبر به في الديباجه...... لم يكن بدًّا من حمل العبارة على خلاف ظاهرها بارادة مشائخه خاصّةً و على هذا فلا مناص عن العدول عمّا بيّنّا عليه سابقاً والاستلزام باختصاص التوثيق بمشائخه بلا واسطه۔

لیکن اس کتاب کی روایات کے ملاحظہ اوراس کی اسانید میں غور وفکر کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس میں بہت سی روایات جو کہ نصف سے زیادہ ہیں اس وصف پر پوری نہیں اترتی جو مصنف نے مقدمہ میں فرمائی ہے، کتاب میں مرسل، مقطوع، غیر معصوم سے مروی غیر شیعہ رواۃ سے مروی مجہول و مہمل روا ۃ اور ضعیف رواۃ کی روایات

کثرت سے ہیں لہٰذا ہم نے جو نظریہ سابقاً اپنایا تھا وہ درست نہیں ہے اور اس سے مراد خلاف ظاہر لینا ہوگا کہ آپ کے مشائخ کی توثیق مراد ہے۔

جب حق یہ ہے کہ یہ عبارت آپ کے بلاواسطہ مشائخ کے ساتھ خاص ہے تو بہتر ہے کہ ان کے مشائخ ذکر کئے جائیں۔

آپ اکثر روایات اپنے والد محمد بن قولویہ سے نقل کرتے ہیں آپ کے والد مقبرہ شیخان قم میں مدفون ہیں ان کے بارے میں نجاشی نے کہا: ﴿کان ابوہ من خیار اصحاب سعد﴾ (علامہ امینی نے کہا یہ عمرو بن سعید المدائنی الساباطی ہیں۔ لیکن ظاہر یہ عمر بن سعد ہیں از مشائخ نصر (استاد سبحانی مدظلہ) و اصحاب سعد اکثرھم ثقات کعلیّ بن الحسین بن بابویہ (والد الصدوق) و محمد بن الحسن بن الولید (شیخ الصدوق) و حمزہ بن القاسم و محمد بن یحییٰ العطّار القمی۔ آپ اپنے بھائی ابوالحسین علی سے بھی روایت کرتے ہیں۔ محدث نوری نے آپ کے ۳۲ مشائخ بیان کئے ہیں:

(۱) آپ کے والد محمد بن قولویہ، (۲) ابو عبد الرحمٰن محمد بن احمد بن حصین الزعفرانی، (۳) ابو الفضل محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان الجعفی الکوفی المعروف بالصابونی، (۴) ثقۃ الاسلام کلینی، (۵) محمد بن الحسن بن الولید، (۶) محمد بن حسن بن علی بن مھزیار، (۷) ابوالعباس محمد بن جعفر الرزاز، (۸) محمد بن عبداللہ بن جعفر الحمیری القمی، (۹) حسن عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ، (۱۰) ابوالحسین علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ، (۱۱) اخوہ علی محمد بن قولویہ، (۱۲) ابوالقاسم جعفر بن محمد بن ابراہیم الموسوی العلوی، (۱۳) ابوعلی احمد بن علی بن مہدی بن صدقۃ الرقی، (۱۴) محمد بن عبدالمومن المؤدب القمی الثقہ صاحب النوادر، (۱۵) ابوالحسن علی بن حاتم بن ابی حاتم قزوینی، (۱۶) علی بن محمد بن

یعقوب بن اسحاق صیر فی، (۱۷) ابوالحسن علی بن الحسین سعد آبادی القمی، (۱۸) ابوعلی محمد بن سہیل الکاتب البغدادی، (۱۹) ابومحمد ھارون بن موسیٰ التلعکبر ی، (۲۰) قاسم بن محمد بن علی ھمدانی وکیل الناحیہ بھمدان، (۲۱) حسن بن زبرقان، (۲۲) ابوعبداللہ حسین بن محمد بن عامر بن عران بن ابی بکر الشعری قمی، (۲۳) ابوعلی احمد بن ادریس بن احمد الاشعری القمی، (۲۴) ابوعیسیٰ عبیداللہ بن فضل بن محمد بن ھلال الطائی البصر ی، (۲۵) حکیم بن داؤد بن حکیم، (۲۶) محمد بن حسین الجوہری، (۲۷) محمد بن احمد بن علی بن یعقوب، (۲۸) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یعقوب بن اسحاق بن عمار، (۲۹) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یعقوب، محمد نوری نے احتمال دیا ہے کہ یہ تینوں ایک ہی ہیں، (۳۰) ابو عبداللہ الحسین بن علی الزعفرانی، (۳۱) ابوالحسین احمد بن عبداللہ بن علی الناقد، (۳۲) ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن علی، (مستدرک الوسائل، ج ۳، ص ۵۲۳)

ما ورد فی اسناد تفسیر القمی

تفسیر قمی کے مقدمے میں آپ فرماتے ہیں: **نحن ذاکرون و مخبرون بما ینتھی الینا و رواہ مشائخنا و ثقاتنا عن الذین فرض اللّٰہ طاعتھم و اوجب رعایتھم ولا یقبل العمل الا بھم** ۔ کہ ہم اس کتاب میں وہ روایات ذکر کریں گے جو ہم تک ثقہ رواۃ کے ذریعے پہنچی ۔

و قال صاحب الوسائل: "قد شھد علی بن ابراھیم ایضا بثبوت احادیث تفسیرہ و انھا مرویّۃ عن الثقات عن الائمّۃ۔ صاحب وسائل نے کہا کہ علی بن ابراہیم نے بھی یہ گواہی دی ہے کہ ان کی تفسیر کی روایات ائمہ سے ثقہ افراد نے روایت کی ہیں۔

آقای خوئیؒ نے بھی کہا: یہ استفادہ صحیح ہے چونکہ علی بن ابراہیم اپنی تفسیر کی

وثاقت ثابت کرنا چاہتے تھے جو تمام رواۃ کی وثاقت کے بغیر ممکن نہیں صرف مشائخ کی وثاقت سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

ترجمة القمی

آپ علی بن ابراہیم بن ہاشم احد مشائخ الشیعہ فی اواخر القرن الثالث و اوائل القرن الرابع، آپ مشائخ کلینی میں تھے آپ عصر امام عسکری علیہ السلام میں تھے اور ۳۰۴ میں فوت ہوئے۔ آپ کی طرف منسوب یہ تفسیر روائی تفسیر ہے اور بعض دفعہ اپنی نظر میں اس میں ذکر کرتے ہیں: علی بن ابراہیم سے تفسیر کو ان کے تلمیذ ابوالفضل عباس بن محمد بن القاسم بن حمزۃ بن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام بیان کرتے ہیں لیکن اصول رجالیہ میں ان کا ذکر موجود نہیں ہے ہاں آپ کے والد محمد اعرابی اور جد قاسم کا ذکر ملتا ہے۔

ہاں عباس کا ذکر کتب انساب میں موجود ہے لیکن موجودہ مطبوعہ تفسیر قمی یہ تنہا علی بن ابراہیم کی نہیں ہے بلکہ مخلوط ہے اس سے جو آپ نے اپنے شاگرد عباس کو لکھوائی اور ابی الجارود سے روایت کی۔ ابوالجارود کے بارے میں نجاشی کہتے ہیں: زیاد بن المنذر ابو الجارود الهمدانی الخارفی الاعمیٰ...... کوفی کان من اصحاب ابی جعفر و روی عن ابی عبد اللّٰه و تغیّر لمّا خرج زید۔

شیخ نے رجال میں کہا: جارودیہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ ظاہراً پہلے یہ امامی تھا زید کے خروج کے بعد اس کی طرف مائل ہو کر زیدی ہو گیا، اور کشی نے اس کی مذمت میں روایات نقل کی ہیں لیکن صدوق کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب حق کی طرف لوٹ آیا تھا۔

بہر کیف جب تفسیر میں یہ تلفیق حاصل ہو گئی تو اس پر اعتماد مشکل ہو جائے گا

اور وہ شہادت جو مقدمہ میں ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں رہے گی۔ اس کے علاوہ بہت سے منصوص ضعفاء بھی اس کی اسناد میں واقع ہیں جیسے یہی ابو جارود، ابو جمیلہ مفضل بن صالح، علی بن حسان ھاشمی و عبد الرحمٰن عمہ، عمرو بن شمر، حسن بن علی بن ابی حمزہ بطائنی نیز سھل بن زیاد آدمی، نوفلی، معلّی بن خنیس، محمد بن فضیل، احمد بن السیاری، محمد بن سنان۔

نیز بہت سے مراسیل اور مقاطیع بھی وارد ہیں پس زیادہ سے زیادہ یہ توثیق ان کے مشائخ کو شامل ہو سکتی ہے چونکہ یہ چیز اس دور میں نقص شمار ہوتی تھی یعنی ضعیف سے بلاواسطہ نقل کرنا اور اس خاطر مصنفین اپنے دامن کو اس عیب سے بچانے کی خاطر کہتے تھے کہ ہم نے ثقات سے نقل کیا ہے کہ ہمارے مشائخ ثقہ ہیں لیکن بعد کے وسائط میں کسی ضعیف کے ہونے سے ان پر نقص وعیب وارد نہیں ہوتا تھا لہٰذا اس قسم کی توثیقات صرف ان کے مشائخ کو شامل ہوں گی **دون غیرھم**۔ (اور دوسرے رواۃ کو شامل نہیں ہوں گی)۔

اصحاب الصادق علیہ السلام

کہا گیا ہے کہ شیخ نے رجال میں جو اصحاب امام صادق علیہ السلام ذکر کئے ہیں وہ سب ثقہ ہیں شیخ مفید الارشاد میں فرماتے ہیں:

انّ اصحاب الحدیث قد جمعوا اصحاب الرواۃ عنہٗ من ثقات علی اختلافھم فی الایراد والمقالات فکانوا اربعۃ آلاف۔ علم حدیث والوں نے امام صادق - کے اصحاب کی تعداد چار ہزار لکھی ہے ان کے مختلف مذاہب و نظریات کے ساتھ۔

شیخ حر عاملی فرماتے ہیں: **ولو قیل بتوثیقہ (خلید بن اوفی الشافی) و توثیق جمیع اصحاب الصادق علیہ السلام الاّ من ثبت ضعفہ لم یکن**

بعیدا لانّ المفید فی الارشاد وابن شهر آشوب فی معالم العلماء والطبرسی فی اعلام الوریٰ قد وثقوا اربعة الآف من اصحاب الصادق علیه السلام والموجود فی کتب الرجال و الحدیث لا یبلغون ثلاثة آلاف و ذکر العلامة وغیره انّ ابن عقدة جمع اربعة آلاف المذکورین فی کتب الرجال۔(امل الآمل، ج ۱) شیخ حر عاملی کہتے ہیں: اگر خلید بن اوفی اور تمام اصحاب امام صادق علیہ السلام کی توثیق کا کہہ دیں تو بعید نہیں ہے کیونکہ شیخ مفید، ابن شہر آشوب اور طبری نے امامؑ کے چار ہزار اصحاب کو ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ کتب رجال میں امامؑ کے اصحاب تین ہزار تک ملتے ہیں، ہاں علامہ کے بقول ابن عقدہ نے حضرت کے چار ہزار اصحاب کے اسماء جمع کئے ہیں۔

شیخ طوسی ونجاشی نے ان رجال کی وثاقت کی بات نہیں کی۔ یہ شہادت خود شیخ مفید کی طرف سے ہے، شیخ طبری نے اعلام الوریٰ میں یہی بات کی ہے جبکہ محقق نے معتبر میں علامہ نے خلاصہ قسم ثانی میں ترجمہ ابن عقدہ میں تعداد چار ہزار رجال کی بات کی ہے لیکن ان کی وثاقت کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ نوری نے خاتمہ مستدرک فائدہ ثامنہ میں ان سب اعلام کی عبارات کو ذکر کیا ہے۔

آقای خوئی فرماتے ہیں: یہ دعویٰ نا قابل تصدیق ہے کیونکہ اگر یہ مراد ہو کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب چار ہزار افراد تھے اور وہ سب ثقہ تھے تو یہ دعویٰ تو بالکل اسی کے مشابہ ہے جو کہا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب صحابہ عادل تھے۔ جبکہ اصحاب صادق علیہ السلام میں سے کتنے ہیں جن کی تضعیف کی گئی ہے، ابو جعفر دوانیقی کو امام کے اصحاب میں سے شمار کیا گیا ہے کیا اس کی وثاقت کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب اس سے کہیں زیادہ تھے ان

میں سے ثقہ چار ہزار افراد تھے لیکن یہ بھی نا قابل تصدیق ہے اور شیخ نے رجال میں چار ہزار تو ذکر نہیں کئے تین ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔ (معجم رجال حدیث، ج ا،ص ا ۷)

اور یہ ثابت نہیں کہ شیخ مفید انہی چار ہزار افراد کی طرف ناظر تھے جو ابن عقدہ نے ذکر کئے کیونکہ اور بھی مجموعہ رجالیہ موجود تھے اور شیخ نے کہا ہے کہ میں نے رجال میں وہ سب جمع کئے جو ابن عقدہ نے جمع کئے اور کچھ اضافات بھی کئے حالانکہ اس کے باوجود تین ہزار پچاس سے زیادہ جمع نہیں کر سکے بہر کیف یہ بات خلاف واقع ہے اور سب اصحاب صادق علیہ السلام کو ثقہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

۸۔ شیخوخۃ الاجازۃ

بعض مشائخ اجازہ جو کسی اصل یا روایت کا اجازہ دیتے ہیں کتب رجال میں موصوف بالوثاقۃ نہیں ہوتے۔ آیا ثقہ کا ان سے استجازہ ان کے ثقہ ہونے کی علامت ہے یا نہیں؟

وحید بہبھانی نے یہ کہا ہے کہ امارات وثاقت ومدح وقوۃ میں سے کسی شخص کا مشائخ اجازہ میں سے ہونا ہے: **قال والمتعارف عدّة من اسباب الحسن و ربما يظهر من جدّى دلالة على الوثاقة وكذا من المصنف في ترجمة الحسن بن على بن زياد (تعليقة الوحيد البهبهاني على منهج المقال).**

شہید ثانی نے بھی ایسا کہا ہے کما سبق

شیخ تستری نے اس بارے میں مفصل گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

كما انّ ما اشتهر عندهم من غناء مشائخ الاجازة عن التوثيق ايضًا كلام من غير تحقيق و ممّا يوضح عدم صحته اجمالا انّ الشيخ صرّح بكون الحسن بن محمد بن اخى طاهر اجاز التلعكبرى مع انّ

النجاشی قال انّہ روی عن المجاهیل احادیث منکرة رایت اصحابنا یضعّفونہ وابن الغضائری قال کان کذابا یضع الحدیث مجاهرة و یدّعی رجالاً غرباء لا یعرفون و یعتمد مجاهیل لا یذکرون و تحقیق الکلام و تفصیلہ ان یقال انّ الشیخ الاجازة امّا یجیز کتاب نفسہ و فیہ یشترط ثبوت وثاقتہ کغیرہ من الرواة مطلقاً الاّ ان یکون جمیع احادیث کتبہ مطابقا لاحادیث کتاب معتبر فیکون احادیثہ مقبولة و ان کان فی نفسہ ضعیفا و لذا قال الصدوق فی محمد بن اورمة المطعون فیہ بالغلّو انّ ما فی کتبہ ممّا یوجد فی کتب الحسین بن سعید و غیرہ فانّہ یعتمد علیہ و یفتی بہ و کلّ ما تفرّد بہ لم یجز العمل علیہ و لا یعتمد و امّا یجیز کتاب غیرہ فان اجاز ما یکون نسبتہ الی مصنفہ مقطوعة کاجازة الکافی و سائر الکتب الاربعة و ما یکون نظیرها فلا احتیاج فی مثلہ الی التوثیق لانّ المراد مجرد اتصال السند لا تحصیل العلم بنسبتہ الی مصنّفہ و ان اجاز ما لا تکون نسبتہ مقطوعة یحتاج ایضًا جواز العمل بما اجازہ الی توثیق کسائر الرواة و لذا قال ابن الولید کتب یونس بن عبد الرحمٰن التی هی بالروایات کلّها صحیحة معتمدة علیها الاّ ما ینفرد بہ محمد بن عیسیٰ و لم یروہ غیرہ فانہ لا یعتمد علیہ و لا یفتی بہ. الخ . (قاموس الرجال، ج ۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

علم الرجال

تعریف علم الرجال

۱) علم الرجال علم يبحث فيه عن احوال الرواة من حيث اتصافهم بشرائط قبول رواياتهم و عدمه.

۲) او هو علم يبحث فيه عن احوال رواة الحديث التي لها دخل في قبول قولهم و عدمه.

اصل مقصد رواۃ کے عدول و غیر عدول، ثقہ و غیر ثقہ، ممدوح و غیر ممدوح، مہمل و مجہول ہونے کا کشف ہے اور ان کے مشائخ و تلامیذ و طبقات وغیرہ کا کشف ہے۔

موضوعِ علم رجال

موضوعِ علمِ رجال وہ رواۃِ حدیث ہیں جو روایات کی اسناد میں واقع ہیں اور موضوع کو عارض ہونے والے ایسے حالات جو روایت کی قبولیت یا ردّ میں دخالت رکھتے ہوں۔ لیکن دوسرے احوال جیسے شاعر و تاجر وغیرہ ہونا یہ اس علم سے خارج ہیں۔

مسائل علم رجال

اس علم میں بحث احوالِ رواۃ سے ہوتی ہے۔

س: پس یہ جزئیات ہیں جبکہ مسائل علم کلی ہوتے ہیں؟

ج: اوّلاً: راوی کے حالات جان کر اس کے بارے کلی حکم لگایا جائے گا مثلاً زرارۃ کے حالات سے یہ حکم لگائیں کہ زرارۃ جو روایات بیان کریں گے وہ ان کے لحاظ سے حجت ہوں گی۔ پس بحث یہ ہوگی کہ کلّ ما یرویه زرارة حجة ام لا و هکذا...۔

ثانیاً: اصل جواب یہی ہے کہ یہ کس نے کہا کہ علم کے مسائل کا کلی ہونا لازمی شرط ہے۔ علوم کے مسائل جزئی بھی ہو سکتے ہیں جیسے جغرافیہ و ہیئت کے مسائل ہیں۔ علم میں اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ ہدف و غرض کے طریق میں واقع ہو سکے کلی ہو یا جزئی۔

علم التراجم وعلم الرجال میں فرق

علم التراجم احوالِ شخصیات و علماء سے بحث کرتا ہے چاہے وہ رواۃ ہوں یا نہ ہوں جبکہ علم الرجال احوالِ رواۃ سے بحث کرتا ہے۔ ہاں! اگر راوی عالم ہوتو علم التراجم والرجال دونوں جمع ہو جائیں گے لیکن حیثیتِ بحث الگ الگ ہوگی۔ سند روایت میں واقع ہونے اور اس کی روایت کی قبولیت و ردّ میں دخیل احوال سے بحث علمِ رجال میں ہوگی اور ان کے علم و شخصیت سے بحث دوسری حیثیت ہے۔

علم الرجال وعلم الدرایۃ میں فرق

یہ دونوں علم حدیث ہی کے بارے بحث کرتے ہیں۔ پہلا سندِ حدیث کے بارے اور دوسرا متن حدیث کے بارے، یعنی پہلے میں موضوع محدّث ہے اور غرض اس کی وثاقت و ضعف اور مقدارِ ضبط کو جاننا ہے اور موضوعِ دوم حدیث ہے اور غرض اس کی اقسام و عوارض کو جاننا ہے۔ مشائخِ ثقات اور ان کی وثاقت وغیرہ سے بحث علم الدرایۃ میں ذکر کرتے ہیں لیکن یہ درحقیقت علم الرجال کے مسائل ہیں۔

الحاجة إلى علم الرجال

اس مورد میں درج ذیل امور مدنظر ہیں:

۱۔ حجیتِ خبر ثقہ

۲۔ روایات میں صفات راوی کی طرف رجوع کا حکم ہے

۳۔ اسنادِ روایات میں وضاعین و مدلسین کی موجودگی

خبر ثقہ و خبر عدل کی تشخیص علم الرجال سے ہوگی۔ خبر موثوق الصدور اگر حجت ہو تب بھی اس علم کی ضرورت ہوگی۔ یہ قرائن اسی سے مستفاد ہوں گے۔

توضیح

کسی حدیث سے استدلال تین امور پر موقوف ہے:

۱. اصالة الظهور: یعنی حدیث ''مرويٌ ظاهرٌ في المراد'' ہو، یہ مباحث علم اصول فقہ میں سے ہے۔

۲. اصالة حجية الظهور: یعنی حدیث بغیر کسی مانع کے حالتِ تشریع میں وارد ہو، جیسے تقیہ، اسے علم فقہ مقارن بیان کرتا ہے۔

۳. اصالة الصدور: حدیث ''معصوم علیہ السلام سے صادر ہو نہ کہ موضوع و منسوب ہو، یہ معرفتِ احوالِ رواۃ پر موقوف ہے جسے علم الرجال بیان کرتا ہے۔

احادیث میں کذب

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّا اَهْلُ بَيْتٍ صَادِقُونَ لا نَخْلُو مِنْ كَذَّابٍ يَكْذِبُ عَلَيْنَا وَ يُسْقِطُ صِدْقَنَا بِكَذِبِهِ عَلَيْنَا عِنْدَ النَّاسِ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ(ص)

اَصْدَقَ الْبَرِيَّةِ لَهْجَةً وَ كَانَ مُسَيْلَمَةُ يَكْذِبُ عَلَيْهِ وَ كَانَ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام اَصْدَقَ مَنْ بَرَءَ اللّٰهُ مِن بَعْدِ رَسُولِ اللّٰه (ص) وَ كَانَ الَّذِي يَكْذِبُ عَلَيْهِ وَ يَعْمَلُ فِي تَكْذِيْبِ صِدْقِهِ بِمَا يَفْتَرِي عَلَيْهِ مِنَ الْكِذْبِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ سَبَاءٍ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَ كَانَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عليه السلام قَدِ ابْتُلِيَ بِالْمُخْتَارِ ثُمَّ ذَكَرَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ عليه السلام الْحَارِثَ الشَّامِيَّ وَ بيان فَقَالَ كَانَا يَكْذِبَانِ عَلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عليه السلام ثُمَّ ذَكَرَ الْمُغِيْرَةَ بْنَ سَعِيْدٍ وَ بَزِيْعًا وَ السَّرِيَّ وَ اَبَا الْخَطَّابِ وَ مَعْمَرًا وَ بَشَّارًا الاَشْعَرِيَّ وَ حَمْزَةَ الْبَرْبَرِيَّ وَ صَائِدَ النَّهْدِيَّ فَقَالَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ.

ترجمہ: ہم اہل بیت سچے ہیں لیکن ہم پر جھوٹ بولنے والوں کی کمی نہیں رہی جو اپنے جھوٹ کے ذریعے ہماری سچائی کو لوگوں کی نظروں میں گراتے رہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ صادق ترین فرد تھے لیکن مسلمہ کذاب ان پر جھوٹ باندھتا تھا، اسی طرح ہر امام ایسے افراد سے مبتلا رہا۔۔۔

(رجال الكشي، ص ۳۰۵، ما روى في محمد بن ابي زينب)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس علم کی حاجت کس قدر زیادہ ہے۔ بعض قائل ہیں کہ علم الرجال کی ضرورت نہیں ہے یا تو اس لئے کہ حجیت روایت کا معیار عمل مشہور ہے۔ اگر مشہور کسی روایت پر نہ کریں تو وہ حجت نہیں ہے اس کے راوی ثقہ ہوں یا نہ ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سے مسائل میں مسلک مشہور معلوم نہیں ہو سکتا اور بہت سے مسائل میں شہرت محقق نہیں ہوئی و ہکذا ...۔ اخباری تمام ان احادیث کو

قطعی الصدور مانتے ہیں جو کتب اربعہ میں ہیں۔آ قائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں ان وجوہ کوذکر کیا ہے جوانہوں نے بیان کیں اوران کا جواب دیا ہے۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ عدالت راوی ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے چونکہ اصحاب کتب رجالیہ نے بھی دوسری کتب سے ان کی عدالت کولیا ہے۔لہٰذا ان کی شہادت حسی تو نہیں ہے۔

علامہ مامقانی نے کہا: تزکیہ راوی شہادت نہیں ہے کہ اس میں شرائط شہادت معتبر ہوں بلکہ مقصد تثبت وظن اطمینانی کی تحصیل ہے۔تا کہ قرائن وشواہد تحصیل ہوسکیں کہ صدقِ راوی وصدور روایت پر علم الرجال کی توثیقات کس طرح سے ہیں۔

(۱)وحید بہبہانی سے تعلیقہ میں (**المنهج المقال**) ظاہر ہے کہ از باب اجتہاد ہے فرمایا: **و الظاهر انه من اجتهاد هم او من باب الرواية كما هو المشهور**.

(۲)**إنه من باب الشهادة** ،انہوں نے اختلاف کیا کہ آیا ایک شاہد کی توثیق کافی ہے یا کم ازکم دونفر توثیق کریں۔مشہور قول اول ہے جیسا کہ شیخ طوسی وعلامہ قائل ہیں۔

لیکن یہ نظریہ درست نہیں چونکہ توثیقات اخبار ہیں احوالِ رواۃ سے لہٰذا اس میں خبر واحد کافی ہے۔

صاحب منتقی المقال نے کہا: **الاقوى عندي عدم الإكتفاء في تزكية الراوي شهادة العدل الواحد**،یعنی ایک عادل گواہ کی طرف سے توثیق کافی نہیں ہے بلکہ دو عادل ضروری ہیں (ج ۱،ص ۱۶)۔لیکن اس کا جواب روشن ہے کہ شہادۃِ عدلین وخبر واحد دونوں حجت ہیں اور شرعا قائم مقامِ علم ہیں۔

(۳)ازباب اخبار ہیں اوران کی حجیت کی دلیل وہی ادلہ ہیں جو خبر واحد کی حجیت پر قائم ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں چونکہ اس میں حتمی ہونا شرط ہے۔ جو ان میں محقق نہیں۔ توثیقات و تضعیفات رجالیہ جو شیخ طوسی ونجاشی تک پہنچیں حتمی نہیں تھیں بلکہ غالبا روایات صحیحہ کے ذریعے پہنچیں۔ نیز یہ بزرگان محدثین وعلماء سے مربط تھے لہٰذا رواۃ کے بارے اخبار انہیں ان کے مشائخ کے ذریعے پہنچیں نیز قرائن بھی ہمراہ تھے۔

ہاں ابن الغضائری توثیق وتضعیف میں اپنے اظہار سے کام لیتے تھے اسی وجہ سے متہم ہو گئے۔ لیکن متقدمین جنہوں نے توثیقات وتضعیفات ذکر کیں:

اوّلا:۔ انہوں نے ان کتب کی طرف رجوع کیا جو ان کے پاس تھیں اوران کتب کی نسبت مصنفین کی طرف ثابت تھی۔

ثانیًا:۔ سماع عن ثقة، یعنی انہوں نے ثقہ افراد سے خود سنا۔

ثالثًا:۔ اعتماد علی استفاضة بين الاصحاب، یعنی اصحاب کے درمیان معروف ومشہور تھا۔

علم رجال کی بنیادی واساسی کتابیں

الاصول الرجالية الثمانية

۱. رجال ابن الغضائری ۲. رجال الكشي

۳. فهرس النجاشي ۴. رجال الشيخ و فهرسه

۵. رجال البرقي ۶. رسالة ابي غالب الرازی

۷. مشيخة الصدوق ۸. مشيخة الطوسي

اصول کتب رجالی چار ہیں:

۱۔ رجالِ کشی ۲۔ رجالِ نجاشی

۳۔ رجالِ شیخ طوسی ۴۔فہرستِ شیخ طوسی

بعض اصولِ کتب رجالی پانچ شمار کرتے ہوئے انہوں نے رسالہ ابی رازی کا اضافہ کیا ہے۔البتہ ان اصولوں سے پہلے بھی کتب لکھی گئی ہیں جیسے:

۱۔شیخ صدوق، ابو جعفر محمد بن علي (۳۸۱ھ)،نجاشی نے ان کی المصابیح کا تذکرہ کیا ہے جوکہ اسماء رواۃ عن النبي و الآئمة علیہم السلام پر مشتمل ہے۔مشیخہ شیخ صدوق جو آپ نے اپنے مشائخ کے ذکر کے بارے لکھی ہے۔ ۲۰۰ شیخ سے زائد پر مشتمل ہے اور من لا یحضرہ الفقیہ کے آخر میں چھپی ہے۔

۲۔الشیخ ابو عبد اللّٰہ احمد بن عبد الواحد البزار معروف به ابن عُبْدون (م۴۲۳)۔یہ مشائخ شیخ طوسی ونجاشی میں سے تھے۔ان کی کتاب الفھرس تھی جس کی طرف اشارہ شیخ طوسی نے الفہرس میں ترجمہ ابراھیم بن محمد بن سعید الثقفی میں کیا۔

۳۔الشیخ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید المعروف ابن عُقدۃ (م۲۴۹ج۔ت۳۳۳ج)۔ان کی کتاب الرجال ہے۔اس میں ممن روی عن الإمام جعفر الصادق علیہ السلام کے اسماء ہیں۔دوسری کتاب میں بقیہ رواۃ کا ذکر ہے جنہوں نے امام صادق علیہ السلام سے سابق آئمہ علیہم السلام سے روایت کی۔

۴۔احمد بن علي العلوی العقیقي (م۲۸۰ج) له کتاب تاریخ الرجال۔

۵۔احمد بن محمد الجوهري(۴۰۱م) له کتاب الاشتمال في معرفة الرجال۔

۶۔الشیخ ابو العباس احمد بن محمد بن نوح ،له رجال الذین

رووا عن ابي عبد الله علیہ السلام

۷۔ احمد بن محمد القمي (م۳۵۰ ج)له كتاب الطبقات۔

۸۔ احمد بن محمد الكوفي ،نجاشی نے ان کی کتاب الممدوحين و المذمومين ذکر کی گئی ہے۔

۹۔ حسن بن محبوب السرّاد یا زارد (م۱۴۹ وت۲۲۴ ج) روى عن ستين رجلا من اصحاب الصادق علیہ السلام و له كتاب المشيخة و معرفة رواة الاخبار۔

۱۰۔ فضل بن شاذان (م بعد۲۵۴ وقبل ۲۶۰)، اصحاب امام رضا و امام ہادی علیہما السلام میں سے تھے۔ ان کے رجال کی طرف اشارہ علامہ نے محمد بن سنان کے حالات میں کیا ہے۔ (الخلاصة)

اصولِ رجالِ تاریخی تسلسل کے ساتھ اس ترتیب پر ہیں:

۱۔ الرجال لابی جعفر احمد بن ابی عبد الله البرقی (۲۷۴ھج)

۲۔ رجال الکشی : اختیار معرفة الناقلین لابی عمرو الکشی (۳۲۹ ھج)

۳۔ رجال ابن الغضائري لابي الحسين الغضائری (رمز غض، ۴۱۱ھ)

۴۔ رجال النجاشي : فهرست مصنفات الشيعة لابی العباس النجاشي (رمز جش) ۴۵۰ ھج

۵۔ رجال الطوسی : الابواب لابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی (رمزجح، ۴۶۰ ھج)

٦۔ الفهرست لابي جعفر محمد بن الحسن الطوسي (رمز ست)

۱۔ رجال البرقی

احمد بن ابی عبداللہ البرقی (۲۸۰ ج)، نجاشی نے کہا:

ابو جعفر اصله كوفي و كان جده محمد بن علي حبسه يوسف بن عمر بعد قتل زيد ثم قتله و كان خالد صغير السنّ فهرب مع ابيه عبد الرحمن إلي برق (قم) و كان ثقة في نفسه، يروى عن الضعفاء و يعتمد المراسيل و صنّف كتبا منها المحاسن ..... و توفي احمد بن ابى عبد الله البرقي في سنة اربع و سبعين و مائتين. (رجال النجاشی)

ابوجعفر کوفی الاصل تھے۔ آپ کے دادا محمد بن علی کو یوسف بن عمر نے زید شہید کے قتل کے بعد قید کرلیا۔ پھر قتل کردیا۔ آپ اپنے باپ کے ساتھ قم کی بستی "برق" کی طرف چلے آئے۔ آپ خود ثقہ تھے لیکن ضعفاء سے روایت کرتے اور مراسیل پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی۔ ان میں سے ایک محاسن ہے۔ آپ کی وفات ۲۷۴ھ میں ہوئی۔

آقائے خوئی نے ان کی کتاب کو اصول خمسہ رجالیہ میں سے شمار کیا ہے۔

(معجم رجال الحدیث، جلد ۱، صفحہ ۱۱۳)

رجال البرقی کے بارے اختلاف ہے کہ آیا ان کی کتاب ہے یا باپ یعنی عبداللہ بن احمد البرقی کی جو کہ شیخ تھے کلینی کے یا احمد بن عبد اللہ البرقی کی جو کہ شیخ صدوق کے شیخ تھے۔ محقق تستری نے قاموس الرجال میں اس آخری وجہ کا استظہار کیا

ہے، وہ فرماتے ہیں:

لابی عبد اللّٰہ البرقي و قال بعضهم إنه لابيه محمد بن خالد البرقي و كلاهما و هم و كيف يمكن ان يكون لهما و قد استند في كثير من رجاله إلى كتاب سعد بن عبداللّٰہ بن جعفر الحميري و صرّح بسماعه منه فيكون شيخه مع ان عبد اللّٰہ كسعد تلميذ احمد الابن و عنون احمد بن ابی عبد اللّٰہ فيه و لم يذكر انه مصنف الكتاب كما هو القاعدة فيمن يذكر نفسه في كتابه كما فعل الشيخ و النجاشي في فهرستيها و العلامة و ابی داؤد في كتابيهما و عنون محمدا البرقي و لم يشر انه ابوه و الذی يعلم من ملاحظة الطبقة انه لعبد اللّٰہ بن احمد البرقي الذی يروی عنه الكليني او احمد بن عبد اللّٰہ البرقي الذی يروی عنه الصدوق و الثاني اقرب.

(قاموس الرجال، ج۶، ص ۳۱)

بعض نے کہا ہے یہ احمد بن ابی عبداللہ کی کتاب ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ ان کے باپ محمد بن خالد البرقی کی کتاب ہے۔ یہ دونوں قول غلط ہیں۔ یہ ان دونوں کی نہیں ہوسکتی اس لیے کہ اس کتاب میں "کتاب سعد بن عبداللہ حمیری" سے بہت نقل کیا گیا ہے اور ان سے سماع کی تصریح کی ہے۔

گویا وہ مصنف کے شیخ تھے جبکہ عبداللہ اور سعد بن عبداللہ حمیری دونوں احمد یعنی بیٹے کے شاگرد تھے۔ دوسرا یہ کہ مصنف نے اس کتاب میں احمد بن

عبد اللہ کا ذکر کیا ہے اور یہ نہیں لکھا کہ یہی اس کتاب کے مصنف ہیں۔
جبکہ مصنفین کا طریقہ یہی ہے کہ اگر وہ اپنی کتاب میں اپنا تذکرہ کریں تو
لکھتے ہیں کہ وہ مصنف ہیں۔ نیز آپ نے محمد البرقی کو ذکر کیا لیکن یہ نہیں
لکھا کہ یہ میرے والد ہیں۔ طبقہ کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب
عبد اللہ بن احمد البرقی کی ہے یا احمد بن عبد اللہ البرقی کی ہے اور یہی دوسرا
احتمال اقرب ہے۔

نجاشی و شیخ طوسیؒ نے تصریح کی ہے کہ برقی (باپ) کی کتاب رجال میں ہے طبقات کے نام سے لہٰذا یہ باپ کی کتاب ہے جس میں سعد نے اضافہ کیا جو کہ بیٹے نے باپ سے روایت کی۔ یہ احتمال قوی ہے۔ اس کتاب میں ۱۴۵۱ رواۃ کے نام ہیں، کسی کتاب کی طرف اسناد نہیں ہے صرف مجرد اسماءِ رواۃ ہیں بغیر کسی توثیق و تضعیف کے۔ صرف تین موارد میں ایسا ہے:

۱۔ سلمان بن خالد البجلي الاقطع كوفي كان خرج مع زيد بن علي فافلت و في كتاب سعد انه خرج مع زيد فافلت فمنَّ الله عليه و تاب و رجع بعده.

۲۔ هشام بن الحكم مولى بني شيبان كوفي تحول من بغداد إلى الكوفة و كنيته ابو محمد و في كتاب سعد له كتاب و كان في غلمان ابي شاكر الزنديق جسمي اروىّ.

۳۔ داؤد بن ابي زيد داؤد بن بنودر و يكنّى بابي سليمان.... معروف بصدق اللهجة.

اس رجال برقی میں خود برقی کی طرف سے ہی ایک مورد ہے جس میں مدح

وارد ہوئی ہے۔لہذا اسے اصولِ رجالیہ میں شامل کرنے یا نہ کرنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

(۲) اختیار الرجال

یہ شیخ طوسیؒ نے رجالِ کشی کی تلخیص کی ہے جو کہ **معرفة الناقلين عن الآئمة الصادقين لابی عمرو محمد بن عمر بن عبد العزيز الكشی** (۳۶۷) تھی۔کشی خود ثقہ عین تھے لیکن ضعفاء سے روایت کرتے تھے۔کش بخارا میں ایک شہر ہے آج کل اسے شہر سبز کہتے ہیں۔شیخ طوسی نے احمد بن داؤد فزاری کے ترجمہ میں ان کی کتاب کا نام معرفۃ الرجال لکھا ہے اور اوپر جو نام ذکر ہوا ہے وہ صرف ابن شہر آشوب نے لکھا ہے۔

اور کتاب ''اختیار الرجال''، اسے علامہ نے **احد الاصول الاربعة** کہا ہے کہ شیخ طوسی نے ۴۵۶ ھ میں اسے تہذیب و تلخیص کیا۔جبکہ اصل رجال کشی معلوم نہیں ہے۔آیا صرف اغلاط نکالی گئی یا تلخیص بھی ہوئی ؟ابوعلی حائری نے منتہی المقال میں کہا رجال کشی رجال عامہ پر بھی مشتمل تھی شیخ نے اس طرح کے اضافے نکال کر اسے مہذب کیا۔

(۳) کتاب الرجال لابن الغضائری (۴۱۱ھ)

مؤلف: ابوعبداللہ حسین بن عبید اللہ الغضائری الواسطی ،مؤلف میں اختلاف ہے کہ آیا حسین مؤلف ہے یا ان کا بیٹا احمد مؤلف ہے۔شیخ طوسی نے مقدمۃ الفہرس میں بیٹے کا ذکر کیا ہے اور ان کی دو کتابیں ذکر کی ہیں لیکن ان کے استنساخ سے پہلے وہ ضائع ہوگئیں۔

نجاشی نے احمد بن الحسین الصیقل کے ترجمہ میں بیٹے کا تذکرہ کیا ہے فرمایا:

لہ کتب لا یعرف منھا إلا النوادر قراته انا و احمد بن الحسین علی ابیہ

اور ترجمہ علی بن محمد بن شیران میں فرمایا: **کنا نجتمع معہ عند احمد بن الحسین۔**
اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شیخ نجاشی تھے لیکن اس کے باوجود نجاشی نے انہیں عنوان نہیں کیا۔(ان کا نام اپنی کتاب میں نہیں لیا)۔

کتاب:

سب سے پہلے ابن طاؤس (۶۷۳-۲ ھ) نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ان کی کتاب **حل الإشکال في معرفة الرجال** تھی جس میں انہوں نے کتب خمسۃ رجالیۃ (**رجال طوسی، فھرستہ، اختیار الکشي، فھرس النجاشي** اور کتاب **الضعفاء لابن الغضائری**) سے نقل کیا۔علامہ و ابن داؤد نے وہی درج کیا جو ان کے استاد سید ابن طاؤس نے درج کیا تھا۔پھر ان سے متاخرین فقہاء انہی دونوں سے نقل کرتے ہیں اور ابن غضائری کی کتاب متاخرین سے منقطع ہوگئی صرف وہی جو سید ابن طاؤس نے الضعفاء سے نقل کیا تھا وہی معلوم ہو سکا۔شہید ثانی کے پاس **حل الإشکال** کا نسخہ بخطِ مؤلف موجود تھا جو ان کے بیٹے صاحب معالم کی طرف منتقل ہوئی انہوں نے اس سے تحریر طاؤوسی کا استخراج کیا۔پھر حل الاشکال کا وہی نسخہ مولی عبد اللہ بن حسین تستری کے ہاتھ لگا۔اس سے انہوں نے کتاب الضعفاء کی عبارات نکال کر الگ کرلیں پھر ان کے شاگرد عنایۃ اللہ قہپائی نے اسے اپنی کتاب مجمع الرجال میں مندرج کیا جس میں اصول رجال خمسہ مجموع ہیں۔

شہید ثانی کے نزدیک یہ کتاب خود غضائری کی تصنیف ہے جو کہ حسین بن عبید اللہ ہیں نہ کہ بیٹے کی ہے جو احمد بن الحسین ہیں لیکن استاد جعفر سبحانی نے ترجیح دی کہ یہ بیٹے کی تصنیف ہے نہ کہ والد کی چونکہ والد کا نام شیخ طوسی ذکر کرتے ہیں لیکن ان

کی کتاب رجال کا تذکرہ نہیں کرتے ۔نیز اس کتاب پر سب سے پہلے سید ابن طاؤس واقف ہوئے ۔انہوں نے اس کے بیٹے کی طرف نسبت دی ہے ۔احمد بن الحسین کی دو کتابیں شیخ نے ذکر کیں جن کا استنساخ نہیں ہو سکا ۔ایک کتاب الممدوحین تھی جو ہم تک نہیں پہنچ سکی اور دوسری کتاب الضعفاء تھی ۔

کیا کتاب قابل اعتماد ہے تضعیفات میں؟

اس بارے اقوال مختلف ہیں ۔ظاہراً غضائری تضعیف کیلئے قرائن قطعیہ کے بجائے اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر اس بارے اکثر علماء اعتماد نہیں کرتے ،مثلاً محمد بن اورمہ کو شیخ ونجاشی نے تضعیف کیا ہے لیکن غضائری نے اس کی توثیق کی ہے یہ کہتے ہوئے کہ میں نے اس کی کتب اور روایات میں نظر کی ہے کوئی قابل اشکال بات نظر نہیں آئی ۔بعض دفعہ اجلاّء کی تضعیف کرتے ،مثلاً احمد بن مہران کو ضعیف کہا جبکہ کلینی ان سے بلاواسطہ نقل کرتے ہیں اور ان پر ترحم (رحمہ اللہ) کہتے ہیں ۔محقق داماد نے کہا: **قلّ ان یسلم احد من جرحه او ینجو ثقة من قدحه**،ان کی جرح سے کوئی کم ہی بچ سکا (سماء المقال :ص ۲۲)

(۴) رجال النجاشی

ابو العباس احمد بن علی بن احمد النجاشی (ت ۴۵۰ھ)، مصنف نے اسے فہرست کتب الشیعۃ کا نام دیا ہے ۔نجاشی فن رجال کے نقاد تھے اور اجلاّء واعیان میں سے تھے ۔موردِ اعتماد تھے جیسا کہ محقق نے معتبر میں **غسالہ ماء الحمام** کے بارے بحث میں کہا: **و ابن جمهور ضعیف جدا ذکر ذلک النجاشی فی کتاب الرجال**،یعنی ابن جمہور انتہائی ضعیف ہیں یہ بات نجاشی نے کتاب الرجال میں کہی ہے ۔

معروف یہ ہے کہ آپ اضبط و اثبت علماءِ رجال تھے حتی کہ شیخ و علامہ سے اس فن کے بارے آپ کی معلومات بہت وسیع تھیں ۔ چونکہ آپ کا فن رجال کے جاننے والوں سے بہت ساتھ رہا جیسے احمد بن الحسین الغضائری شیخ احمد بن علی بن عباس بن نوح السیرافی ، احمد بن محمد ابن الجندی ، ابن ابی قرة الکاتب وغیرھم ۔ آپ نے یہ فہرست' شیخ کی فہرست کے بعد تالیف کی ۔ مرحوم بروجردی معتقد تھے کہ فہرست نجاشی شیخ طوسیؒ کی فہرست کے لاحقے کی مانند ہے ۔

نجاشی نے یہ فہرست سید شریف (سید مرتضیٰ علم الہدیٰ) کے طلب کرنے پر لکھی اور حروف معجم کی ترتیب پر ہے ۔ آپ نے متقدمین کے ذکر پر اقتصار کیا ہے ۔ معاصرین و متاخرین کو معترض نہیں ہوئے ۔ قہپائی نے تصریح کی ہے کہ آپ کی مراد سید شریف سے سید مرتضیٰ ہیں اور نجاشی نے ان کا ذکر کے اطال اللّٰہ بقائہ کہا ہے اس کا مطلب ہے وہ اس وقت تک زندہ تھے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب ۴۳۶ ج سے پہلے لکھی گئی ہے جو کہ سید مرتضیٰ کی تاریخ وفات ہے ۔

صدوق ابن بابویہ کے ترجمہ میں آپ نے یہ تصریح کی کہ آپ نے اسے شیخ کی الفہرس کے بعد لکھا ہے کیونکہ اس میں کہا دعائم الإسلام مذکور في فهرست الشیخ الطوسي اور خود شیخ طوسی کے ترجمہ میں ان کی فہرست کا تذکرہ کیا ہے ۔

نجاشی نے بعض رواۃ کو دوسرے رواۃ کے ذیل میں ذکر کیا ہے اور ان کی توثیق بیان کی ہے ۔ بعض وہ ہیں جن کا ترجمہ کیا ہے لیکن ان کی توثیق دوسرے رواۃ کے ذیل میں ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کا مستقلاً ترجمہ ہی ذکر نہیں کیا لیکن ان کی توثیق دوسرے رواۃ کے ذیل میں کی ہے، اما القسم الاول :

۱) احمد بن محمد بن محمد بن سلیمان الرازی: ان کی توثیق

جعفر بن محمد بن ملک (الرقم ۳۱۴) میں کی

۲) **سلمه بن محمد بن عبد الله الخزاعي:** ان کی توثیق ان کے بھائی منصور بن محمد (۱۰۹۹) کے ترجمہ میں کی

۳) **شهاب بن عبد ربه الاسدی :** ان کی توثیق ان کے بھتیجے اسماعیل بن عبدالخالق کے ترجمہ (الرقم ۵۰) میں کی

۴) **صالح بن خالد المحاملي الكناسي :** ان کی توثیق ابی شعیب المحاملی (الرقم ۱۲۴۰) میں کی

۵) **عمرو بن منهال بن مقلاص قيسي :** ان کی توثیق ان کے بیٹے حسن بن عمرو بن منہال (الرقم ۱۳۳) میں کی

۶) **محمد بن عطيه الحناط :** ان کی توثیق ان کے بھائی حسن بن عطیہ الحناط (الرقم ۹۳) کے ترجمہ میں کی

۷) **محمد بن همام بن سهيل الاسكافي :** ان کی توثیق جعفر بن محمد بن مالک الفزاری (الرقم ۳۱۳) کے ترجمہ میں کی ۔

القسم الثاني

دوسری قسم میں وہ افراد ہیں جن کا ترجمہ ہی نہیں کیا لیکن دوسرے افراد کے ذیل میں ان کی توثیق ہوئی ہے، یہ ۱۴۳ افراد ہیں:

۱) **احمد بن محمد بن الهيثم العجلي :** ان کی توثیق ان کے بیٹے حسن (الرقم ۱۵۱) میں کی ہے

۲) **اسد بن اعفر المصري:** ان کی توثیق ان کے بیٹے داؤد (الرقم ۴۱۴) میں ہے

۳) إسماعيل بن ابي السمال الاسدي: ان کی توثیق ان کے بھائی ابراہیم (الرقم ۳۰) میں کی

۴) إسماعيل بن الفضل بن يعقوب النوفلي : ان کی توثیق ان کے بھائی حسین بن محمد بن فضل (الرقم ۱۳۱) میں کی

۵) جعفر بن إبراهيم الطالبي الجعفري : ان کی توثیق ان کے بیٹے سلیمان (الرقم ۴۸۳) میں کی

۶) حسن بن ابي ساره الرواسي کی توثیق ان کے بیٹے محمد (الرقم ۸۸۳) میں کی ہے

۷) حسن بن شجره بن ميمون الكندي : ان کی توثیق ان کے بھائی علی (الرقم ۷۲۰) میں کی

۸) حسن بن علوان الكلبي: ان کی توثیق ان کے بھائی حسین (الرقم ۱۱۶) میں کی

۹) حسن بن محمد بن خالد الطيالسي: ان کی توثیق ان کے بھائی عبداللہ (الرقم ۵۷۲) میں کی

۱۰) حفص بن سابور بن زيات : ان کی توثیق ان کے بھائی بسطام (الرقم ۲۸۰) میں کی

۱۱) حفص بن سالم: ان کی توثیق ان کے بھائی عمر (الرقم ۷۵۸) میں کی

۱۲) حيان بن علي الغنوى : ان کی توثیق ان کے بھائی مندل (الرقم ۱۱۳۱) میں کی

۱۳) زكريا بن سابور الزيات: ان کی توثیق ان کے بھائی بسطام (الرقم

۲۸۰) میں کی

۱۴) زیاد بن سابور الزیات: ان کی توثیق ان کے بھائی بسطام میں کی

۱۵) زیاد بن ابی الجعد الاشجعی: ان کی توثیق ان کے بیٹے کے بیٹے رافع بن سلمہ (الرقم ۴۴۷) میں کی

۱۶) زیاد بن سوقہ العمری: ان کی توثیق ان کے بھائی حفص (الرقم ۳۴۸) میں کی

۱۷) سلمہ بن زیاد بن ابی الجعد الاشجعی: ان کی توثیق ان کے بیٹے رافع (الرقم ۴۴۷) میں کی

۱۸) شجرہ بن میمون بن ابی اراکہ الکندی: ان کی توثیق ان کے بیٹے علی (الرقم ۷۲۰) میں کی

۱۹) صباح بن موسیٰ ساباطی: ان کی توثیق ان کے بھائی عمار (الرقم ۷۷۹) میں کی

۲۰) عبد الاعلی بن علی بن ابی شعبہ الحلبی: ان کی توثیق ان کے ابن عم احمد بن عمر (الرقم ۲۴۵) اور ان کے بھائیوں عبید اللہ (الرقم ۶۱۲) و محمد (۸۸۵) میں کی

۲۱) عبد الخالق بن عبد ربہ الاسدي: ان کی توثیق ان کے بیٹے اسماعیل (رقم ۵۶) میں کی

۲۲) عبد الرحمٰن بن ابي عبد اللہ البصري: ان کی توثیق ان کے پوتے اسماعیل بن ہمام (رقم ۶۲) میں کی

۲۳) عبد الرحیم بن عبد ربہ الاسدي: ان کی توثیق ان کے بھائی

اسماعیل (رقم ۵۰) میں کی

۲۴) عبد الله بن رباط البجلي: ان کی توثیق ان کے بیٹے محمد (۹۵۵) میں کی

۲۵) عبد الله بن عثمان بن عمرو الفزاري کی توثیق ان کے بھائی حماد (رقم ۳۷۱) میں کی

۲۶) عبد الملک بن سعيد الكناني : ان کی توثیق ان کے بھائی عبداللہ (رقم ۵٦۵) میں کی

۲۷) عبد الملک بن عتبة النخعي : ان کی توثیق عبدالملک بن عتبۃ الہاشمی (رقم ۴۹۵) میں کی

۲۸) علي بن ابي شعبة الحلبي : ان کی توثیق ان کے بیٹے عبید اللہ (رقم ٦۱۲) میں کی

۲۹) علي بن بشير : ان کی توثیق ان کے بھائی محمد (رقم ۹۲۷) میں کی

۳۰) علي بن عطية الحناط : ان کی توثیق ان بھائی حسن (رقم ۹۳) میں کی

۳۱) عمران بن علي ابي شعبة الحلبي: ان کی توثیق ابن عمر احمد بن عمر (رقم ۲۴۵) میں کی

۳۲) عمر بن ابي شعبة الحلبي : ان کی توثیق ان کے بھائی عبید اللہ کے ذیل میں کی

۳۳) عمرو بن مروان اليشكري: ان کی توثیق ان کے بھائی عمار (رقم ۷۸۰) میں کی

۳۴) قيس بن موسى الساباطي : ان کی توثیق ان کے بھائی عمار (رقم

۷۷۹) میں کی

۳۵) ابو خالد محمد بن مهاجر بن عبيد الاسدي: ان کی توثیق ان کے بیٹے اسماعیل (رقم ۴۶) میں کی

۳۶) محمد بن الهيثم العجلي: ان کی توثیق ان کے پوتے حسن بن احمد (رقم ۱۵۱) میں کی

۳۷) محمد بن سوقة العمري: ان کی توثیق ان کے بھائی حفص (رقم ۳۴۸) میں کی

۳۸) معاذ بن مسلم بن ابي ساره: ان کی توثیق ان کے ابن عم محمد بن حسن (رقم ۸۸۳) میں کی

۳۹) همام بن عبد الرحمن بن ميمون البصري: ان کی توثیق ان کے بیٹے اسماعیل (رقم ۶۲) میں کی

۴۰) يعقوب بن إلياس بن عمرو البجلي: ان کی توثیق ان کے بھائی عمر (رقم ۷۷۲) میں کی

۴۱) ابو الجعد الاشجعي: ان کی توثیق ان کے پوتے رافع بن سلمہ (۴۴۷) میں کی

۴۲) ابو شعبة الحلبي: ان کی توثیق ان کے پوتے عبید اللہ بن علی (رقم ۶۱۲) میں کی

۴۳) ابو عامر بن جناح الاسدي: ان کی توثیق ان کے بھائی سعید (رقم ۵۱۲) میں کی

عدّۃ النجاشی، روی النجاشي عن عدة عن جعفر بن محمد بن

قولویہ، بحرالعلوم فرماتے ہیں: نجاشی نے سعد بن عبداللہ الاشعری میں اس عدّۃ کو بیان کیا ہے، لیکن وہ کون ہیں یہ نہیں بتایا۔ البتہ ابن قولویہ کے ترجمہ میں نجاشی نے تصریح کی ہے کہ میں نے اکثر کتب کی قرائت مفید، غصائری پر کی ہے اور سعد بن عبد اللہ کے ترجمہ میں ان کے نام ذکر کیے ہیں جن سے روایت کی ہے۔

نجاشی نے اصحاب مذاہب فاسدہ کی ایک جماعت کی توثیق کی ہے:

۱۔ إسحاق بن بشر ابو حذیفة الكاهلي الخراساني عامي ثقة

۲۔ يحيى بن سعيد القطان ابو زكريا عاميّ ثقة

۳۔ عباد بن صهيب بتري ثقة

۴۔ احمد بن الحسن بن إسماعيل بن شعيب بن ميثم تمار واقفي ثقة

۵۔ احمدبن محمد بن علي بن عمر بن رباح الواقفي، واقفي ثقة

۶۔ جعفر بن محمد بن سماعة الحضرمي ، واقفي ثقة

۵۔ رجال الشیخ الطوسی

الشيخ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علي الطوسي (م۴۶۰)، اس تالیف کا تذکرہ خود شیخ نے الفہرس میں کیا ہے۔ اس میں اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ اور آئمہ علیہم السلام حسب ترتیب عصور جمع کیے ہیں۔ اس میں صرف جمع اسماء ہیں، مؤمن ہوں یا منافق، شیعہ ہوں یا سنی حتی خلفاء و معاویہ وعمرو بن عاص وغیرہ کو اصحاب نبیؐ اور زیاد بن ابیہ وعبید اللہ بن زیاد کو اصحاب امیر المؤمنینؑ اور منصور دوانیقی کو اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام میں ذکر کیا ہے لیکن ان کے بارے کوئی بات نہیں کی۔

(قاموس الرجال، ج ۱، ص ۱۹)

لیکن نہ سب اصحاب نبی (ص) کو مکمل ذکر کیا ہے اور نہ ہی سب اصحاب آئمہ علیہم السلام کو۔

۶۔ فہرس الشیخ

اس میں ان کے نام ہیں جن کی اصل یا تصنیف ہے (اصل اور تصنیف کے درمیان فرق آگے آئے گا)۔ انہوں نے اس کتاب میں اصول و مصنفات ذکر کیے ہیں اور ان تک اپنے طرق کو اسی کتاب میں ذکر کیا ہے یعنی شیخ تہذیب میں ان اصول و مصنفات سے روایات نقل کرتے ہیں لیکن ان تک اپنے طرق کو وہاں ذکر نہیں کرتے لیکن اسے انہوں نے الفہرس میں ذکر کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں شیخ فرماتے ہیں:

فإذا ذكرت كل واحد من المصنفين و اصحاب الاصول فلابدّ ان اشير إلى ما قيل فيه من التعليل و التجريح و هل يعوّل علي روايته اولا و ابيّن اعتقاده هل هو موافق للحق او هو مخالف، یعنی جب میں کسی مصنف یا صاحب اصل کا ذکر کروں تو ضروری ہے کہ اس کی جرح وتعدیل بیان کروں کہ کیا اس کی روایت قابل اعتماد ہے یا نہیں، آیا شیعہ ہے یا سنی؟

البتہ بہت سے موارد میں شیخ نے ایسا نہیں کیا، مثلا ابراہیم بن ابی بکر بن ابی السمال کے بارے ایسا کچھ نہیں کہا حالانکہ وہ واقفی تھا جیسا کہ کشی و نجاشی نے کہا ہے۔ نیز بہت سے ضعفاء کی تضعیف بیان نہیں کی جیسے حسن بن علی السجاد جو کہ ابوالخطاب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت دیتا تھا کے بارے کچھ نہیں کہا۔

(قاموس الرجال، ج ۱، ص ۱۸)

بعض موارد میں شیخ نے عدّة من اصحابنا ذکر کیا ہے۔ ان کی تصریح چند موارد

میں خود انہوں نے کردی ہے کہ شیخ مفید اور بعض دوسرے افراد مراد ہوتے ہیں جیسے کہ احمد بن الحسن الاسفرائنی کے ترجمہ میں فرمایا: اخبرنا عدۃ من اصحابنا فمنهم الشیخ ابو عبد اللّٰہ محمد بن محمد بن النعمان المفید و الحسین بن عبید اللّٰہ و احمد بن عبدون وغیرھم ۔ اور احمد بن ابی نصر البزنطی کے ترجمہ میں فرمایا: لہ کتاب اخبرنا بہ عدۃ من اصحابنا منهم الشیخ ابو عبد اللّٰہ محمد بن محمد بن النعمان المفید و ابو عبد اللّٰہ الحسین بن عبید اللّٰہ الغضائري و احمد بن عبدون وغیرھم۔ محمد بن محمد بن خالد البرقی کے ترجمہ میں فرمایا: عدۃ من اصحابنا منهم کہ وہی اوپر والے افراد ذکر کیے ہیں ۔ پس فہرست میں جہاں عدۃ کہا وہ سند اس جہت سے بلا اشکال ہے ۔ مرحوم شیخ محمد تقی التستری نے قاموس الرجال کے مقدمہ میں الفصل العشرون الفھرس کی اغلاط کی نشاندہی کیلئے قائم کی ہے ۔

۷۔ رسالہ ابی غالب رازی

الشیخ احمد بن محمد ابی غالب الرازی ، انہوں نے آلِ اعین کے نسب کے بارے یہ رسالہ لکھا ہے اور ان میں سے محدثین کے تراجم لکھے ۔ یہ رسالہ انہوں نے اپنے پوتے محمد بن عبد اللہ بن ابی غالب کے لئے اجازہ کے طور پر ۳۵٦ ھج میں لکھا ۔ پھر ۳٦۷ھ میں اس کی تجدید کی اور ۳٦۸ھ میں آپ کی وفات ہوئی ۔ اس میں آپ نے تیس سے زیادہ اپنے مشائخ کا تذکرہ کیا ہے ۔ آخر رسالہ میں اپنے پاس موجود کتب کی فہرس ذکر کی کہ جنہیں آپ ان کے مؤلفین سے روایات کرتے ہیں ۔ یہ ۱۲۲ کتب ہیں ۔ یہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود اصولِ رجالیہ میں سے شمار ہوتا ہے اور کشکول محدث بحرانی میں مطبوع ہے ۔

۸۔ مشیخۃ الصدوق

ابو جعفر محمد بن علي بن حسين بن بابويه، امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی دعا سے ۳۰۶ھ میں متولد ہوئے اور ۳۸۱ میں فوت ہوئے۔ کلینی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ غالباپوری سند ذکر کرتے ہیں سوائے بعض موارد کہ ان میں اخبار سابقہ پر اعتماد کرتے ہوئے سب اسناد ذکر نہیں کرتے۔ لیکن شیخ صدوق "من لا يحضره الفقيه" میں اسناد کو مختصر ذکر کرتے ہیں اور اوائل اسناد وہاں ذکر نہیں کیں۔ ان کے لئے مشیخہ وضع فرمایا ہے جس میں اپنی سند کو اس کتاب تک بیان کرتے ہیں اسے شیخ نے من لا یحضرہ الفقیہ کے آخر میں مندرج فرمایا ہے۔ عمار بن موسی ساباطی سے شروع ہوتا ہے اور سعد بن ظریف الخفاف پر ختم ہوتا ہے۔ اسماء میں ترتیب حروف کی رعایت نہیں کی اور ۳۹۸ اسماء پر مشتمل ہے۔

شیخ حر عاملی نے خاتمہ وسائل الشیعۃ میں فائدۂ اولی میں اسماء کی ترتیب کے ساتھ انہیں ذکر کر دیا ہے۔

۹۔ مشیخۃ الشیخ الطوسی در تہذیب واستبصار

آپ نے بھی شیخ صدوق کی طرح ابتداء اسناد مشیخہ میں ذکر کیں۔ ان کے بارے مزید وضاحت کتب اربعہ کے بارے گفتگو کے ضمن میں آئے گی۔

اصول اربعہ رجالیہ متاخرہ

ان کا درجہ سابقہ اصول اربعہ کے بعد ہے اور ان کتب کے لکھنے والے چھٹی ہجری میں تھے:

۱۔ فهرس شيخ منتجب الدين :

یہ شیخ حافظ علی بن عبید اللہ بن حسن بن حسین بن حسن بن حسین بن علی بن

بابویہ تھے۔ یہ ۶۰۰ھ تک زندہ تھے۔ شیخ حر عاملی نے ان کے بارے کہا:

الشيخ الجليل علي بن عبيد الله ... كان فاضلا عالما ثقة صدوقا محدثا حافظا راوية علامة له كتاب الفهرس في ذكر المشائخ المعاصرين للشيخ الطوسي و المتاخرين إلى زمانه.

(امل الآمل : ج ۲، ص ۱۹۴)

آپ نے یہ فہرس شیخ طوسی کی فہرس کی تکمیل میں لکھی بعد از شیخ کے علماء کے عنوان سے جبکہ آپ کے دور میں ابن شہر آشوب نے بھی معالم العلماء اسی عنوان سے لکھی تھی۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے لسان المیزان میں اس الفہرس سے کثرت سے رجال الشیعۃ یا رجال الإمامية کی تعبیر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ان کی ایک کتاب تاریخ الری بھی تھی جس سے ابن حجر نقل کرتے ہیں لیکن ہم تک نہیں پہنچ سکی۔

۲. معالم العلماء في فهرس كتب الشيعة و اسماء المصنّفين

یہ محمد بن علی بن شہر آشوب المازندرانی کی تالیف ہے (متولد ۴۸۸ھ، م ۵۸۸ھ)۔ الوافي بالوفيات میں صفدی نے آپ کو بڑے اچھے لفظوں میں یاد کیا ہے۔ شیخ حر عاملی نے امل الآمل میں محمد کے ذیل میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۰۲۱ تراجم ہیں۔ یہ فہرس بھی فہرس شیخ کیلئے تکملہ ہے۔

۳. رجال ابن داؤد

تقي الدين حسن بن علي بن داؤد الحلي (متولد ۶۴۷ھ، م ۷۰۷ھ)، آپ ابن طاؤس کے شاگرد تھے اور محقق اول سے بھی شرف تلمذ رکھتے تھے۔ یہ کتاب حسن ترتیب میں سب کتب پر فائق ہے کیونکہ اس میں خود شخص، اس کے والد اور دادا کے لحاظ سے ترتیب حروف ہے۔ آپ نے سابقہ کتب رجال سے جیسے فہرس شیخ و

ہواور یہ الفاظِ جرح میں سے ہیں ۔ یہ علامہ وابن داؤد دونوں کی روش ہے ۔لہٰذا مجہول کو قسم ثانی میں ذکر کرتے ہیں ۔لیکن ان سے متاخرین علماء جیسے شہید ثانی ومجلسی و مامقانی کی اصطلاح میں مجہولِ اعم مراد ہوتا ہے جو مہمل کو بھی شامل ہے کہ جس کی مدح و ذم وارد نہ ہوئی ہو۔

کتب رجالیہ در عصور متاخرہ

یہ کتب دسویں صدی ہجری کے اواخر سے تا اواخر بارہویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں:

۱. مجمع الرجال :

یہ عنایة الله القهبائي از تلامید مقدس اردبیلی (م۹۹۳ھ) واز تلامید عبد اللہ تستری (م۱۰۲۱ھ) واز تلامید شیخ بہائی (م۱۰۳۱ھ) کی تالیف ہے۔اس کتاب میں تمام اصول رجالیہ کو جمع کر دیا گیا ہے حتی کتاب الضعفاء للغضائری کو بھی۔

۲. منهج المقال :

یہ مرزا محمد بن علي بن إبراهيم الاستر آبادی(م۱۰۲۸ھ) کی تالیف ہے ۔آپ محمد امین استر آبادی صاحب کتاب الفوائد المدنية کے استاد تھے۔

۳. جامع الرواة :

یہ الشيخ محمد بن علي الاردبیلی کی تالیف ہے ۔آپ نے اس کتاب کی تالیف میں بیس سال کا عرصہ لگایا ہے اور بڑے قواعد رجالیہ کا ابتکار کیا ہے جن کی وجہ سے بہت سی مجہول ، مرسل اور ضعیف روایات معلومة السند وصحیح ہوگئی ہیں ۔ یہ کتاب دو حصوں میں چھپ چکی ہے ۔اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کتب اربعہ کے رواۃ کو جمع کیا گیا ہے اور ہر راوی کے ترجمہ میں اس کے مروی عنہ و راوی کا

ہواور یہ الفاظِ جرح میں سے ہیں۔ یہ علامہ وابن داؤد دونوں کی روش ہے۔لہٰذا مجہول کو قسم ثانی میں ذکر کرتے ہیں۔لیکن ان سے متاخرین علماء جیسے شہید ثانی ومجلسی و مامقانی کی اصطلاح میں مجہولِ اعم مراد ہوتا ہے جو مہمل کو بھی شامل ہے کہ جس کی مدح و ذم وارد نہ ہوئی ہو۔

کتب رجالیہ در عصور متاخرہ

یہ کتب دسویں صدی ہجری کے اواخر سے تا اواخر بارہویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں:

۱. مجمع الرجال :

یہ عناية الله القهبائي ازتلامیذ مقدس اردبیلی (م۹۹۳ھ) وازتلامیذ عبد اللہ تستری (م۱۰۲۱ھ) وازتلامیذ شیخ بہائی (م۱۰۳۱ھ) کی تالیف ہے۔اس کتاب میں تمام اصول رجالیہ کو جمع کر دیا گیا ہے حتی کتاب الضعفاء للغضائری کو بھی۔

۲. منهج المقال :

یہ مرزا محمد بن علي بن إبراهيم الاسترآبادی(م۱۰۲۸ھ) کی تالیف ہے۔آپ محمد امین استرآبادی صاحب کتاب الفوائد المدنية کے استاد تھے۔

۳. جامع الرواة :

یہ الشيخ محمد بن علي الاردبيلي کی تالیف ہے۔آپ نے اس کتاب کی تالیف میں بیس سال کا عرصہ لگایا ہے اور بڑے قواعد رجالیہ کا ابتکار کیا ہے جن کی وجہ سے بہت سی مجہول، مرسل اور ضعیف روایات معلومة السند وصحیح ہوگئی ہیں۔ یہ کتاب دو حصوں میں چھپ چکی ہے۔اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کتب اربعہ کے رواۃ کو جمع کیا گیا ہے اور ہر راوی کے ترجمہ میں اس کے مروی عنہ و راوی کا

ذکر کیا گیا ہے اور اس کی روایات کی تعداد بھی معین کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تالیف سے بہت سے ابہامات دور ہو گئے ہیں۔

۴۔ نقد الرجال

یہ سید مصطفی التفریشی کی تالیف ہے جو انہوں نے ۱۰۱۵ھ میں تالیف کی۔ آپ عبداللہ تستری کے شاگرد تھے۔ آپ نے تمام اقوال جمع کئے ہیں جو کسی راوی کے بارے مدح و ذم کے حوالے سے کہے گئے ہیں۔

۵۔ منتهى المقال في احوال الرجال

یہ رجالِ ابی علی حائری کے نام سے معروف ہے جس کو ابی علی محمد بن اسماعیل الحائری (م ۱۲۱۵ھ یا ۱۲۱۶ھ) نے تالیف کیا ہے۔ آپ نے بعض رواۃ کو مجہول کہہ کر ان کا ذکر نہیں کیا کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں حالانکہ وہ مجہول نہیں ہیں بلکہ اکثر مہمل ہیں۔

ان کتب میں قرائن بر ضعف و توثیق جمع کئے گئے ہیں لیکن زیادہ تر حدس پر مشتمل ہیں۔ کچھ اور کتب بھی ہیں جن کی تالیف ان سے بھی متاخر ہے، جیسے تنقیح المقال جو کہ عبد اللّٰہ المامقانیؒ (م ۱۳۵۱ھ) کی تالیف ہے۔ یہ جامع ترین کتاب ہے کیونکہ فن کتب رجالیہ متقدمہ و متاخرہ میں جو کہا گیا ہے وہ آپ نے اس میں جمع کر دیا ہے۔ آپ نے صحابہ، تابعین اور تمام اصحاب آئمہ وغیرہم کو جمع کیا ہے چوتھی صدی تک۔ اس میں مجہول و مہمل کے درمیان خلاء واقع ہوا ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں صرف تین سال صرف ہوئے۔

۶۔ قاموس الرجال

قاموس الرجال جو کہ شیخ محمد تقی تستری کی تالیف ہے۔ یہ پہلے رجالِ مامقانی

پر تعلیقہ کے طور پر لکھی گئی تھی پھر اس کو مستقل کتاب کی شکل دے دی گئی اور ۱۳ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۷۔ مرتب الاسانید

آیۃ اللہ العظمیٰ سید حسین بروجردی نے دو کام کیے: (۱) کتب اربعہ کی اسانید کو مرتب کیا اور پھر کتب اربعہ رجالیہ وغیرہ کی اسانید کی ترتیب دی، (۲) اور دوسرا آپ نے طبقات الرجال کے نام سے کتاب لکھی عصر نبی اکرم ﷺ سے تا زمان شیخ طوسی آپ نے ۱۲ طبقات قرار دیئے ہیں۔

۸۔ معجم رجال الحدیث

آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم الخوئی نے ایک مفصل کتاب لکھی جس کا نام معجم رجال الحدیث و تفصیل طبقات الرواۃ ہے۔ آپ کسی راوی کے ترجمہ میں اس کی تمام روایات کو ذکر کرتے ہیں کہ کتب اربعہ میں کس سے روایت کرتا ہے اور کہاں کہاں اس کی روایات ہیں اور رواۃ و مروی عنہم کو ذکر کرتے ہیں۔ ۲۳ جلد میں یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

توثیقات خاصہ

اس مقصد کے آغاز سے پہلے مقدمۃً اصالۃ العدالۃ یا اصالۃ الوثاقۃ کی وضاحت ضروری ہے۔ علم اصول میں ثابت ہو چکا ہے کہ راوی سے جواز اخذ روایت کیلئے اس میں عدالت کا ہونا شرط نہیں بلکہ اس کی وثاقت کافی ہے جیسا کہ مرحوم شیخ الطائفہؒ نے دعوی کیا ہے کہ ثقۃ متحرز عن الکذب کی خبر پر طائفہ کا عمل ثابت ہے اگر چہ وہ جوارح کے لحاظ سے فاسق ہو۔

عدالۃ الراوي کا دعوی آیت نباء کے مفہوم سے اخذ کیا گیا ہے۔ آیت نباء

﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوا ... ، (الحجرات:٦)﴾ میں جملہ شرطیہ کا موضوع طبیعی نباء یعنی شرط مجيء الفاسق ہے اور حکم لزوم تبین (تحقیق) ہے۔ پس اس کا منطوق دال ہے کہ خبر فاسق مطلقاً حجت نہیں ہے اگر چہ وہ ثقہ ہو۔ جبکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر فاسق کی خبر حجت ہے جو کہ عدل ہے۔ یہ استدلال درست نہیں:

اولاً: ہوسکتا ہے آیت میں موضوع فاسق ہو اور شرط مجيء بالنباء ہو اور انتفاءِ شرط برابر ہو عدمِ نباء کے، یعنی خبر ہی نہ لائے۔

ثانیاً: بالفرض آپ کی بات صحیح ہو تب بھی یہ اس وقت تک ہے کہ مقرون بالقرینة نہ ہو جبکہ یہاں تعلیل قرینہ ہے۔

یعنی مفہوم اگر چہ خبر عدل کے ساتھ اختصاص میں ظہور رکھتا ہے لیکن تعلیل دال ہے کہ یہ حجت خبرِ عدل کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ تعلیل اس آیت میں کہتی ہے ﴿اَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ...، (الحجرات:٦)﴾ خبر ثقہ کو منطوق سے خارج کر رہی ہے چونکہ عقلاء خبرِ ثقہ پر ہمیشہ عمل کرتے رہے ہیں اس لیے کہ اس پر عمل کرنا سفیہانہ عمل شمار نہیں ہوتا۔

کیا اصالة العدالة ثابت ہے؟

عدالت خود تو صفتِ وجودی ہے جس کی تعریف یہ ہے "ملكة راسخة في النفس او استقامة كما هو الظاهر"۔ لیکن اصالہ عدمِ فسق اگر جاری کریں تو اس کا لازمہ عدالت ہوسکتی ہے چونکہ ان دونوں میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن یہ اصل اصل مُثبِت جو کہ حجت نہیں ہے۔ اس طرح کی بعض اور وجوہ بھی ذکر کی گئی ہیں جو کہ تمام نہیں ہیں۔

اصالۃ الوثاقۃ

وثاقت بھی عدالت کی طرح صفت وجودیہ ہے، ہر غیر کاذب ثقہ نہیں کہلاتا، مثلا بالغ جس نے ابھی کوئی کلمہ نہیں بولا اسے ثقہ نہیں کہہ سکتے۔ ثقہ تب کہلائے گا کہ اس کی باتوں کا استقراء کرلیا جائے اور وہ مطابق واقع ہوں، ہوسکتا ہے ایک شخص کی بات واقع کے مطابق ہو لیکن وہ غیر ثقہ ہو کیونکہ اس کی بناء نہیں تھی طبق واقع بات کرنے کی، اتفاقاً اس کی بات طبقِ واقع ہوگئی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی بات مطابق واقع نہ ہو لیکن وہ ثقہ ہو چونکہ اس نے صالح مقدمات پر اعتماد کیا تھا۔ یہ مطابقت واتصاف بالوثاقۃ میں عموم من وجہ کی نسبت ہے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ استصحاب عدم کذب سے وثاقت ثابت نہیں ہوسکتی۔ اگر ہوجائے تب بھی اصل مثبت ہے وثاقت لغۃً اعتماد کے معنی میں ہے جیسے و بـه ثقتي اور ثقہ وہ ہوتا ہے کہ عقلاء جس کی حدیث پر اعتماد کریں، جیسا کہ عقلاء کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ثقات کی اخبار پر اعتماد کرتے ہیں۔

مراتب توثیق

یہ متعدد مراتب ہیں، اہم چار ہیں:

۱۔ صریحاً دال بروثاقت ہوں، جیسے ثـقـةٌ، مـامـونٌ، ثقةٌ ثقةٌ، صدوقٌ وغیرہ۔

الـوثـاقـة بـالـمـعنى المبحوث عنها ان الفاظ سے صریحاً ثابت ہو جاتی ہے۔ لفظ مامون بھی دقة في النقل پر دال ہے۔ بعض دفعہ في الحديث وغیرہ کی قید بھی لگا دیتے ہیں۔ یہ مزید توضیح کیلئے ہوتا ہے، جیسا کہ بعض عامہ کی توثیق میں اس طرح وارد ہے، مثلاً احمد بن بشر کے

ترجمہ میں نجاشی نے کہا: **ثقة في الحديث واقفي المذهب** اور ترجمہ **حسن بن احمد بن المغيرة** میں کہا: كان عراقيًا مضطربَ المذهب و كان ثقة فيما يرويه ۔

۲۔ ضمناً وثاقت پر دال ہو، جیسے راوی کے بارے کہیں: **عظيم الشان، وجهٌ من وجوه ، اصحابنا ، جليل القدر** وغیرہ، یہ الفاظ ضمناً وثاقت پر دال ہیں۔

۳۔ وہ کلمات جو وثاقت پر دلالت ظنی رکھتے ہیں، جیسے راوی کے بارے کہیں **صحيح الحديث ، وجيه ، من علمائنا، من اصحابنا يا كان فاضلا** وغیرہ۔ ان الفاظ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ کوئی قرینہ ان کے ساتھ منضم ہو جو دال بر وثاقت ہو۔

۴۔ وہ جو وثاقت پر احتمالی دلالت رکھتے ہوں، جیسے راوی کے بارے کہیں **بانه ذو اصل او كتاب او كان خيرا ، يا رحمه الله يا حسن** وغیرہ، یہ الفاظ بھی تنہا وثاقت کیلئے کافی نہیں ہیں۔

مراتب تضعیف

یہ چار اقسام پر ہے:

۱۔ وہ الفاظ جو صریحاً تکذیب راوی پر دال ہوں، جیسے **بانه كذّاب وضّاع ، مفتر** وغیرہ۔ ایسی تعبیرات صریحاً جرح فی المطلق شمار ہوتی ہے، ایسی تعبیر کی بناء پر روایات کو اصحاب طرح (رد) کر دیتے ہیں۔

۲۔ ضعف راوی کی تصریح کی جائے جیسے **فلانٌ ضعيفٌ**، اس طرح کی تصریح، طرحِ روایتِ راوی کی شاہد بن سکتی ہے لیکن اس سے کذب

راوی ثابت نہیں ہوسکتا چونکہ ضعف کی کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے، اس میں چار احتمال ہیں:

الف: اس سے ضعف في كيف الحديث ہو، یعنی اس راوی کی روایات خطوطِ آئمہؑ سے مناسبت نہیں رکھتی یا متفرد بالرواية ہے یا لا ابالي فيما يرويه ہے۔

ب: اس سے مراد ضعف في العقيدة ہو یعنی وقف و فطح و بتر وغیرہ کی وجہ سے فاسد المذہب ہو۔

ج: وہ راوی جو رواۃ سے مطلقاً نقلِ روایات کرے اور صحاح وثقات سے نقل پر ملتزم نہ ہو، جیسا کہ احمد بن محمد بن عیسی الاشعری نے البرقي کو قم سے نکال دیا اس خاطر کہ وہ ضعاف پر اعتماد کرتے تھے۔

د: اس سے مراد ضعف في الحديث هو بمعنى الوضع و الإفتراء و الكذب۔ مذکورہ عبارت یعنی فلان ضعيف تب تضعیف مطلوب پر دال ہوگی کہ اس سے احتمالِ اخیر مراد ہو اور یہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔

۳۔ تضعیف صریحاً یا لازماً عبارات سے مستفاد ہو لیکن خاص منشاء سے ہو یہ دو قسم پر ہے:

الف: اعتقاد کے لحاظ سے، جیسے کسی کے فطحي یا بتري یا واقفي ہونے کی تصریح ہو

ب: جو اس کے سلوک سے مربوط ہو لیکن اس کے قول کی حجت سے

اس کا کوئی ربط نہ ہو، جیسے بعض کو حیوانات سے تشبیہ دی جاتی ہے
جیسا کہ علی ابن ابی حمزہ بطائنی کے بارے میں وارد ہے یا علی
انت و اصحابک اشباہ الحمیوغیرہ
اس طرح کی تعبیرات تضعیفِ مطلوب کو ثابت نہیں کر سکتی ۔ یہ الفاظ
اگر چہ ذم وقدح پر دال ہیں لیکن وہ تضعیف ان سے ثابت نہیں ہو سکتی ۔

۴۔ وہ جو تضعیف احتمالی کا افادہ کرے جیسے راوی کا مجہول و مہمل ہونا، لیکن یہ
تعبیر بھی تضعیف پر دال نہیں ہے۔

فائدہ ۱:

علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی نے مقباس الہدایۃ فائدہ سادسہ میں فرمایا ہے کہ کتب فقہیہ میں رجال کے بارے جرح میں تسرّع (جلدی) کی جاتی ہے ۔فقہاء تضعیفِ رجال میں بڑے شوق کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔وہ اسے احتیاط في الدین کے طور پر کرتے ہیں، مثلاً کاشف الرموز نے محمد بن عیسیٰ الیقطینی کی طرف وقف کی نسبت دی ہے حالانکہ کتب رجال وفقہ میں یہ بات کہیں بھی نہیں پائی جاتی اور نہ یہ بات ان کے بارے معقول ہے چونکہ وہ امام رضاؑ اور امام جوادؑ کے اصحاب میں سے تھے جبکہ وقف کا تعلق امام کاظمؑ سے تھا۔

فائدہ ۲:

اکثر سندِ روایت میں قدح اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ رجالِ فطحیہ پر مشتمل ہوتی ہے، یعنی وہ جو عبد اللہ الافطح بن امام صادقؑ کی امامت کے قائل تھے ۔کشی نے درج ذیل افراد کو فطحی شمار کیا ہے:

محمد بن الولید الخزّاز ، معاویۃ بن الحکیم ، مصدّق بن

صدقة ، محمد بن سالم بن عبد الحميد ، عبد اللّٰه بن بكير ، حسن بن علي بن فضّال ، عمّار بن موسى الساباطي ، علي بن السباط ، بني حسن بن علي بن فضال یعنی علي اور اس کے دونوں بھائی ، یونس بن یعقوب وغیرہ۔

ہشام بن سالم کی روایت کے مطابق ان الفطحية رجعوا عن مقالتهم إلا طائفة منهم عمار و اصحابه ۔شیخ طوسیؒ نے استبصار میں کہا: ان عمار هذا ضعيف فاسد المذهب لا يعمل علي ما يختص بروايته۔عمار ساباطی ضعیف، فاسد المذہب ہے جس روایت میں وہ تنہا ہوں اُس پر عمل نہیں کیا جاتا۔لیکن علامہ طباطبائی (سید بحر العلوم) نے اس بارے مناقشہ کیا ہے کہ یہ اگرچہ فطحیہ تھے فاسد المذهب تھےلیکن سب ثقات تھے، روایت میں معتمد علیہم تھے، امّا عمّار فمجمعٌ علی توثيقه و فضله و فقاهته و قبول روايته و له كتاب كبير جيد معتمد عليه۔یعنی عمار ساباطی کی وثاقت پر اس کے فضل وفقاہت پر اور اس کی روایات کی قبولیت پر اجماع قائم ہے۔شیخ نے تہذیب میں کہا: انه ثقة في النقل لا يطعن عليه فيه۔محقق نے معتبر میں کہا: انّ الاصحاب عملوا بروايته و حكي عن الشيخ انه قال في غير موضع من كتبه ان الإمامية مجمعة علی العمل برواية السكوني و عمار و من ماثلهما من الثقات ۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ نے استبصار میں جو کہا اس سے مراد وہ مورد ہے جہاں روایت عمار کے مقابل صحیح السنذ معارض موجود ہو جیسا کہ عدۃ الاصول میں شیخ کے کلام سے مستفاد ہے۔ابوعمرو کشی کہتے ہیں: قال محمد بن مسعود العياشي ، عبد اللّٰه بن بكير و جماعة من الفطحية هم فقهاء ، اصحابنا و عد منهم عمار بن موسى الساباطي و بني

الحسن بن فضال، عليا و اخوته ، احمد بن الحسن و محمد بن الحسن۔

شیخ مفید نے بھی رسالہ ہلالیہ میں عمار کو از اصحاب اصول معروفہ قرار دیتے ہوئے انہیں من جملة الفقهاء و الرؤساء الاعلام الماخوذ عنهم الحلال و الحرام و لا مطعن عليهم و لا طريق إلى ذم واحد منهم قرار دیا ہے۔

نجاشی نے کہا: عمار بن موسى و اخواه قيس و صباح روا عن ابي عبدالله عليه السلام و ابى الحسن عليه السلام ثقاة في النقل و لم يتعرض لذكر مذهبه، علامہ طباطبائی اس سے استظہار کرتے ہیں کہ عمار بھی دوسرے فطحیہ کی طرح حق کی طرف لوٹ آئے تھے۔ نیز استدلال کیا اس پر اس سے جو کشی نے کتاب الرجال میں روایت کیا باسناده عن متروک عن ابي الحسن عليه السلام قال و استوهبت عمار الساباطي من ربّه فوهب لي۔

فائدہ۳:

قولهم صحيح الحديث، عند القدماء هو ما وثقوا بكونه من المعصوم عليه السلام اعم من ان يكون الراوى ثقة او لامارات اخر يقطعون او يظنون بها صدوره عنه عليه السلام۔ قدماء کسی راوی کے بارے صحیح الحدیث کہتیں تو یہ اس کی روایت کے معصوم سے صدور کی توثیق ہے یعنی اس کی روایت موثوق الصدور ہے۔

شیخ بہائی مشرق الشمسین میں فرماتے ہیں: في اقسام الخبر و ما يكون به صحيحا .... و هذا الاصطلاح لم يكن معروفا بين قدمائنا بل كان المتعارف بينهم إطلاق الصحيح على كل حديث يعتضد بما يقتضي اعتمادهم عليه او اقترن بما يوجب الوثوق به و الركون اليه۔ یعنی قدماء کے نزدیک صحیح کی اصطلاح سے مراد اس کی روایت کا موثوق الصدور ہونا ہے۔ و قال

الكاظمي في التكملة ج ۱ ص ۵۰ ، اعلم ان الصحة في لسان القدماء يجعلونها صفة لمتن الحديث على خلاف اصطلاح المتاخرين حيث يجعلونها صفة للسند و يريدون به ما جمع شرائط العمل اما من كونه خبر ثقة كما هو في اصطلاح المتاخرين۔ یعنی قدماء کی اصطلاح میں صحت سے مراد متن حدیث کی صفت ہے جبکہ متاخرین کے نزدیک یہ سند کی صفت ہے، پس حدیث صحیح نزد قدماء وہ ہے کہ جس میں شرائط عمل موجود ہوں چاہے وہ رواۃ کے ثقہ ہونے کے ذریعے سے ہوں یا کسی اور قرینہ سے۔

مجلسی اول روضۃ المتقین ج ۱۴، ص ۱۰ پر فرماتے ہیں: و الظاهر من طريقة القدماء سيما اصحابنا ان مراد هم بالصحيح ما علم وروده من المعصوم۔ یعنی قدماء کے نزدیک صحیح وہ حدیث ہے کہ جس کا صدور معصوم سے معلوم ہو۔ شہید ثانی الرعایۃ میں فرماتے ہیں: کسی کو صحیح الحدیث کہنا يقتضي كونه ثقة ضابطا ففيه زيادة تزكية۔ سید داماد الرواشح السماویۃ میں اسی کے قائل ہیں۔ (راشحہ ۱۲)

فائدہ ۴:

قولهم لا باس به اي بمذهبه او رواياته، ظاہراً مراد یہ ہے کہ انه لا باس به بوجه من الوجوه ہے، یعنی کسی لحاظ سے کوئی ڈر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے بعض نے اسے توثیق قرار دیا ہے جیسا کہ شہید ثانی نے الرعایۃ ص ۲۵ پر فرمایا: لا باس به بمعنى انه ليس بظاهر الضعف، یعنی لا باس بہ کا مطلب یہ ہے کہ ظاہراً ضعف نہیں ہے۔ ص ۲۰۷ پر فرمایا: و اما نفي الباس عنه فقريب من الخير و لكن لا يدل على الثقة بل من المشهور ان نفي الباس يوهم الباس، کسی راوی کے بارے لا

باس بہ کہنا اس کے نیک ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کی توثیق نہیں ہے بلکہ مشہور کے نزدیک یہ کلمہ کسی راوی میں گڑبڑ کا توہم دیتا ہے۔ محقق نے **حاشیة الرعایة** ابن معین سے نقل کیا ہے **اذا قلت لیس به باس فهو ثقة**۔ میر داماد نے **لا باس به** کو در ضمن الفاظِ توثیق و مدح شمار کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ کلمہ مدح کا افادہ کرتا ہے۔

فائدہ۵:

قولهم وجه ، عین ، یہ دو کلمے بھی کافی حد تک مدح کا افادہ کرتے ہیں۔ بعض نے انہیں توثیق شمار کیا ہے جیسا کہ **روضة المتقین** ج ۱۴ ص ۴۵ پر فرمایا ہے: بل الظاهر ان قوله وجه توثیق ۔ **الفصول الغرویة** میں ہے: منها قولهم عین او وجه او وجه من وجوه ، اصحابنا ....و الاظهر انه یفید مدحا یصح الاعتماد معه علی روایته لا سیما الاخیر ۔ شیخ بہائی نے **مشرق الشمسین** میں کہا:

انهم یریدون بقولهم ان فلانا ثقة انه عدل ضابط لان لفظة ثقة مشتق من الوثوق و لا وثوق بمن تساوي سهوه و ذکره او یغلب سهوه علی ذکره و هذا هو السرّ في عدولهم عن قولهم عدل اي قولهم ثقة ، جب رجالی کسی کے بارے میں ثقہ کہتے ہیں تو ان کی مراد عدل، ضابط ہوتا ہے چونکہ ثقہ وثوق سے مشتق ہے اور جس کا سہو اس کی یادداشت سے زیادہ ہو یا اس کے برابر ہو وہ قابل وثوق نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے وہ عدل کہنے کے بجائے ثقہ کہہ دیتے ہیں۔

لیکن مقدس اعرجی یہ نہیں مانتے ، وہ کہتے ہیں کہ قدماء ثقہ کو عدل کے معنی میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ (عدة الرجال)

قيمة التوثيقات

توثیق یا متقدمین سے صادر ہے یا متاخرین سے:

۱۔**توثيق المتقدمين**: متقدمین سے مراد راویوں کے معاصر ہیں یا ان کے قریب العہد ہیں اس حیثیت سے کہ ان کی **شهادة بالوثاقة** اجتہاد وحدس کی محتاج نہ ہو۔ یہ مثل شیخ مفید، شیخ طوسی، ابن قولویہ، علی بن ابراہیم قمی، نجاشی و برقی وغیرہم ہیں۔ ان میں سب سے آخر میں وفات پانے والے شیخ طوسی تھے (متوفی ۴۶۰ھ)۔
ان متقدمین کی توثیقات قابل قبول ہیں۔ آقائے خوئی مرحوم فرماتے ہیں:

و مما تثبت به الوثاقة او الحسن ان ينصّ على ذلك احد الاعلام كالبرقي و ابن قولويه و الكشي و الصدوق و المفيد و النجاشي و الشيخ و اضرابهم و هذا ايضا مما لا اشكال فيه و ذلك من جهة الشهادة و حجيّة خبر الثقة

(معجم رجال الحدیث، ج ۱، ص ۵۵)

کسی راوی کی وثاقت یا حسن اس سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کی تصریح ان افراد مذکورہ میں سے کسی نے کی ہو اور ان کے قول کو شہادت یا حجیت خبر ثقہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔

۲۔**توثيق المتاخرين (عن الشيخ)**: اس سے مراد علامہ، شیخ منتجب الدین، ابن شہر آشوب (صاحب معالم العلماء، ابن طاؤس، مجلسیین وغیرہم ہیں۔ ان کی توثیقات اگر غیر معاصرین کے حق میں ہوں تو اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ اجتہاد وحدس پر مبنی ہوں گی اور اگر قولِ رجالی کی حجیت از باب شہادت ہو تو اس میں عن حسّ (یعنی محسوس کیا ہو دیکھنے وغیرہ کے ذریعے) ہونا شرط ہے۔ متاخرین کی

قيمة التوثيقات

توثیق یا متقدمین سے صادر ہے یا متاخرین سے:

۱۔**توثيق المتقدمين**: متقدمین سے مراد راویوں کے معاصر ہیں یا ان کے قریب العہد ہیں اس حیثیت سے کہ ان کی **شهادة بالوثاقة** اجتہاد وحدس کی محتاج نہ ہو۔ یہ مثل شیخ مفید، شیخ طوسی، ابن قولویہ، علی بن ابراہیم قمی، نجاشی و برقی وغیرہم ہیں۔ ان میں سب سے آخر میں وفات پانے والے شیخ طوسی تھے (متوفی ۴۶۰ھ)۔ ان متقدمین کی توثیقات قابل قبول ہیں۔ آقائے خوئی مرحوم فرماتے ہیں:

و مما تثبت به الوثاقة او الحسن ان ينصّ على ذلك احد الاعلام كالبرقي و ابن قولويه و الكشي و الصدوق و المفيد و النجاشي و الشيخ و اضرابهم و هذا ايضا مما لا اشكال فيه و ذلك من جهة الشهادة و حجيّة خبر الثقة

(معجم رجال الحدیث، ج ۱، ص ۵۵)

کسی راوی کی وثاقت یا حسن اس سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کی تصریح ان افراد مذکورہ میں سے کسی نے کی ہو اور ان کے قول کو شہادت یا حجیت خبر ثقہ کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔

۲۔**توثيق المتاخرين (عن الشيخ)**: اس سے مراد علامہ، شیخ منتجب الدین، ابن شہر آشوب (صاحب معالم العلماء، ابن طاؤس، مجلسیین وغیرہم ہیں۔ ان کی توثیقات اگر غیر معاصرین کے حق میں ہوں تو اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ اجتہاد وحدس پر مبنی ہوں گی اور اگر قولِ رجالی کی حجیت از باب شہادت ہو تو اس میں عن حسّ (یعنی محسوس کیا ہو دیکھنے وغیرہ کے ذریعے) ہونا شرط ہے۔ متاخرین کی

توثیقات حدس ہے ان کا جو انہوں نے شیخ وغیرہ کی عبارات سے لگایا ہے۔علامہ نے اجازہ بنی زہرہ میں جو کہا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے جمیع طرق شیخ طوسی پر منتہی ہوتے ہیں۔

ہاں اگر قولِ رجالی کی طرف رجوع از باب رجوع إلی اھل الخبرۃ (یعنی اہل خبرہ کی طرف رجوع) ہو تو ان میں **عن حسّ** ہونا شرط نہیں ہے۔ایسی صورت میں متاخرین ماہرین کی توثیقات کی طرف رجوع مما لا باس بہ (یعنی رجوع میں کوئی ڈر نہیں) ہے۔بشرطیکہ انہیں خبرۃ کہہ سکیں جو کہ مشکل ہے۔چونکہ انہوں نے وہی کتابیں دیکھی ہیں جو سابقین نے دیکھیں تھیں۔ایک اور وجہ بھی قبولِ توثیقاتِ متاخرین کیلئے ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حجیت خبر، موثوق بالصدور کے لئے ثابت ہے نہ خصوص خبر ثقہ کے لیے، یعنی مناط وثاقۃ الرجل نہیں ہے اگر چہ خبر موثوق الصدور نہ ہو۔ہوسکتا ہے راوی ثقہ ہو لیکن قرائن شاہد ہوں کہ روایت معصوم سے صادر نہیں ہوئی ثقہ پر امر ملتبس و مشتبہ ہوا ہے۔

لیکن اگر خبر کا مناط موثوق الصدور ہونا ہو تو وثاقۃ الراوی اس پر ایک امارہ ہے لیکن قرائن صدقِ خبر پر دال ہوں تو اس کا اخذ جائز ہے۔اس قول پر سیرۂ عقلاء بھی دال ہے۔اس بناء پر اگر متاخرین کی توثیقات موجب ہوں وثوق بصدور الخبر کی تو ان پر اعتماد جائز ہے۔(آقائے جعفر سبحانی، کلیات الرجال، ص ۱۵۶)

۳۔ توثیق المعصوم علیہ السلام: یہ اعلیٰ مراتب توثیق ہے اگر ثابت ہو جائے۔اس کا اثبات وجدان یا روایت معتبرہ پر موقوف ہے اور روایت معتبرہ کثرت سے موجود ہے۔لیکن روایۃ ضعیفہ سے اس کا اثبات یا خود اسی راوی کی روایت سے اس کا اثبات مشکل و غریب ہے جیسا کہ محدث نوری نے ترجمہ عمران بن عبداللہ القمی میں

کہا: **روی الکشی خبرین منهما مدح عظیم لا یضر ضعف سندها بعد حصولِ الظن منها**۔ (معجم رجال الحدیث، ج ا، ص ۵۲)

۴۔ **دعوی اجماع از طرف اقدمین**: اگر قدماء میں سے کوئی کسی راوی کی وثاقت پر اجماعِ منقول کا دعوی کرے تو اس سے وثاقت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ مدعی اجماع کی اپنی طرف سے توثیق سے کمتر نہیں ہے، جیسا کہ ابراہیم بن ہاشم والد علی بن ابراہیم قمی کے حق میں اجماعِ منقول کا دعوی ہوا ہے جیسا کہ ابن طاؤس نے کہا ہے۔

توثیق مشائخ اجازہ

اس فن کے اجلاء نے تصریح کی ہے کہ حال مشائخ ثلاثہ و اشباہم کے لئے مراجعہ کتب رجال کی ضرورت نہیں ہے۔ شہید ثانی درایہ میں فرماتے ہیں: **تعرف العدالة المعتبرة في الراوي بتنصيص عدلين عليها او بالاستفاضة بان تشتهر عدالته بين اهل النقل و غيره من اهل العلم كمشائخنا السالفين من عهد الشيخ محمد بن يعقوب الكليني و ما بعده إلى زماننا هذا لا يحتاج احد من هولاء المشائخ المشهورين إلى تنصيص على تزكية و لا تنبيه على عدالته كما اشتهر في كل عصر من ثقتهم و ضبطهم و ورعهم زيادة على العدالة** ...۔ جو عدالت راوی میں معتبر ہے اس کا پتہ دو عادل افراد کی گواہی سے چلے گا یا اہل علم کے درمیان مشہور ہو جیسا کہ ہمارے شیخ کلینیؒ کے دور سے بزرگ علماء اسی طرح تھے، ان بزرگوں میں سے کسی کو کسی کی توثیق و تزکیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ان مشائخ کا کتب رجال میں مذکور نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ یہ مجہول تھے یا

ان کی شان کا اہتمام نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ ان کی کوئی تصنیف نہیں تھی اور کتب رجال عموماً ذکر مصنفین پر اکتفاء کرتی ہیں اور ان کی تصانیف تک کے طرق کو بیان کرتی ہے۔

اس باب سے ہے: رواية الشيخ عن ابي الحسين بن ابي جيد ، و رواية المفيد عن احمد بن محمد بن الحسن الوليد ، و رواية الصدوق عن محمد بن علي ماجيلويه و احمد بن محمد بن يحيى العطار و قال العلامة يحكم بصحة السند المشتمل على امثال هؤلاء۔ شیخ بہائی نے مشرق الشمسین میں ایسے بزرگان کا ذکر کیا ہے جو مشائخ ہیں لیکن کتب رجال میں ان کا ذکر نہیں ہے جیسے احمد بن محمد بن حسن بن الوليد ، احمد بن محمد بن يحيى العطّار، حسين بن حسن بن ابان، ابو الحسين علي بن ابي جيد .... لنا ظنّ بحسن حالهم و عدالتهم ....۔ سید میر داماد نے بھی الرواشح السماویۃ میں فرمایا: انّ للصدوق اشياخا كلما سمي واحد منهم في سند الفقيه قال رضي اللّه كجعفر بن محمد بن مسرور فهؤلاء إثبات اجلّاء و الحديث من جهتهم صحيح نصّ عليهم بالتوثيق ام لم ينصّ۔

مثال کے طور پر وسائل الشیعۃ باب ۱ از ابواب الوضوء، حدیث ۱: ما نصه محمد بن الحسن (الشيخ الطوسي) باسناده عن الحسين بن سعيد عن حماد بن عيسى عن حريز عن زرارة عن ابي جعفر قال لا صلوة إلا بطهور۔ اس روایت کی سند دیکھنے کیلئے ضروری ہے پہلے شیخ کی سند حسین بن سعید اہوازی تک دیکھیں صحیح ہے یا نہیں؟ مشیخہ تہذیب ج ۱۰، ص ۶۳ پر یہ سند دو طریق سے یوں بیان ہوئی ہے: قال و ما ذكرته في هذا الكتاب عن الحسين بن سعيد

فقد اخبرني به الشيخ ابو عبد الله محمد بن النعمان (الشيخ المفيد) و الحسين بن عبد اللّٰه (الغضائري استاذ الشيخ الطوسي) و احمد بن عبدون كلّهم عن احمد بن محمد بن الحسن بن الوليد عن ابيه محمد بن الحسن بن الوليد، و اخبرني به ايضا ابو الحسن ابن ابي جيّد القمي عن محمد بن الحسن بن الوليد عن الحسين بن الحسن بن ابان عن الحسين بن سعيد۔

ان دونوں طریق میں سند محمد بن الحسن بن الولید پر ختم ہوتی ہے۔ پہلے طریق میں احمد بن محمد بن الحسن بن الولید ہے اور اس احمد کے بارے توثیق خاص وارد نہیں ہوئی۔ ہاں ! یہ شیخ اجازہ ہے اگر اوپر والی بات تسلیم کر لی جائے کہ ان مشائخ کو توثیق کی ضرورت نہیں تو شیخ کی یہ سند حسین بن سعید تک درست ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسرے طریق میں ابن ابی جید ہیں ان کی بھی توثیق خاص وارد نہیں ہے لیکن مشائخ میں سے ہیں۔ آپ نجاشی کے شیخ ہیں اور مشائخ اجازہ کی توثیق باب توثیقات میں ذکر کریں گے۔

اب اگلہ مرحلہ ہے اس کے بعد والی سند کا اور اس میں حسین بن حسن بن ابان ہے جس کی وثاقت ثابت نہیں ہے۔ لیکن شیخ طوسی نے فہرست میں حسین بن سعید تک ایک اور طریق ذکر کیا ہے: اخبرنا بها عدة من اصحابنا عن محمد بن علي بن الحسين عن ابيه و محمد بن الحسن و محمد بن موسى بن المتوكل عن سعد بن عبد الله و الحميري عن احمد بن محمد بن عيسى عن الحسين بن سعيد، اور یہ طریق صحیح ہے سب رواۃ ثقہ و اجلاء ہیں محمد بن علی تین اشخاص سے روایت کر رہے ہیں ان میں سے دو یعنی ان کے والد اور محمد بن حسن بن

الولید ثقہ ہیں اور حسین بن سعید کے بعد حماد بن عیسی وحریز بجستانی و زرارۃ ہیں کہ تینوں ثقہ واجلاء ہیں اور خود حسین بن سعید اہوازی ثقہ و بزرگان میں سے ہیں۔

ایک ضمنی بحث

اکثر رجالی قولِ رجالی کو از باب شہادت شمار کرتے ہیں۔اب ان میں یہ بحث ہے کہ تزکیۂ راوی میں آیا شہادۃ عدلِ واحد کافی ہے یا نہیں؟مشہور بین المتاخرین یہ ہے کہ ایک کافی ہے۔لیکن بعض جیسے محقق اول و صاحب منتقی الجمان (صاحب المعالم)تعدد کو ضروری سمجھتے ہیں۔صاحب المنتقی نے کہا: راوی میں عدالت کی شرط تقاضا کرتی ہے کہ اس کی عدالت کا علم ضروری ہے اور تزکیہ واحد مفید علم نہیں ہے اور دو عدل پر اکتفاء صحیح ہے اگر چہ یہ بھی مفید علم نہیں ہے لیکن یہ شرعاً قائم مقام علم ہے۔

یہ استدلال تو درست ہے لیکن دوسری طرف سے قولِ عادل یا خبر ثقہ کی حجیت بطور مطلق ثابت ہے یعنی احکام میں بھی اور موضوعات میں بھی۔احکام میں اسے روایت کہتے ہیں اور موضوعات میں شہادت۔ظاہر ادلہ یہ ہے کہ قولِ عدل یا ثقہ حجت ہے سوائے اس مورد کے جو خرج بالدلیل ہو جیسے مرافعہ و ہلال کہ روایات میں ان موارد میں تعدد کو شرط قرار دیا گیا ہے۔اور موضوعات میں حجیت خبر ثقہ کی دلیل عقلاء کا قطعی سیرہ ہے جس سے شارع نے ردع نہیں کیا۔اس سیرہ کے علاوہ روایات بھی اس پر دال ہیں، جیسے المؤذن ، مؤتمن وغیرہ۔

التوثیقات

توثیق یا خاص ہے یا عام:توثیق خاص میں کسی ایک شخص کے بارے توثیق ہے جیسا کہ رجالی رواۃ کی توثیق ذکر کرتے ہیں یا معصوم کسی راوی پر نص فرمائیں کہ فلان ثقۃ جیسا کہ یونس بن عبد الرحمان و زرارۃ وغیرہ کے بارے اس طرح کی توثیق

خاص وارد ہے۔توثیق عام کا مطلب یہ ہے کہ ایک عنوانِ کلی کے بارے توثیق وارد ہو جو متعدد افراد کو شامل ہو جائے۔یہ درج ذیل عناوین ہیں:

۱۔اصحاب الإجماع ۲۔مشائخ الثقات
۳۔العصابة التي لا یروون إلا عن ثقة ۴۔رجال اسانید نوادر الحکمة
۵۔رجال اسانید کامل الزیارة ۶۔رجال اسانید تفسیر القمي
۷۔اصحاب الصادق علیہ السلام ۸۔شیخوخة الإجازة
۹۔الوکالة عن الإمام ۱۰۔کثرة تخریج الثقة عن الشخص
۱۱۔مشائخ النجاشي ۱۲۔وقوع بني فضّال في السند

۱۔اصحاب الاجماع

ان طرق میں سے یہ سب سے اہم مورد ہے اور علم رجال کی بھی یہ اہم ترین بحث ہے۔اس کی اصل کیا ہے؟ یہ اصحاب کتنے افراد ہیں اور مراد کیا ہے؟ یہ چند امور اس میں قابل بحث ہیں:

۱۔ما ھو الاصل فی ذلک:

اس میں اصل وہ ہے جو کشی نے اپنے رجال میں نقل کیا ہے، تین عبارات ہیں:

۱۔ تسمیة الفقهاء من اصحاب ابي جعفر و ابي عبد الله علیهما السلام اجتمعت العصابة علی تصدیق هؤلاء الاولین من اصحاب ابي جعفر و اصحاب ابی عبد الله علیهما السلام و انقادوا لهم بالفقه، فقالوا: افقه الاولین ستة: زرارة و معروف بن خربوذ و برید و ابو بصیر الاسدی و الفضیل بن الیسار و محمد بن مسلم

الثقفی، قالوا : افقه الستة زرارة و قال بعضهم مکان ابی بصیر الاسدی ابو بصیر المرادی و ھو لیث بن البختری۔ (ص ۲۰۶)

اصحاب امام محمد باقر وامام جعفر صادق علیہما السلام میں سے فقہاء کے نام: ان درج ذیل اصحاب کی تصدیق پر جماعت شیعہ کا اجماع ہے اوران کی فقہ پر سر تسلیم خم ہیں۔ان میں سے فقیہ ترین چھ ہیں: زرارہ، معروف بن خربوذ، ابو بصیر الاسدی، فضیل بن یسار، محمد بن مسلم اور برید۔ ان میں سے زرارہ فقیہ ترین ہیں۔بعض نے ابو بصیر الاسدی کی جگہ ابو بصیر المرادی کہا ہے جوکہ لیث بن البختری ہیں۔

۲۔ تسمية الفقهاء من اصحاب ابي عبد اللهؑ اجمعت العصابة على تصحيح ما يصح عن هؤلاء و تصديقهم لما يقولون و اقرّوا لهم بالفقه من دون اولئک الستة الذين عددناهم و سميناهم و هم ستة نفر جميل بن درّاج و عبد الله بن مسكان و عبد الله بن بكير و حمّاد بن عثمان و حماد بن عيسى و ابان بن عثمان، قالوا و زعم ابو إسحاق الفقيه و هو ثعلبة بن ميمون ان افقه هؤلاء جميل بن درّاج و هم احداث اصحاب ابي عبد اللهؑ۔

(ص ۳۲۲، احداث یعنی جوان)

امام صادقؑ کے اصحاب میں سے فقہاء کے نام: جماعت شیعہ کا اجماع ہے کہ جو درج ذیل اصحاب سے حدیث صحیح ہو اس کو صحیح کہیں اور جو وہ کہیں اس کی تصدیق کریں اوران کے فقیہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ ان سابقہ چھ افراد سے رتبہ میں کم ہیں۔ یہ بھی چھ افراد ہیں: جمیل بن درّاج، عبد اللہ بن

مسکان، حماد بن عثمان، حماد بن عیسیٰ، ابان بن عثمان، عبد اللہ بن بکیر۔ جمیل ان میں سے فقیہ ترین ہیں۔

۳۔ تسمية الفقهاء من اصحاب ابي إبراهيم و ابي الحسن عليهما السلام اجمع اصحابنا على تصحيح ما يصح عن هؤلاء و تصديقهم و اقرّوا لهم بالفقه و العلم و هم ستة نفر آخر دون ستة نفر الذين ذكرناهم في اصحاب ابي عبد الله عليه السلام منهم يونس بن عبد الرحمن و صفوان بن يحيى بيّاع السابري و محمد بن ابي عمير و عبد الله بن المغيرة و الحسن بن المحبوب و احمد بن محمد بن ابي نصر و قال بعضهم مكان الحسن بن محبوب الحسن بن علي بن فضّال و فضالة بن ايوب و قال بعضهم مكان فضالة بن ايوب عثمان بن عيسى و افقه هؤلاء يونس بن عبد الرحمن . (رجال الكشي ، رقم ۱۰۵۰)

اصحاب امام موسیٰ کاظم اور امام رضا علیہما السلام میں سے فقہاء کے نام: ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ جو ان سے صحیح ہو اسے صحیح سمجھیں اور ان کی تصدیق کریں اور ان کے فقہ وعلم کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بھی چھ افراد ہیں۔ یہ ان سابقہ افراد سے کم رتبہ ہیں: یونس بن عبد الرحمٰن، صفوان بن یحییٰ، محمد بن ابی عمیر، عبد اللہ بن مغیرہ، حسن بن محبوب، احمد بن محمد بن ابی نصر۔ بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی بن فضال کہا ہے یا فضالہ بن ایوب۔ ان میں سے یونس فقیہ ترین ہیں۔

ان افراد کو اصحاب اجماع کہنا ایک جدید اصطلاح ہے جو متاخرین میں رائج

ہوئی جبکہ کشی کی تینوں عبارات میں تسمیة الفقہاء آیا ہے یعنی انہوں نے انہیں الفقہاء کہا ہے۔

۲۔ اما عدد اصحاب الاجماع

کشی نے پہلے چھ میں فرمایا: بعض نے ابوبصیر اسدی کی جگہ ابوبصیر مرادی کہا ہے۔ گویا ان میں سے پانچ موردِ اتفاق ہیں، دوسرے چھ کے چھ مورد اتفاق ہیں اور طبقہ ثالثہ سے بھی پانچ موردِ اتفاق ہیں۔ بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ پر حسن بن علی بن فضال کہا ہے اور فضالہ بن ایوب کہا اور بعض نے فضالہ بن ایوب کی جگہ عثمان بن عیسی کہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ان میں سے ۱۶ افراد موردِ اتفاق ہیں اور دو کا اختلاف کشی نے ذکر کیا ہے۔ یہ کل اٹھارہ ہوئے اور بعض نے چار اور ذکر کیے یہ کل ۲۲ افراد ہوئے۔

محدث نوری نے مستدرک الوسائل ج ۴ فائدہ سابعہ میں کہا: یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر طبقہ میں چھ افراد ہوں، ہوسکتا ہے بعض بعض کے بارے جان سکے ہوں اور دوسرے بعض نے دوسروں کے بارے جانا ہوں لہٰذا سب موردِ اجماع ہونگے۔ سید بحر العلوم نے بھی ابوبصیر مرادی کو ستة اولی میں قرار دیتے ہوئے اسے اصح کہا ہے اور پہلے قول کو شاذ کہا ہے۔

۳۔ اس اجماع کے بارے اصحاب کی نظر

محدث نوری نے فائدہ سابعہ میں یہ کلمات ذکر کیے ہیں:

۱۔ سب سے پہلے کشی نے یہ اجماع نقل کیا ہے۔ آپ قرنِ رابع کے علماء میں سے شیخ کلینی کے معاصر تھے اور عیاشی صاحب تفسیر کے شاگرد تھے۔

۲۔ کشی کے بعد شیخ طوسی از علماء قرنِ خامس (م ۴۶۰ ھ) نے یہ اجماع نقل کیا ہے۔ انہوں نے رجال کشی کی تہذیب کی، اس میں بھی ہے اور عدۃ الاصول میں

فرمایا:

سوّت الطائفة بين ما رواه محمد بن ابي عمير و صفوان بن يحيى و احمد بن محمد بن ابي نصر و غيرهم من الثقات الذين عرفوا بانّهم لا يروون و لا يرسلون إلّا ممن يوثق به و بين ما اسندهم غيرهم و لذلك عملوا بمراسيلهم إذا انفرد عن رواية غيرهم۔

جماعت شیعہ صحیح سمجھتی ہے اسے جسے ابن ابی عمیر، صفوان اور بزنطی جیسے ثقہ افراد روایت کریں جن کے بارے معروف ہے کہ یہ نہ روایت کرتے اور نہ ارسال کرتے ہیں مگر ثقہ سے۔ اسی وجہ سے ان کے مرسلات پر بھی عمل کرتے ہیں جب یہ اس کی روایت میں منفرد ہوں۔

ان تین کے ساتھ اس بات میں یہی اصحاب اجماع ہی مشترک ہیں (لیکن العدۃ کی عبارت کا یہ مطلب نہیں جو محدث نوری نے فرمایا ہے کما سیاتي)۔

۳۔ ابن شہر آشوب از علماءِ چھٹی صدی (م ۵۸۸) انہوں نے کشی کی عبارت ذکر کی ہے اور اسے قبول کیا ہے۔

۴۔ علامہ حلی از علماء آٹھویں صدی (م ۷۲٦)، آپ نے کشی کی بات خلاصہ میں متعدد موارد میں ذکر کی ہے۔

۵۔ ابن داؤد از علماءِ آٹھویں صدی، آپ اپنے رجال میں فرماتے ہیں: **اجمعت العصابة على ثمانية عشر رجلا فلم يختلفوا في تعظيمهم غير انهم يتفاوتون ثلاثة درج ...(رجال ابن داؤد، خاتمة قسم الاول الفصل الاول)**

٦۔ شہید اول (استشہد ۷۸٦ھ) بھی غایۃ المراد میں کشی کی عبارت کا حوالہ دیتے ہیں۔

البتہ ساتویں صدی کے علماء میں سے کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا، جیسے ابن زہرہ، ابن نما، ابن طاؤس، محقق اول و ابن سعید۔ نویں صدی کے فاضل مقداد و ابن فہد حلی نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ ہاں شہید ثانی از علماء دسویں صدی کے علماء میں سے شرح درایہ میں تعریف صحیح میں اس اجماع کا حوالہ دیتے ہیں اور شرح لمعہ کتاب الطلاق میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بعد کے سب فقہاء نے اسے قبول کیا ہے لیکن واضح ہے کہ سب نے کشی ہی کے حوالے سے اسے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا یہ چیز اس کے اعتبار میں مزید اضافے کا باعث نہیں بنے گی۔

۴۔ مذکورہ بالا اجماع کی حجیت کی وجہ

اجماعِ منقول بخبر واحد آیا حجت ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا حجت ہے اور ادلہ حجیت خبر واحد اسے شامل ہیں۔ لیکن شیخ انصاریؒ اور دوسرے علماء نے اسے ردّ کر دیا چونکہ ادلہ حجیت خبر واحد خاص ہیں اس خبر کے ساتھ جو قولِ معصوم کو عن حس نقل کرے جبکہ ناقلِ اجماع اسے عن حدس نقل کرتا ہے۔ لہٰذا یہ اشکال مشترک ہے تمام اجماعاتِ منقولہ پر کہ ناقل، سبب یعنی اتفاق الکل کو نقل کرتا ہے۔ اما مسبب یعنی قولِ امامؑ تو وہ حدسًا ہوتا ہے نہ حسًّا۔ اور ظاہراً ابو عمرو الکشی نے بھی تمام عصابہ کے اجماع کا تفحص نہیں کیا بلکہ معدود آراء کو ملاحظہ کیا ہے جو کہ اتفاقِ کل سے ملازمہ نہیں رکھتی۔

اس اجماع پر ایک اور اشکال بھی ہے کہ اجماعِ منقول کی حجیت بالفرض اگر مان بھی لیں تو بھی یہ صرف حکم شرعی کے متعلق ہو تو حجت ہوتا ہے نہ کہ موضوع پر اجماعِ محصل ہو تب بھی حجت نہیں چہ جائیکہ منقول ہو۔ اس اجماعِ کشی پر مندرجہ بالا دو اشکال

کیے جا سکتے ہیں۔

اشکالِ اوّل کا جواب

دیکھنا یہ ہے کہ ان اٹھارہ افراد کے بارے جو کشی نے کہا ہے اس سے مراد کیا ہے۔ اگر مراد یہ ہو کہ ان اعلام کی نقل و حکایت میں تصدیق ہے جو کہ ان کی وثاقت کے ملازم ہے **کما هو الظاهر کما سیاتی** تو ان کی وثاقت کیلئے اتفاقِ کل کی اصلاً ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک شخص کی توثیق بھی کافی ہے جس پر کشی **عن حسّ** واقف ہوئے ہیں اور یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ اس پر کشی کو حدس سے متہم کریں بلکہ یقیناً کشی نے ایک سے زیادہ تصریحات وتوثیقات **عن حسّ** درک کی ہوں گی۔

ہاں اگر کشی کی عبارت سے مراد یہ ہو کہ عصابہ کا اجماع ہے ان اعلام کی روایات کی **تصحیح بالمعنی المصطلح عند القدماء** پر قرائن خارجیہ سے استفادہ کرتے ہوئے تو پھر یہ اشکال وارد ہوگا چونکہ **علم بالصحة** تو امرِ حسی نہیں کہ ادلہ حجیت خبر واحد اسے شامل ہوں اور نہ سارے قرائن موجب علم از امور حسیہ ہیں اور مسبب یعنی ان اعلام کی روایات کی صحت حدسی امر ہے اور غالب قرائن حدسی ہیں۔

بعض نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ قولِ کشی اگر چہ اتفاقِ حقیقی کو ثابت نہیں کرتا لیکن ایک مجموعہ کبیرہ کے اتفاق کو **علی تصحیح هؤلاء** پر ثابت کرتا ہے۔ چونکہ بعید ہے قدماء ایک دو افراد کی تصریح کو دیکھ کر اجماع کا دعویٰ کر دیں اور اتنی جماعت کا اتفاق ان کی روایات کی تصحیح پر ان کے بارے اطمینان کا فائدہ دیتا ہے اور اس دور میں اجتہاد و حدس قلیل تھا مسائل فقہیہ میں اساس و بنیاد حس وشہود ہی تھی لہذا ممکن ہے انہوں نے ایسے قرائن عامہ پر اعتماد کیا ہو جو مفید اطمینان ہوں جیسے کتاب کو امام پر پیش کرنا یا کسی اصل معتبر میں پانا یا اصول میں متکرر ہونا وغیرہا۔

لیکن یہ راہ حل صرف امکانات پر مبنی ہے اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ورنہ فقیہ وتہذیب واستبصار کے مقدموں میں بھی صحت روایات کا دعوی موجود ہے انہیں بھی صحیح ماننا پڑے گا۔

اشکالِ دوم کا جواب

اس کا جواب واضح و آسان ہے چونکہ شمولِ ادلہ کیلئے حکم شرعی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کون المخبر به مما یترتب علی ثبوته اثر شرعی (یعنی مخبر بہ ایسی چیز ہو کہ جس کے ثبوت پر اثر شرعی مترتب ہو) کافی ہے اور یہ چیز یہاں موجود ہے۔

۵۔تصحیح ما یصح عنهم کا مفہوم

یہ وہ اہم بحث ہے جس کے بارے محدث نوری نے خاتمہ مستدرک میں مفصل بحث کی ہے۔اختلاف اس میں ہے کہ ما یصح میں ما موصولہ سے کیا مراد ہے؟ آیا مراد روایت و حکایت بالمعنی المصدری ہے یا مراد مروی ونفس الحدیث ہے؟ یعنی آیا مراد ان کی حکایات کی تصدیق ہے یا ان کی مرویات کی تصدیق ہے؟ یعنی اجماع اس پر قائم ہے کہ ابن ابی عمیر مثلاً اپنی حکایت وقول میں صادق ہیں کہ ابن اذینہ یا عبداللہ بن مسکان نے اس سے یہ بیان کیا ہے یا اجماع اس پر قائم ہے کہ اس کی حدیث صحیح ہے اور معصوم سے صادر ہے۔

یا یوں کہہ لیں آیا اجماع کا متعلق اس کی بلا واسطہ روایت ہے یعنی جو اس نے اپنے شیخ سے کی ہے یا اجماع اس کی مع الواسطہ روایت کی تصحیح پر قائم ہے یعنی اس حدیث کی صحت پر جو وہ امام سے مع الواسطہ نقل کر رہا ہے۔یعنی معنی اول مراد ہو تو یہ ان کی توثیق کے ملازم ہے یعنی ان افراد کی تصحیح ان کی روایات و حکایات میں ملازمہ رکھتی ہیں ان کے ثقہ ہونے کے ساتھ۔

دوسرے معنی میں تین احتمالات ہیں:

۱۔ خود روایت کی صحت مراد ہے۔ اگر چہ مرسلہ او ضعیفہ ہو اور ضعیف راوی سے مروی ہو۔

۲۔ حدیث کی صحت مراد ہو اس وجہ سے کہ خود اصحاب اجماع ثقہ ہیں، یہ وہی معنی اول ہے۔

۳۔ حدیث صحیح ہے چونکہ خود اصحاب اجماع بھی ثقہ ہیں اور جن سے وہ روایت کریں تا امام وہ سب ثقہ ہیں۔ یہاں تک کہ امام تک واصل ہو جائے۔ اس احتمالِ سوم کی بناء پر بہت بڑی تعداد از روایات موثق ہو جائے گی۔

معنی اول:

معنی اول کا احتمال صاحب وافی نے مقدمہ ثالثہ میں دیا ہے: انّ ما یصح عنهم هو الروایة لا المروي ،اس کی بناء پر یہ اجماع ان کی عدالت وصدق سے کنایہ ہوگا۔ صاحب ریاض کا ظاہر بھی یہی معنی ہے اور یہی درست ہے، چونکہ:

اوّلا: کشی نے ان پہلے طبقہ کے بارے ایسی تعبیر ذکر نہیں کی بلکہ یہ کہا **اجتمعت العصابة علی تصدیق هؤلاء الاولین ... و انقادوا لهم بالفقه** ...اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا: **امر تصحیح ما یصح عنهم** سے اگر مرویات کی تصحیح ہوتی تو یہ عبارت ان کے حق میں بھی کہتے جبکہ یہ سب سے اعلیٰ طبقہ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تصحیح سے مراد ان کے صدق کا حکم لگانا تھا جس کا لازمہ ان کی وثاقت ہے۔

و ثانیا: بہت سے اعلام نے اس عبارت سے یہی معنی سمجھے ہیں جیسا کہ ابن

شہر آشوب ہیں۔ اسی وجہ سے وہ طبقہ ثانیہ کو ذکر کرتے ہوئے تصحیح ما یصح عنہم کی بجائے فرماتے ہیں: **اجتمعت العصابة علی تصديق ستة اصحاب الإمام الصادقؑ و....**

اسی طرح علامہ نے مختلف الشیعہ میں کہا: **لا يقال عبد اللّه بن بكير الفطحي لانا نقول عبد الله بن بكير و إن كان فطحيا إلّا ان المشائخ وثقوه،** اس کے بعد کشی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح کی بات وہ ابان بن عثمان الاحمر کے ترجمہ میں کہتے ہیں:.... **الأ انه كان ثقة و قال الكشي انه ممن اجمعت العصابة علی تصحيح ما يصح عنهم**۔ اسی طرح ابن داؤد نے بھی سمجھا ہے جیسا کہ ان کی عبارت ذکر ہوگئی۔

و ثالثًا: ہر راوی اپنے سے پہلے والے راوی کی کلام نقل کرتا ہے نہ کہ حدیث کو نقل کرتا ہے۔ لہذا تصحیح بھی اس کی نقل سے مربوط ہوگی نہ کہ حدیث سے، مثلا ابن ابی عمیر، ابن اذینہ سے نقل کرتے ہیں تو وہ اس نقل میں مصدق ہوں گے جب وہ مصدق در نقل ہوئے تو ثقہ ہوں گے۔ البتہ محدث نوری نے اس قول پر اشکالات کئے ہیں لیکن وہ زیادہ دقیق نہیں ہیں۔ ہاں یہ سوال باقی ہے کہ اگر توثیق ہی مراد تھی تو پھر ان ۱۸ افراد کے ساتھ تخصیص کی کیا ضرورت تھی جبکہ بہت سے اور رواۃ بھی ہیں جن کی وثاقت متفق علیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ افراد مراجع فقہ تھے اور مصادر علوم ائمہ تھے۔ اسی وجہ سے **بتصديقهم** پر عطف کرتے ہوئے کہا: **و اقرّوا لهم بالفقه و العلم** یعنی اجماع صرف ان کی وثاقت پر قائم نہیں ہے بلکہ ان کی فقاہت وعلم پر بھی ہے ائمہ کے دوسرے تلامذہ کے مقابل میں۔ جبکہ کشی نے انہیں اصحاب اجماع نہیں کہا بلکہ فقہاء کہا ہے۔

معنی ثانی:

معنی ثانی میں تین احتمال ذکر ہوئے ہیں:

احتمالِ اول : ان کی روایات صحیح ہیں قرائن داخلیہ یا خارجیہ کی وجہ سے یعنی **تصحیح ما یصح عنہ** کا مطلب یہ ہے کہ ان اصحاب کی روایات صحیح ہیں اور صحت اس معنی میں مراد ہے جو قدماء میں معروف تھا یعنی اطمینان ہو صدق روایت کے بارے بغیر اس کے کہ اس کے رواۃ کی توثیق ہو، اس احتمال میں ماصولہ سے مراد خود مروی و حدیث ہے جب ان تک روایت صحیح ہو جائے تو اس کی صحت کا حکم لگائیں گے اگر چہ سند مرسل ہو یا مشتمل ہو ضعیف یا مجہول پر۔

متاخرین یعنی علامہ یا ان کے شیخ احمد بن طاؤوس (م ۶۷۳) کے عصر سے صحیح کے معنی یہ رائج ہوئے جس کی سند معصوم تک متصل ہو نقل عدل امامی ضابط کے ذریعے تمام طبقات میں جبکہ قدماء کے نزدیک صحیح وہ حدیث تھی جو قرائن داخلیہ یا خارجیہ سے محفوف ہو جو اس کے صدق پر دال ہوں اگر چہ اس کی سند ضعیف ہو۔ تصحیح ما یصح عنہ کا یہ معنی محقق داماد نے الرواشح السماویہ ص ۴۱ میں اختیار کیا ہے اور محقق بہبہانی نے تعلیقہ میں اسے اختیار کیا ہے۔ اس قول سے کوئی ثمرۂ رجالی ثابت نہیں ہوتا چونکہ اس کی بناء پر نہ ان اصحاب اجماع کی توثیق ہوتی ہے اور نہ ان کے مشائخ کی۔

اس قول سے جواب دیتے ہوئے محدث نوری فرماتے ہیں کہ یہ قول موقوف ہے اس پر کہ صحیح عند القدماء و صحیح عند المتاخرین فرق رکھتا ہو جبکہ ایسا کوئی فرق ثابت نہیں ہے بلکہ دونوں کے نزدیک صحیح کے ایک معنی ہیں۔ صرف یہ کہ متاخرین صحیح میں راوی کے امامی ہونے کی شرط کرتے ہیں جبکہ قدماء روایت ثقہ پر صحیح کا اطلاق کرتے ہیں اگر چہ

غیر امامی ہو۔

لیکن یہ بات درست نہیں ہے چونکہ خبر کو قرائن داخلیہ یا خارجیہ کی بناء پر صحیح کہنا ثابت ہے۔قرینہ داخلیہ سے مراد وثاقت راوی ہے، متاخرین سب کے سب اسی کے قائل ہیں۔شیخ طوسی نے عدۃ الاصول بحث تعادل وتراجیح میں قرائن خارجیہ کو بیان کیا ہے جیسے خبر کا موافق ادلہ عقل ہونا یا موافق مضمونِ قرآن ہونا یا موافق سنت معتبرۃ ہونا یا موافق ہونا اس کے جس پر فرقہ مُحقّۃ کا اجماع ہو:

فھذہ القرائن کلھا تدل علی صحۃ متضمن اخبار الاحاد و لا تدل علی صحتھا انفسھا۔

یعنی یہ قرائن سب کے سب اخبار کے مضمون کی صحت پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ خود خبر واحد کی صحت پر۔

احتمال دوم و سوم: اصحاب اجماع کی روایات پر صحت کا حکم لگانا ان کی اور ان کے مشائخ کی وثاقت کی بناء پر یعنی ان کی احادیث صحیح ہیں نہ بسبب قرائن داخلیہ یا خارجیہ بلکہ اس لئے کہ یہ خود ثقہ ہیں اور جن سے انہوں نے روایت کی ہو تا معصوم وہ سب رواۃ ثقہ ہیں۔یہی احتمال محدث نوری نے اختیار کیا ہے۔انہوں نے اس قول کی تقریر و توضیح اور استدلال کو مفصل بیان کیا ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے اور ان کا استدلال اسے ثابت نہیں کرسکتا۔

اس قول کا سب سے بہترین جواب یہ ہے کہ اصحاب اجماع میں ضعفاء سے روایت کثرت سے واقع ہوئی ہے، جیسے

۱۔ کلینی نے باب من اوصی و علیہ دین و کتاب المیراث میں

روایت کی: **عن جمیل بن درّاج عن زکریا بن یحیی الشعیري عن الحکم بن عتیبة**، اس حکم کی مذمت میں متعدد روایات وارد ہیں۔ (رجالِ کشی، ص ۱۳۷)۔

۲۔ شیخ نے الفہرس میں حکایت کی: **ان یونس بن عبد الرحمن روی کتاب عمرو بن جمیع الازدي البصري ... و قد ضعّفه الشیخ و النجاشي**، اس کی مزید وضاحت مشائخ ثقات میں آئے گی۔ (کلیات الرجال استاد جعفر سبحانی مدظلہ)

۲۔ مشائخ الثقات

توثیق عام کا ایک اور مورد تین افراد کے بارے یہ جملہ ہے کہ محمد بن ابي عمیر و صفوان بن یحیی و محمد بن ابي نصر البزنطي لا یروون و لا یرسلون إلا عن ثقة، دو فائدے اس دعوی پر مترتب ہیں:

فائدہ اولی: جس سے یہ روایت کریں وہ ثقہ ہے، یہ ثمرہ رجالی ہے۔

فائدہ ثانیہ: ان کے مراسیل پر عمل ایسے ہی جائز ہے جیسے ان کے مسانید پر اگر چہ واسطہ مجہول یا مہمل یا ضعیف ہو، یہ ثمرہ اصولیہ ہے۔

اس بارے اصل شیخ طوسی کی **عدة الاصول** کی عبارت ہے، وہ فرماتے ہیں:

و إذا کان احد الراویین مسندا و الآخر مرسلا نظر في حال المرسل فإن کان ممّن انّه لا یرسل إلّا عن ثقة موثوق به فلا ترجیح لخبر غیره علی خبره و لإجل ذلک سوّت الطائفة بین ما یرویه محمد بن ابي عمیر و صفوان بن یحیی و احمد بن ابي نصر البزنطي وغیرهم من الثقات الذین عرفوا بانّهم لا

یروون و لا یرسلون إلّا ممّن یوثق به و بین ما اسنده غیرهم و لذلک عملوا بمراسیلهم إذا انفردوا بروایة غیرهم۔

(ج۱،ص۱۵۴، طبعہ حدیثہ ص۳۸۶)

اگر دو روایوں میں سے ایک مسنداً روایت کرے اور دوسرا مرسلاً تو دیکھیں ارسال کرنے والا کون ہے۔ اگر وہ ایسا راوی ہے جو ارسال نہیں کرتا مگر ثقہ سے تو دوسرے کی روایت کو اس کی مرسلہ روایت پر کوئی ترجیح نہیں ہو گی۔ اسی وجہ سے طائفہ امامیہ برابر قرار دیتے ہیں اسے جسے یہ تین افراد روایت کریں یا دوسرے ثقہ افراد جن کے بارے معروف ہے کہ یہ روایت یا ارسال نہیں کرتے مگر ثقہ سے اور اسے جسے ان کے غیر راوی مسنداً نقل کریں۔ اسی وجہ سے جماعت شیعہ ان کے مرسلات پر عمل کرتی ہے۔

ان تین افراد کی شناخت

۱۔ ابن ابی عمیر (۲۱۷/۲ھ)

آپ کو محمد بن زیاد البزاز یا الازدی کہا جاتا ہے۔ نجاشی نے کہا: و هو محمد ابن ابي عمير زياد بن عيسى ابو احمد الازدي من موالي المهلب بن ابي صفرة، بغدادی الاصل و المقام لقي ابا الحسن موسیٰ علیہ السلام و سمع منه احاديث كناه في بعضها فقال : يا ابا احمد و روى عن الرضا علیہ السلام، جليل القدر ، عظيم المنزلة فينا و عند المخالفين الحافظ يحكى عنه في كتبه و قد ذكره في المفاخرة بين العدنانية و القحطانية۔ جاحظ نے البیان والتبیین میں کہا: حدثني إبراهيم بن داحة عن ابن ابی عمير و كان وجها من وجوه الرافضة ۔ آپ مہلب ابن ابی صفرہ کے موالی تھے بغداد کے

رہنے والے تھے، امام کاظمؑ سے روایات لیتے۔بعض روایات میں امام نے آپ کو یا ابا احمد کہہ کر خطاب کیا، حافظ ابن حجر نے اپنی کتب میں آپ کے بارے کہا کہ آپ مفاخر میں سے تھے۔جاحظ نے بھی کہا کہ آپ روافض کے بزرگان میں سے تھے۔

ایامِ رشید میں آپ کو قید میں ڈالا گیا۔بعض نے کہا تا کہ مسند قضاوت قبول کر لیں،بعض نے کہا تا کہ اصحاب امام کاظم ؑ کے بارے خبر دیں۔و روي کہ آپ کو کوڑے مارے جارہے تھے،شدت تکلیف سے قریب تھا کہ آپ کچھ کہہ دیتے کہ آپ نے محمد بن یونس بن عبد الرحمٰن کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے اتق اللّٰہ یا محمد بن ابي عمیر فصبر ففرّج اللّٰہ۔خدا سے ڈرو اے ابن ابی عمیر آپ نے صبر کیا اور خداوند نے آپ کو رہائی دلائی۔روایت کی گئی ہے کہ آپ کو مامون نے قید میں ڈالا یہاں تک کہ بعض بلاد کی قضاوت آپ نے قبول کر لی۔

و قیل آپ کی بہن نے آپ کی کتب کو اس حالت میں دفن کر دیا جب وہ چھپی ہوئی تھیں،ابن ابی عمیر چار سال قید میں رہے جس کی وجہ سے ان کی سب کتب ضائع ہو گئیں۔و قیل آپ کی بہن نے آپ کی کتب ایک غرفہ میں رکھی تھیں ان پر بارش کے پڑنے سے وہ سب خراب ہو گئی،آپ نے پھر حفظ سے احادیث بیان کیں اس وجہ سے آپ کے مراسیل کو اصحاب قبول کرتے ہیں۔

نجاشی احمد بن محمد بن خالد سے روایت کرتے ہیں کہ ان ابن ابي عمیر صنّف اربعة و تسعین کتابا ...۔کہ ابن ابی عمیر نے چورانوے کتب لکھی۔و مات سنة سبع عشرة و مائتین۔اور ۲۱۷ ہجری میں فوت ہوئے۔شیخ طوسیؒ نے فہرست میں کہا: کان من اوثق الناس عند الخاصة و العامة و نسکھم نسکا و اورعھم و اعبدھم و قد ذکرہ الحافظ في کتابہ فخر قحطان علی عدنان

... انه كان اوحد اهل زمانه في الاشياء كلها۔ آپ نے تین آئمہ علیہم السلام کو ادراک کیا امام موسیٰ کاظم، امام رضا اور امام جواد علیہم السلام کو۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے آپ سے ۱۰۰ افراصحاب کی کتب کو روایت کیا ہے۔ (فہرس، ترجمہ رقم ٦١٨)

اصحاب میں سے ایسے اور افراد بھی تھے جن کے بارے مشہور تھا کہ یہ نقل نہیں کرتے مگر ثقہ سے۔ جیسے احمد بن محمد بن عیسیٰ قمی، جعفر بن بشیر بجلی، محمد بن میمون، زعفرانی، علی بن حسن طاطری۔ (نجاشی، ص ۵)

شیخ طوسی اس فن میں تبحر تھے وہ اس تسویہ پر متوجہ ہو گئے اگر چہ آپ کے معاصرین میں سے کسی نے اسے نقل نہیں کیا اور نہ متاخرین میں سے کسی نے ساتویں صدی ہجری تک۔ ہاں! نجاشی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لہٰذا شیخ نے ان تین مشائخ کے بارے علماء وفقہاء طائفہ کے ایک بڑے مجموعے کی آراء پر اطلاع حاصل کر لی جو ان کی مسانید و مراسیل کے درمیان برابری کے قائل تھے۔ اس کا مفاد ان کے سب مشائخ کی توثیق ہے۔ شیخ کی فہرس و رجال دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ شیخ کے پاس کتب رجال وفہارس کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ ساتویں صدی ہجری سے علماء کی تصریحات اس بارے ملتی ہیں، محدث نوری نے ان کی تفصیلات ذکر کی ہیں:

۱۔ **سید علی ابن طاؤوس** (٦٦۴ م) فلاح السائل میں فرماتے ہیں: **و مراسيل ابن ابي عمير كالمسانيد عند اهل الوفاق۔** ان کے بھائی احمد ابن طاؤوس نے اس بات کی مخالفت کی ہے۔

۲۔ محقق نے معتبر میں بحث کرّ میں کہا: **ولا طعن في هذه بطريق الإرسال لعمل الاصحاب بمراسيل ابن ابي عمير۔**

۳۔ فاضل آبی نے کشف الرموز میں کہا: **و هذه و إن كانت مرسلة**

لکن الاصحاب تعمل بمراسیل ابن ابي عمیر۔

۴۔ علامہ نے نہایہ میں کہا: **الوجہ المنع إلاّ إذا عرف ان الراوی فیہ لا یرسل إلا عن عدل کمراسیل ابن ابی عمیر۔**

شہید اول ذکری میں، ابن فہد حلی، محقق ثانی، صاحب جامع المقاصد وشہید ثانی وغیرہ سب نے ایسی تصریحات کی ہیں۔ ظاہراً یہ متاخرین کی طرف سے تسویہ وہی شیخ ونجاشی کے دعوی کی بناء پر ہے نہ کہ انہوں نے خود اس بارے تتبع کی ہو۔ شیخ کے دعوی سے اس بارے اتفاقِ فقہاء تو ثابت نہیں ہوسکتا لیکن مشہور کی توثیق مشائخ ابن ابی عمیر کے بارے کافی ہے۔ لیکن کچھ فقہاء اس تسویہ کو قبول نہیں کرتے اور اس پر اشکال کرتے ہیں:

۱۔ شیخ طوسی نے تہذیب واستبصار کے کئی مقامات پر اس پر مرسلہ ہونے کا اشکال کیا ہے لیکن عدة الاصول ان سے بعد میں لکھی گئی ہے لہذا یہ دعویٰ تسویہ شیخ کی آخری حیات میں حاصل ہوا ہے اور اس سے انصراف ہوگا جو ان دو کتابوں میں کہا۔

۲۔ محقق نے معتبر میں کہا:

و لو قال قائل مراسیل ابن ابي عمیر تعمل بها الاصحاب منعنا ذلک لان في رجاله من طعن الاصحاب فیه فإذا ارسل احتمل ان یکون الراوي احدهم۔

اگر کوئی کہے کہ اصحاب امامیہ ابن ابی عمیر کے مرسلات پر عمل کرتے ہیں تو ہم اس بات کی نفی کریں گے۔ اس لیے کہ وہ جن

افراد سے روایت کرتے ہیں ان میں ضعیف بھی موجود ہیں۔
ارسال کی صورت میں ہوسکتا ہے راوی انہی میں سے ایک ہو۔
شیخ بہائیؒ نے الوجیزۃ میں اس سے جواب دیا کہ ابن ابی عمیر کا بعض دفعہ غیر ثقہ سے روایت کرنا مضر نہیں ہے چونکہ یہ اس کے ارسال میں دعوی ہے لا یرسل إلا عن ثقة نہ کہ لا یروي إلا عن ثقة۔لیکن یہ جواب درست نہیں ہے اس لئے کہ شیخ طوسی نے عدۃ میں کہا عرفوا بانهم لا یروون و لا یرسلون إلا عن ثقة ،یعنی یہ جیسے ارسال نہیں کرتے مگر ثقہ سے اسی طرح روایت بھی نہیں کرتے مگر ثقہ سے۔

۳۔ سید جمال الدین طاؤس (۶۷۳م) صاحب البشری اس دعوی کے خلاف شہید ثانی کی درایہ سے نقل کرتے ہیں۔

۴۔ شہید ثانی نے درایہ میں کہا: **و فی تحقق هذا المعنی و هو العلم بکون المرسل لا یروی إلا عن ثقة نظر**۔اس چیز کا ثبوت یعنی یہ علم کہ ارسال کرنے والا روایت نہیں کرتا مگر ثقہ سے اشکال رکھتا ہے۔

۵۔ صاحب مدارک سید محمد سبط شہید ثانی (۱۰۰۹م)

۶۔ ولد شہید ثانی صاحب المعالم (۱۰۱۱م) معالم میں اس پر اشکال کرتے ہیں۔

الثالث: ابن ابی عمیر کے مشائخ بہت زیادہ ہیں۔بعض نے ۴۱۰ تک ذکر کیے ہیں۔شیخ نے الفہرس میں کہا: انه روی عنه احمد بن محمد بن عیسی القمي کتب مائة رجل من رجال الصادق علیه السلام۔محدث نوری نے آپ کے ۱۱۳ شیخ ذکر کیے۔آقائے خوئی نے معجم الرجال میں ۲۷۰ شیخ ذکر کیے ہیں۔صاحب مشائخ ثقات

نے ۳۹۷ مشائخ ان تینوں بزرگوں کے ذکر کیے ہیں اگر چہ انہوں نے بعض جو مشائخ ذکر کیے وہ مشائخ نہیں تھے، جیسے

ا۔محمد بن سنان کو مشائخ ابن ابی عمیر میں سے شمار کیا ہے چونکہ ایک روایت میں آیا ہے: روى الشيخ الحر العاملي عن الصدوق في علل الشرائع عن محمد بن الحسن بن الصفار عن يعقوب بن يزيد عن محمد بن ابي عمير عن محمد بن سنان عمن ذكره عن ابي عبد الله ع في حديث ان نبيا من الانبياء بعثه الله إلى قومه فاخذوه فسلخوا فروة راسه و وجهه فاتاه ملک فقال له: إن الله بعثني إليک فمرني بما شئت فقال لي: اسوة لما يصنع بالحسين۔ اس روایت میں چونکہ ابن ابی عمیر نے محمد بن سنان سے روایت کی ہے اس لئے اسے ان کے مشائخ میں سے شمار کیا ہے جبکہ یہ درست نہیں ہے۔

محمد بن سنان آپ کے معاصر تھے نہ کہ مشائخ میں سے تھے۔آپ کی وفات ۲۱۷ میں ہوئی اور ابن سنان کی ۲۲۰ میں۔ثانیاً علل الشرائع میں اس کی جگہ وارد ہے و محمد بن سنان ہے اور یہ اشتباہ کثرت سے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب معالم نے مقدمہ منتقی الجمان میں اس پر تنبیہ کی ہے وہ فائدہ ثالثہ میں فرماتے ہیں: حيث إن الغالب في الطرق هو الوحدة و وقوع كلمة عن في الكتابة بين اسماء الرجال فمع الاعجال يسبق إلى الذهن ما هو الغالب فيوضع كلمة عن في الكتابة موضع واؤ العطف و قد رايت في نسخة التهذيب التي عندي بخط الشيخ رحمه الله عدة مواضع سبق فيها القلم إلى إثبات كلمة عن في موضع الواؤ ثم وصل بين طرفي العين و جعل على صورتها واؤ و التبس ذلک على بعض النساخ فكتبها بالصورة الاصلية في بعض مواضع

الاصلاح و فشا ذلک في النسخ المتعددة و لما راجعت خط الشيخ فيه تبينت الحال و ظاهر ان إبدال الواؤ عن نقيضي الزيادة التي ذکرنا (کثرة الواسطة و زيادتها) فإذا کان الرجل ضعيفا ضاع به الاسناد فلا بد من استفراع الوسع في ملاحظة امثال هذا و عدم القناعة بظاهر الامور۔

۲۔ نجیۃ بن اسحاق فزاری:

روی الصدوق عن ابيه حدثنا علي بن إبراهيم عن محمد بن عيسى قال حدثنا محمد بن زياد مولى بني هاشم قال حدثنا شيخ لنا ثقة يقال نجيّة بن إسحاق الفزاری، قال حدثنا عبد الله بن الحسين قال : قال لي ابو الحسن عليه السلام : لم سميت فاطمة فاطمة۔ (علل الشرائع، باب۱۴۲)

اس روایت میں محمد بن زیاد سے ابن ابی عمیر مراد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔اس لئے کہ کتب حدیث میں محمد بن ابی عمیر کا نام یعنی جب محمد بن زیاد ذکر ہوتو اس کے ساتھ ازدي یا البزاز کوضرور ذکر کرتے ہیں اور رجال میں محمد بن زیاد نام کے نوراوی ذکر ہوئے ہیں ۔ثانیاً: ابن ابی عمیر کو کسی رجالی نے مولی بنی ہاشم نہیں کہا بلکہ من موالي بني المهلب کہا گیا ہے۔اما نجية بن إسحاق کتب رجال میں نہیں آیا نجيّة بن الحارث آیا ہے۔

۳۔ معاویۃ بن حفص

روی الصدوق عن شيخه محمد بن الحسن بن الوليد (۳۴۳م) قال حدثنا محمد بن الحسن بن الصفار قال حدثنا الحسين بن الحسن بن ابان عن الحسين بن سعيد عن ابن ابي عمير عن حماد بن عثمان و معاوية بن حفص عن منصور جميعا عن ابي عبد الله عليه السلام قال کان ابو

عبد اللہؑ في المسجد الحرام۔

(علل الشرائع، ج۲، ص۴۵۳، باب۲۱۰، ح۴)

اس حدیث کی بناء پر معاویہ بن حفص کو ابن ابی عمیر کا شیخ شمار کیا ہے جبکہ یہ کتب رجال میں معنون نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ کہ ظاہراً واؤ عاطفہ کے ذریعے معاویہ کا عطف ابن ابی عمیر پر ہے چونکہ جمیعاً کہا ہے یعنی درحقیقت حسین بن سعید، امام صادقؑ سے دو سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الاول : عن معاوية بن حفص عن منصور عن ابی عبد اللهؑ

الثاني: حسين بن سعيد عن ابن ابی عمير عن حماد عن ابی عبد اللهؑ۔

۴۔ عبدالرحمٰن بن ابی نجران

روى الشيخ في التهذيب عن الحسين بن سعيد عن فضالة بن ايوب و محمد بن ابي عمير و صفوان بن يحيى عن جميل و عبد الرحمن بن ابي نجران عن محمد بن حمران قال سئلت ابا عبد اللهؑ عن النبت الذي في ارض الحرم۔ (تہذیب، ح۱۲۲۸)

اس حدیث کی بناء پر عبدالرحمٰن کو ابن ابی عمیر کا شیخ قرار دیا گیا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ عبدالرحمٰن کا جمیل پر عطف ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے چونکہ عبدالرحمٰن جمیل کے طبقہ سے نہیں ہیں بلکہ ان کا باپ ابونجران اس طبقہ سے ہے۔ قال النجاشي عبد الرحمن بن ابي نجران كوفي روى عن الرضا روى ابوه ابو نجران عن ابي عبد اللهؑ۔ لہٰذا عبدالرحمٰن خود ابن ابی عمیر کے طبقہ سے ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن خالد جو کہ ابن ابی عمیر سے بعد والے طبقہ کے رواۃ میں

سے ہے اس عبد الرحمٰن سے روایت کرتا ہے۔ بناء بریں حسین بن سعید کی دو سندیں ہیں:

الاول ۔ حسین بن سعید عن فضالة محمد بن ابي عمير و صفوان عن جميل

الثاني ۔ عن عبد الرحمن بن ابي نجران عن محمد بن حمران

لہذا عبد الرحمٰن فضالہ بن ایوب پر عطف ہے نہ کہ جمیل پر۔

۵۔ المعلّٰی بن خنیس

روى الشيخ باسناده عن الحسن بن محمد بن سماعة عن محمد بن زياد يعني ابن ابي عمير عن معلّى بن خنيس قال قلت لابي عبد الله عليه السلام: اشترى الزرع قال إذا كان على قدر شبر۔

(وسائل، ج ۱۳، باب ۱۱، بیع الثمار)

ظاہراً ابن ابی عمیر اور معلّٰی کے درمیان واسطہ ساقط ہوا ہے چونکہ معلّٰی امام صادق کے زمانے میں داؤد بن علی کے ہاتھوں منصور کے حکم پر قتل ہو گئے تھے اور بعید ہے کہ ابن ابی عمیر (۲۱۷م) ان سے بلا واسطہ روایت کرے اس لئے کہ داؤد کی وفات ۱۳۳ ھ میں ہوئی جیسا کہ کامل الزیارات ج ۵ ص ۴۴۸ پر مذکور ہے۔ گویا معلّٰی کا قتل ۱۳۳ ھ سے پہلے ہوا ہے۔ صفوان بن یحییٰ متوفی ۲۱۰ ھ کتاب معلّٰی بواسطہ معلّٰی بن زید الاحول روایت کرتے ہیں۔ (نجاشی، رقم ۱۱۱۴) بناء بریں معلّٰی مشائخ ابن عمیر سے نہیں ہو سکتے۔

الخامس

اس جملے فإن كان ممن يعلم انه لا يرسل إلاّ عن ثقة موثوق به

...الــــخ میں آیا انسان موثوق بہ ہے چاہے امامی ہو یا غیر امامی، یا خصوص عدلِ امامی ہے؟ چونکہ ثقہ کے تین معنی مراد لئے گئے ہیں:

المعنی الاول : زبان کا سچا ہو اگر چہ اعضاء و جوارح کے لحاظ سے گناہ گار ہو، کذوب کے مقابل۔ یہ ظاہر ہے جب **ثقة في الحديث** کہا جائے۔

المعني الثاني: متحرز عن المعاصي كلها و منها الكذب چاہے امامی ہو یا غیرہ۔ تمام گناہوں سے پرہیز کرے جھوٹ ان میں سے ایک گناہ ہے چاہے امامی ہو یا غیر امامی۔

المعني الثالث : یہی معنی ثانی مراد ہیں ساتھ ساتھ صحیح المذہب بھی یعنی امامی ہو، بعض قائل ہیں کہ شیخ کی عبارت میں یہ تیسرے معنی مراد ہیں کیونکہ:

اولاً: شیخ **ترجيح احد الخبرين على الآخر** میں فرماتے ہیں: **بان رواية المخالف شيعيا كان ام غيره إنما يحتج بها إذا لم يكن في مقابلها خبر مخالف مروي من الفرقة المحقة و إلّا فلا يحتج بها** ۔ شیخ کی عبارت یہ ہے: **فاما إذا كان مخالفا في الاعتقاد لاصل المذهب و روى مع ذلک عن الآئمة عليهم السلام نظر فيما يرويه فإن كان هناک من طرق الموثوق بهم ما يخالفه وجب إطراح خبره و إن لم يكن هناک ما يوجب إطراح خبره و يكون هناک ما يوافقه وجب العمل به و إن لم يكن هناک من الفرقة المحقة خبر يوافق ذلک و لا يخالفه و**

لا يعرف لهم قول فيه وجب ايضا العمل به۔(عدۃ الاصول، ج ۱)
اگر کوئی راوی مذہب کے لحاظ سے ہمارا مخالف ہو لیکن آئمہ علیہم السلام سے روایت کرے تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے برخلاف ایک روایت ایسے طریق سے منقول ہو جو ثقہ افراد ہوں تو اس روایت کو چھوڑ دیں گے۔لیکن اگر اس کے برخلاف کوئی ایسی روایت نہ ہو بلکہ اس کے موافق ایسی روایت ہو تو اس پر عمل واجب ہے اور اگر شیعہ رواۃ کی طرف سے کوئی روایت اس کے موافق یا مخالف نہ ہو تو بھی اس پر عمل واجب ہے۔
شیخ نے دوسرے فرقوں جیسے فطحیہ، ناووسیہ و واقفیہ کے بارے بھی یہی کہا ہے۔

ثانیًا: فرمایا: إن الطائفة سوّت بين مراسيل الثلاثة و مسانيد غيرهم ، ان مسانید غیر سے مراد وہ احادیث ہیں جو طرق امامیہ سے نقل ہوئی ہو۔ پس ان تین میں سے جو جن ثقہ سے ارسال کرتے ہیں وہ بھی عادل امامی ہونا چاہیے تا کہ تسویہ صحیح ہو سکے۔

پس یہ اقطاب ملتزم تھے کہ روایت نہ کریں مگر **ثقة بالمعنى الاخص** سے لہٰذا اگر ان میں کوئی اپنی مسانید میں ضعیف في الحديث سے یا صدوق فاسد المذہب سے روایت کریں تو قاعدہ ٹوٹ جائے گا۔انتہی

یہ بات دو امر پر موقوف ہے: اولاً ثقہ سے مراد اصطلاحِ قدماء ہو جو کہ عدلِ امامی ہے۔ثانیاً حجیۃ خبر واحد میں قدماء کے مسلک کو مان لیں کہ خبر مخالف (یعنی سنی راوی) میں مقتضی حجیت غیر تام ہے۔لیکن یہ دونوں امر ثابت نہیں ہیں۔چونکہ ثقہ سے امامی کا استفادہ مشکل ہے جبکہ ثقہ کے ایک ہی معنی ہیں و هو من يوثق به في العمل

الذي نريله منه (جو جس کا کام ہے وہ اس میں قابل بھروسہ ہو) جیسے طبیب کا کام علاج ہے اس میں وہ قابل بھروسہ ہو، راوی کا کام روایت وحدیث ہے وہ روایت میں قابل بھروسہ ہو۔ اور یہ بھی ثابت نہیں کہ قدماء ثقہ سے مراد خصوصِ عدل امامی لیتے تھے برخلاف عرف۔

اما شیخ نے جو تفصیل دی اخبار غیر امامی میں یہ شیخ کا اپنا مختار ہے نہ کہ تمام اصحاب کا۔ لہٰذا آگے فرماتے ہیں فاما ما اخترته من المذهب فهو ان الخبر الواحد إذا كان واردًا من طريق اصحابنا....پھر استدلال بیان فرماتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب مطلقاً عمل کرتے ہیں **خاطئين في الاعتقاد** کی اخبار پر (یعنی فاسد المذہب رواۃ کی روایات پر)۔

لہٰذا حجیت خبر واحد میں شیخ کے مختار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ لانهم لا يروون و لا يرسلون إلّا عن ثقة میں بھی آپ کی مراد ثقہ سے **ثقة بالمعنى الاخص** ہے۔ مگر یہ کہ ثابت ہو جائے کہ آپ کا مختار اور اصحاب کا مختار حجیت خبر واحد میں ایک جیسا ہے۔ بناء بریں اس قاعدہ کا نقض تب ہوگا کہ یہ افراد ضعیف راوی سے روایت کریں۔ لیکن فاسد المذہب اگر سچا ہو تو اس سے روایت کرنے سے قاعدہ نہیں ٹوٹے گا جیسا کہ ابن ابی عمیر نے ۱۳ واقفی شیوخ سے روایت کی ہے:

۱۔ إبراهيم بن عبد الحميد الاسدي
۲۔ حسين بن مختار
۳۔ حنان بن سدير
۴۔ داؤد بن الحصين
۵۔ درست بن ابي المنصور
۶۔ زكريا المؤمن
۷۔ زياد بن المروان القندي
۸۔ سماعة بن مهران
۹۔ سيف بن عميرة
۱۰۔ عثمان بن عيسى

۱۱۔محمد بن إسحاق بن عمار ۱۲۔منصور بن یونس بزرج

۱۳۔موسیٰ بن بکر

فطحی المذہب مشائخ سے:

۱۴۔إسحاق بن عمار الساباطي ۱۵۔إسماعیل بن عمار

۱۶۔یونس بن یعقوب ۱۷۔عبد اللّٰہ بن بکیر

۱۸۔خالد بن نجیح جوّان

ابن ابی عمیر نے درج ذیل جماعت عامہ سے روایت ہے:

۱۹۔مالک بن انس

۲۰۔محمد بن عبد الرحمن بن ابي لیلٰی القاضی المعروف کما فی کمال الدین، ص ۴۱۱

۲۱۔محمد بن یحیی الخثعمي کما في فهرس الشیخ فی ترجمته.

۲۲۔ابو حنیفة علی ما في الاختصاص

ابن ابی عمیر نے بعض زیدیہ سے بھی روایت کی ہے

۲۳۔زیاد بن المنذر علی ما في الفهرس

اور بعض ناؤوسیہ سے بھی روایت کی ہے مثل ابان بن عثمان المرمي بالناووسیّة اگر چہ درست نہیں۔

السادس

وہ جو قد رمتیقن ہے کہ یہ ثقہ سے نقل کے پابند تھے۔یہ وہاں ہے جہاں بلا واسطہ نقل کریں۔اما بالواسطہ نقل میں ایسی پابندی اس عبارت سے نہیں سمجھی جا سکتی۔

السابع

اس تسویہ پر شہید ثانی وغیرہ نے اعتراض کیا ہے۔ آپ اپنے استاد شیخ الشریعۃ اصفہانی سے بھی اس کی عدم صحت نقل کرتے ہیں۔ آقائے خوئی نے معجم الرجال میں شہید ثانی کے اعتراض کو نقل کیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اولاً۔ اگر یہ تسویہ صحیح ہوتا تو قدماء میں سے کوئی ایک اسے ذکر کرتا لہٰذا یہ بات زیادہ محتمل ہے اس دعوی کا منشاء وہی کشی کا دعویٰ اجماع ہے **علی تصحیح ما یصح عن ھؤلاء** والا چونکہ شیخ نے اس تسویہ میں تعمیم دی یہ تین اور ان کے غیر **الذین عرفوا بانھم یروون إلا عمن یوثق بہ** اور اس دور میں سوائے دعوای کشی کے اور کوئی اس بات سے معروف نہیں تھے۔ لہٰذا شیخ کے تسویہ کو اصحاب کی طرف منسوب کرنا ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ کیونکہ شیخ نے خود کئی موارد میں روایتِ ابن ابی عمیر ارسال کی وجہ سے ردّ کی ہے۔

شہید کی بات پر اشکال، یہ درست ہے کہ قدماء کی کلام میں یہ دعوی نہیں ملتا لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ ان کے کلمات میں اس کا نہ نام ہے نہ نشان۔ کیونکہ سب کتب تو ہم تک پہنچی نہیں ہیں ہم تک قدماء کی کتب میں سے صرف کشی کی کتاب پہنچی ہے اور وہ بھی اصل کتاب نہیں ہے بلکہ وہ جس کی شیخ نے تہذیب کی ہے اور سوائے رجالِ برقی کے کہ جس کو شیخ نے فہرس میں طبقات الرجال کہا ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ شیخ نے یہ تسویہ کتبِ فقہیہ سے استنباط کیا ہو جو کہ ہم تک نہیں پہنچیں۔

اما یہ کہنا کہ شیخ نے وغیرہم کہا اور اصحاب اجماع کے علاوہ کوئی اور اس وصف سے معروف نہیں تھے یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ دوسرے افراد کے نام جو اس وصف سے مشہور تھے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے علماء نقل عن الضعفاء کو ضعف شمار

کرتے تھے جیسا کہ کہا گیا ہے احمد بن محمد بن خالد البرقي إلّا انه يروي عن الضعفاء ...۔اور یہ کہ شیخ نے خود تہذیب واستبصار میں اس کی جو مخالفت کی ہے اس کی وجہ بیان ہو چکی کہ شیخ نے ان دونوں کتابوں کو اوائل جوانی میں تالیف کیا تھا اس وقت آپ ان اجلاّء کے مراسیل کے بارے سیرہ اصحاب سے واقف نہیں تھے ، بعد میں رجال وفقہ کی کتب میں بہت زیادہ تحقیق وجستجو کے نتیجہ میں آپ اس سیرہ سے واقف ہوئے ۔آپ نے عدۃ الاصول ایام سید مرتضٰی (۴۳۶م) میں تالیف کی جب آپ کی عمر شریف ۵۰ سال سے تجاوز کر چکی تھی ۔ممکن ہے کوئی کہے شیخ نے جو تسویہ ذکر کیا اس کا منشاء وہ ہو کہ ہر امامی کی خبر حجت ہے جس سے فسق ظاہر نہ ہوا ہو اور حجیت خبر کیلئے وثاقت شرط نہیں ہے ۔لیکن یہ بھی درست نہیں! شیخ خود عدۃ الاصول میں وثاقت کو شرط قرار دیتے ہیں ،فرماتے ہیں:

إن واحدًا منهم إذا افتى بشيء لا يعرفونه سئلوه من اين قلت هذا ؟ فإذا احالهم على كتاب معروف او اصل مشهور و كان راويه ثقة لا ينكر حديثه سكتوا و سلّموا الامر في ذلك و قبلوا قوله و هذه عادتهم و سجيتهم من عهد النبي ۔صلى الله علي و آله۔ و من بعده من الأئمة ۔عليهم السلام۔ ۔

جب ان میں سے کوئی شخص ایک چیز کے بارے فتویٰ دے تو اس سے وہ پوچھتے ہیں کہ تم نے کہاں سے کہا؟ اگر وہ کسی مشہور کتاب یا اصل کا حوالہ دے اور اس کا راوی ثقہ ہو جس کی روایت قبول کی جاتی ہو تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں اور اس کی بات مان لیتے ہیں ۔یہی عادت و رویہ ہمیشہ سے ہے۔

بعض نے کہا علامہ اس نظریئے کے قائل تھے اس لئے کہ وہ ترجمہ احمد بن اسماعیل بن عبداللہ میں کہتے ہیں: **لم ینصّ علمائنا علیه بالتعدیل و لم یرو فیه جرح فالاقوی قبول روایته مع سلامتها من المعارض** ۔یعنی علماء نے اس کی توثیق ذکر نہیں کی اور اس بارے مذمت بھی وارد نہیں ہوئی پس بناء بر اقوی اس کی روایت قبول ہوگی بشرطیکہ معارض نہ رکھتی ہو۔ (الخلاصۃ ،ص ۱۶)۔لیکن ممکن ہے علامہ نے یہ اس لئے کہا ہو جو نجاشی نے ان کے ترجمہ میں کہ: **له عدة كتب لم يصنف مثلها و انّ اباه كان من غلمان احمد بن ابي عبد الله البرقي و ممن تادب عليه و ممن كتبه**۔ (فہرس نجاشی ،رقم ۲۴۲)

یا جو شیخ نے کہا: **كان من اهل الفضل و الادب و العلم و له عدة كتب لم يصنف مثلها فمن كتبه كتاب العباسي و هو كتاب عظيم نحو عشرة آلاف ورقة في اخبار الخلفاء و الدولة العباسية مستوفى**، (فہرس: ۲۳) ۔ان جملات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مشاہیر شیعہ علماء میں سے تھے اور ایسی شخصیت کو توثیق کی ضرورت نہیں ہوتی صرف یہی کافی ہے کہ اس کے بارے قدح و مذمت وارد نہ ہوئی ہو تو اس کی توثیق کا حکم لگائیں گے۔اور یہ علماء کا طریقہ کار رہا ہے کہ وہ اعاظم کے بارے وثاقت کا حکم لگاتے تھے اگر چہ ان کی وثاقت کی تصریح وارد نہ ہوئی ہو۔اسی بناء پر ہم ابراہیم بن ہاشم وصدوق وغیرہ کی توثیق کا حکم لگاتے ہیں۔

و ثالثًا : یہ بات ثابت کرنا بہت مشکل ہے کہ یہ **لا یروون و لا یرسلون إلاّ عن ثقة**، یا تو خود راوی اپنے بارے ایسی تصریح کردے یا ان کی مسانید و مشائخ میں تتبع کیا جائے اور کسی ضعیف سے ان کی روایت نہ ملے۔اما پہلا طریقہ کہ خود انہوں ایسی تصریح کی ہو کہیں ثابت نہیں ہے۔اما دوسرا طریقہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت

ہوسکتا ہے کہ کسی ضعیف راوی سے روایت ان کی ملی نہیں ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے ضعیف سے روایت نہیں کی۔ اگر یہ بات درست ہو تب بھی مسانید میں درست ہے۔ لیکن مراسیل میں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ خود ابن ابی عمیر کو ان سب کے نام یاد نہیں تھے جن سے اس نے روایت کی ہے تو دوسرے کیسے انہیں جان کر ان کی وثاقت کو پہچان سکتے ہیں۔

جواب: پہلی شق بھی صحیح ہوسکتی ہے، ہوسکتا ہے خود انہوں نے ایسی تصریح کی ہو جس پر شیخ اور نجاشی واقف ہوئے ہوں اور ہم نہ جان سکے ہوں چونکہ قدماء کی بہت سی کتب ضائع ہوگئی۔ لیکن یہ صرف احتمال ہے۔ بہتر ہے کہ دوسری شق اختیار کریں اور وہ یہ کہ ان کے مسانید میں تتبع کریں استقراء سے ثابت ہو جائے کہ ان میں کوئی ضعیف مروی عنہ نہ ہو اس سے یہ اطمینان حاصل ہو جائے گا کہ یہ ضعاف سے روایت نہ کرنے کے پابند تھے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر مسانید و مراسیل میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

یہاں تک ان تین اشکالات کا جواب روشن ہو گیا۔ مہم چوتھا اشکال ہے اور وہ یہ کہ ان کی مسانید میں ضعاف سے روایت ملتی ہے۔ آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں ابن ابی عمیر کے مشائخ میں چار افراد کا نام ذکر کیا ہے جو کہ ضعیف ہیں:

۱۔ علي بن ابی حمزة البطائني

۲۔ یونس بن ظبیان

۳۔ علي بن حديد

۴۔ حسن بن احمد المنقری

۱۔ علي بن ابی حمزة البطائني

روی الکلینی عن ابن ابی عمیر عن علي بن ابی حمزة عن ابی

بصير قال شكوت إلى ابى عبد الله الوسواس ۔

(الکافی، ج ۳، کتاب الجنائز، ح ۲۰)

روى الكشي عن ابن مسعود العياشي قال سمعت علي بن الحسن بن فضال يقول ابن ابي حمزة كذاب ملعون و قد رويت عنه احاديث كثيرة و كتبت تفسير القرآن من اوله إلى آخره إلا إني لا استحل ان اروي عنه حديثا واحدا۔ (رجال کشی، رقم ۷۵۶)

اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ روایت قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ علی بن حسن بن فضال خود فطحی ہے جوکہ متولد بھی علی بن ابی حمزہ کی وفات کے بعد ہوا ہے ۔ چونکہ حسن بن فضال ۲۲۴ھ میں فوت ہوا، ان کا بیٹا کہتا ہے: كنت اقابله (الوالد) و سني ثمان عشرة سنة بكتبه و لا افهم إذ ذاك الروايات و لا استحل ان ارويها عنه، یعنی موتِ والد کے وقت یہ بیٹا ۱۸ سال کا تھا تو گویا یہ ۲۰۶ھ متولد ہوا ہے جبکہ علی بن ابی حمزہ حیاتِ امام رضا علیہ السلام میں فوت ہوگیا تھا اور امام رضا علیہ السلام کی وفات ۲۰۳ھ میں ہے ۔

و ثانیًا: کشی نے یہی روایت علی بن ابی حمزہ کے بیٹے حسن کے ترجمہ میں ذکر کی ہے اور ظاہرا یہ ابن فضال کا طعن بیٹے کی طرف راجع ہے نہ کہ باپ کی طرف ۔ چونکہ ابن فضال نے باپ کو ادراک نہیں کیا ۔ یہ تو امامین الہادی و العسکری علیہما السلام کے دور میں تھا لہٰذا یہ کیسے علی بن ابی حمزہ سے احادیث و تفسیر کو لکھ سکتا ہے ۔

ب: ما في الكشي رقم ۷۵۴، ۷۵۷، ۸۳۲، ۸۳۵ و ۸۳۶ بسنده عن علي بن ابى حمزة نفسه قال قال لي ابو الحسن موسىٰ علیہ السلام: يا علي انت و اصحابك شبه (اشباه) الحمير و نظير ذلك في غيبة الطوسي،

ص ۴۴۔

وفیه ، اولاً: امامؑ سے بعید ہے کہ کسی کو اس کے منہ پر ایسی گالی دیں جیسا کہ کشی نے ص ۴۹۷ پر قمیوں کی طرف سے یونس بن عبد الرحمٰن کے بارے اخبار کا جواب دیتے ہوئے کہا: فإن ابا الحسن اجلّ خطرا و اعظم قدرا من ان یسب احدا صراحا (معجم رجال الحدیث، ج ۴، ص ۲۳۰)۔ ثانیاً یہ روایت کذب خبری پر دلالت نہیں کرتی ہے صرف ان کی حماقت وغباوت پر دلالت کرتی ہے۔

ح: ما روی عن الرضا علیه السلام مسندا (فیه ابو علي الفارسي المجهول) عن محمد بن عیسٰی عن یونس بن عبد الرحمن قال دخلت علی الرضا علیه السلام فقال لي : مات علي بن ابي حمزة ؟ قلت : نعم ، قال : قد دخل النار ، قال ففزعت من ذلک ، قال : اما انه سئل عن الإمام بعد موسٰی علیه السلام: ابی فقال : لا اعرف ، اما مابعده فقیل : لا ، فضرب في قبره ضربة اشتعل قبره نارا ۔ اور ایک مرسل روایت میں ہے: انّه قال بعد موت ابي حمزة إنه اقعد في قبره فسئل عن الآئمة فاخبر باسمائهم حتی انتهی إليّ فسئل فوقف فضرب علی راسه ضربة امتلاء قبره نارا ۔ ان دونوں روایات میں علی بن ابی حمزہ کی مذمت فرمائی گئی ہے کہ قبر میں دفن کے بعد جب ائمہ کے بارے میں اس سے سوال ہوا تو اس نے آٹھویں امام پر خاموشی اختیار کی تو اسے کوڑا مارا گیا جس سے اس کی قبر آگ سے بھر گئی۔ (کشی رقم ۸۳۴ و ۷۵۵)

وفیه ، یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ وثانیاً احتمال ہے یہ ان کے بیٹے حسن کے بارے وارد ہے جیسا کہ ابن الغضائری نے حسن کے بارے ذکر کی ہے۔ ثالثاً یہ معارض ہے ان روایات سے جو ان کے واقفیت سے رجوع پر دال ہیں کہ آخر میں وہ

امام رضاؑ کی امامت کی طرف لوٹ چکے تھے۔

د: غیبة الطوسي ص ۳۷ پر ہے کہ فهذا خبر رواه ابن ابی حمزة و هو مطعون علیه و هو واقفي۔ اس خبر سے مراد وہ روایت ہے جو امام صادقؑ سے ابن ابی حمزہ نے نقل کی ہے في تكذيب من اخبر بموت ابنه الكاظمؑ۔

شیخ نے اس کا جواب دیا کہ اس کا راوی خود واقفی ہے اور عقیدہ و فہم میں کجی سے متہم ہے۔ ثانیاً: روایت کا مفہوم یہ ہے کہ امام کاظمؑ زندان میں شہید ہوئے اور آپ کی موت کسی پر ظاہر نہ ہوئی آپؑ کی تجہیز و تکفین آپؑ کے بیٹے امام رضاؑ نے انجام دی۔

ھ۔ نجاشی و شیخ نے آپ کے ترجمہ میں کہا واقفی ہے واحد عمد الوقفة (اور واقفی فرقے کے بنیادی افراد میں سے تھے)۔ اس کا جواب روشن ہے کہ کسی راوی کو صرف واقفی کہنے سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا چونکہ فرض یہ ہے کہ ایمان و عدالت، راوی میں معتبر نہیں ہیں، بس تعمّد بالكذب (جان بوجھ کر جھوٹ نہ بولتا ہو) نہ کرتا ہو۔

و۔ متعدد روایات غیبتِ طوسی و اختیارِ معرفۃ الرجال میں ہیں جو ان کے طمع فی مالِ الامام پر دلالت کرتی ہیں جو کہ ۳۰ ہزار درہم تھا۔ اس کی وجہ سے اس نے امام کاظمؑ کی موت کا انکار کیا۔ لیکن یہ روایات اولاً ضعیف السند ہیں جو کہ معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی ان روایات سے جو اس کی وثاقت پر دلالت کرتی ہیں۔ البتہ ایسی روایات معتبرہ ہیں جو ان کے تعمد بالکذب پر دلالت کرتی ہیں۔

غیبة الطوسي ص ۴۶: روی احمد بن محمد بن عیسی عن سعد بن سعد عن احمد بن عمر ، قال : سمعت الرضاؑ يقول في ابن حمزة

الیس هو الذي یروي ان راس المهدي یهدي إلی عیسی بن موسی و هو صاحب السفیاني و قال ، إن ابا إبراهیم علیه السلام یعود إلی ثمانیة اشهر فما استبان لهم (لکم) کذبه۔ کیا وہی نہیں جو روایت کرتا ہے کہ مہدی کا سر عیسیٰ بن موسیٰ کو ہدیہ بھیجا جائے گا جو کہ سفیانی کا ساتھی ہوگا اور اسی علی بن ابی حمزہ نے یہ نہیں کہا تھا کہ امام موسیٰ کاظمؑ آٹھ ماہ بعد واپس آجائیں گے کیسے اس کا یہ جھوٹ تم پر ظاہر ہو گیا ہے۔

الکشي ،رقم ۴۰۵۔۴۰۶ میں بھی ایک روایت وارد ہے:و قد یقال طریق الشیخ إلی احمد بن محمد بن عیسی مجهول یعني في کتاب الغیبة و ذلک بتقریب ما جری علیه الشیخ في مشیخة التهذبین و الفهرس من بیان طرقه إلی اصحاب الکتب و الروایات مختص بالروایات المتضمنة للاحکام في التهذبین لا غیر۔

لیکن یہ اشکال اس روایت پر قابل حل ہے ، اولاً تو یہ اختصاص ثابت نہیں بلکہ ظاہراً تعمیم ہے یعنی شیخ کے جو طرق ان رواۃ تک ہیں آپ کی تمام کتب میں وہی ہے جو فہرست و مشیخہ میں ہے۔ إن قلت ، شیخ کے فہرس میں احمد بن محمد بن عیسیٰ کی کتب و روایات تک دو طریق ذکر ہوئے ہیں دونوں ضعیف ہیں ۔ایک میں احمد بن محمد بن حسن بن الولید ہے جس کی توثیق نہیں ہوئی اور دوسرے میں احمد بن محمد بن یحیٰی العطار ہے ان کی بھی توثیق نہیں ہوئی ۔پس شیخ نے جو کچھ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے بیان کیا ہے اپنی کتب میں وہ سب ضعیف شمار ہوگا۔

قلت ،اگر مشائخ اجازہ کو بغیر توثیق کے قبول نہ بھی کیا جائے تو تبدیل طریق کے ذریعے تصحیح ممکن ہے چونکہ شیخ مشیخہ میں فرماتے ہیں: و من جملة ما ذکرته عن

احمد بن محمد بن عيسي ما رويته عن الحسين بن عبيد الله عن احمد بن محمد بن يحيى العطار عن ابيه محمد بن يحيى عن محمد بن علي بن محبوب عنه۔ نیز فہرست میں عنوان محمد بن علی بن محبوب میں فرماتے ہیں: اخبرنا بها اى بجميع كتب محمد بن علي بن محبوب و رواياته جماعة عن محمد بن علي بن الحسين عن ابيه (الصدوقين) و محمد بن الحسن عن احمد بن ادريس عنه۔

ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ شیخ نے جو کچھ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے روایت کیا ہے وہ شیخ تک طریق صحیح کے ساتھ پہنچا ہے جو کہ یہی طریق مذکور ہے، یعنی محمد بن علی بن محبوب سے احمد بن محمد بن عیسیٰ تک تعبیر کرتا ہے۔ بعبارۃ اخری شیخ کا فہرس میں محمد بن علی بن محبوب کی تمام کتب و روایات تک طریق صحیح ہے اور وہ احمد بن محمد بن عیسیٰ سے روایت کرتی ہیں تو گویا شیخ کا احمد بن محمد بن عیسی کی جمیع کتب و روایات تک بھی طریقہ صحیح ہو جائے گا نظریۂ تبدیل کی بناء پر۔ شاید اردبیلی نے اسی بناء پر جامع الرواۃ میں شیخ کے طريق الى احمد بن محمد بن عيسٰى کو صحیح قرار دیا ہو۔

(جامع الرواۃ، ج ۲، ص ۴۷۹)

اس صورت میں آقائے خوئی کا معجم رجال الحدیث ج ۲، ص ۳۰۸ پر ان پر سہو کا اشکال صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر اردبیلی مرحوم احمد بن محمد بن حسن بن الولید کی وثاقت کے قائل ہوں تو پھر طریق اول خود صحیح ہوگا لیکن ظاہراً اردبیلی ان کی وثاقت کے قائل نہیں ہیں۔

بہرکیف روایت مذکور سنداً معتبر ہے لیکن اس سے بطائنی کا ضعف خبری ثابت نہیں ہوتا۔ نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مستبصر نہیں ہوا اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی

حالِ التفات والی روایات بھی نا قابل عمل ہیں، صرف اس پر طعن با لوقف ثابت ہوتا ہے جو کہ وثاقت خبری میں مضر نہیں ہے۔ اور وہ روایات جو بطائنی کے مستبصر (تائب ہو کر امام رضا -کی امامت کو قبول کر لینے) ہونے کی دلیل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ نعمانی نے غیبت میں **باب ما روی ان الآئمة إثنی عشر** میں ذکر کی ہے:

یحیی الحلبي عن علي بن ابي حمزة البطائني ، قال كنت مع ابي بصیر و معنا مولی لابي جعفر عليه السلام فقال سمعت ابا جعفر عليه السلام یقول: منّا إثنا عشر محدثا السابع من وُلدي القائم عليه السلام فقام اليه ابو بصیر فقال : اشهد اني سمعت ابا جعفر عليه السلام یقول منذ اربعين سنة۔

۲۔ عیون اخبار الرضا عليه السلام ، **باب النصوص عليه بالإمامة**، حدیث ۲۸، کمال الدین، باب ۲۴، حدیث ۴: عن حسن بن ابي حمزة عن ابيه عن یحیی بن القاسم عن الصادق عليه السلام عن ابيه عن جده علي عليه السلام قال : قال رسول الله صلى الله عليه و آله : الأئمة بعدي اثنا عشر اوّلهم على بن ابی طالب (عليه السلام) و آخرهم القائم (عليه السلام) ۔ اسی طرح باب ۲۴ حدیث ۳ میں راوی حسن ہے علی بن ابی حمزہ کا بیٹا عن ابیہ، اس روایت میں بارہ اماموں کے نام ہیں ۔ اس سے بڑھ کر علی بن ابی حمزہ نے خود امام رضا عليه السلام سے روایت کی ہے، اصول الکافی، ج ۵، ص ۳۸۱ بسند معتبر: عن إبراهيم عن ابيه عن ابن ابي عمير عن علي بن ابي حمزة قال : قلت لابي الحسن الرضا عليه السلام : رجل تزوج إمراة على خادم فقال لي : وسط من الخدم ، قال : قلت على بيت ، قال : وسط من البيوت۔

تہذیب ج ۱، ص ۲۶۲ میں بھی سند صحیح کے ساتھ حسن اپنے باپ سے اور وہ

امام رضا علیہ السلام سے بیان کرتے ہیں جاریۂ اب کے بارے، آخر میں امامؑ نے فرمایا: رضی اللہ عن ابیك و رفعه مع محمد و آله۔ (لیکن مشکل یہ ہے کہ بیٹا 'حسن' بھی باپ کی طرح متہم ہے کذب کے ساتھ اور وہ بھی واقفی تھا)۔

اسی طرح کشی نے سندِ معتبر کے ساتھ روایت کی ہے: عن علي بن ابي حمزة البطائني: من لعن موسى بن جعفر علیہ السلام محمد بن بشير المبدع و المتشعبذ و دعائه عليه بان يذيقه الله حرّ الحديد و قول علي بن ابي حمزة فما رايت احدا قتل باسوء قتلة من محمد بن بشير لعنه الله ۔ترجمہ: علی بن ابی حمزہ روایت کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم -نے بدعتی شعبدہ باز محمد بن بشیر پر لعنت فرمائی اور دعا کی کہ خدا اسے لوہے کی گرمی چکھائے اور پھر میں نے دیکھا کہ اس سے برا کوئی قتل نہیں ہوا۔ اس بناء پر غضائری سے جو نقل ہوا ہے کہ **علي بن ابي حمزه لعنه الله اصل الوقف و اشد الخلق عداوة للولي من بعد ابي ابراهيم**، یعنی علی بن ابی حمزہ واقفی مذہب کی بنیاد ہے اور امام موسیٰ کاظم - سے بعد والے امام یعنی امام رضا علیہ السلام کا سخت ترین دشمن ہے۔ یہ درست نہیں ہے اور غضائری کی کتاب اصل نہیں ہے بلکہ ان پر وضع کی گئی ہے۔

شیخ طوسی عدۃ الاصول میں فرماتے ہیں:

في عنوان اعتبار العدالة في الراوي و إن كان ما رواه ليس هناك ما يخالفه و لا يعرف من الطائفة العمل بخلافه وجب ايضا العمل به إذا كان متحرجا في روايته موثوقا به في إمانته و إن كان مخطئا في اصل الاعتقاد فلإجل ما قلنا عملت الطائفة باخبار الفطحية مثل عبد الله بن بكير و غيره و اخبار الواقفة مثل سماعة بن

مهران و علي بن ابي حمزة و عثمان بن عيسٰی۔

راوی میں اعتبار عدالت کے عنوان کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اگر مخالف عقیدہ والا کوئی روایت نقل کرے اور اس کے مخالف روایت ہمارے سے منقول نہ ہو اور نہ ہی شیعہ کا عمل اس کے خلاف ہو تو بھی اس روایت پر عمل واجب ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی روایت میں محتاط ہو اور امانت میں وہ قابل اعتماد ہو۔ اگر چہ اصل عقیدہ میں وہ خطا کار ہو۔ اسی وجہ سے شیعہ فطحیہ مثل عبداللہ بن بکیر وغیرہ اور واقفہ مثل سماعہ بن مہران وعلی بن ابی حمزہ اور عثمان بن عیسیٰ کی روایت پر عمل کرتے ہیں۔

البتہ علامہ خلاصہ میں علی بن ابی حمزہ کے ترجمہ میں کہتے ہیں: ليس هو علي بن ابي حمزة البطائني لانه ضعيف جداً۔ یعنی یہ علی بن ابی حمزہ بطائنی نہیں ہیں کیونکہ وہ انتہائی ضعیف ہے۔ فہرست میں شیخ نے کہا: له اصل وری عنه ابن ابي عمير و صفوان بن يحيی۔ تكملة الرجال میں شیخ عبدالنبی الکاظمی فرماتے ہیں: موتِ امام کاظم علیہ السلام سے پہلے یہ موثق تھے؟ و الاكثر علی تضعيفه مطلقا فيشمل جميع حالاته، لیکن اکثر کے نزدیک یہ مطلقاً ضعیف ہیں پس ان کی تمام روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔ قال في الشرح (شرح الاستبصار للشيخ محمد سبط الشهيد الثاني): هو واقفي من غير توثيق بل ورد فيه ذمّ... و لعله اشار إلی رواية المتن، يا علی انت و اصحابك شبه الحمير۔ شہید ثانی کے نواسے شیخ محمد نے فرمایا کہ علی بن ابی حمزہ واقفی ہے جس کی توثیق نہیں ہوئی بلکہ اس کے بارے مذمت وارد ہے اس مذمت سے ان کی مراد وہی روایت ہے جس میں فرمایا کہ اے علی بن ابی حمزہ تم اور تمہارے ساتھی گدھے کی مانند ہو۔ لیکن محقق نے معتبر میں کہا: بان تغيره انما

کان فی زمن موسیٰ علیہ السلام فلا یقدح فیما قبلہ، اس میں تبدیلی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی لہٰذا اس سے پہلے والی روایات میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ معتبر میں محقق انہی کی وجہ سے ایک روایت کو ضعیف شمار کرتے ہیں۔ (ص ۸۸، المسئلة ٦،اذا ماتت امراة بين رجال الاجانب،از کتاب الطہارۃ)

لیکن اس میں یوں فرمایا ہے: و الرواية ضعيفة لان علي بن ابي حمزة واقفي فلا عمل على روايته مع وجود معارض من سليم ،یعنی چونکہ معارض سلیم موجود ہے لہٰذا اس کی روایت پر عمل نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ شیخ نے عدۃ میں یہی کہا ہے۔

ب۔ یونس بن ظبیان

روى الشيخ عن موسى بن القاسم عن صفوان و ابن ابي عمير عن بريد او يزيد و يونس بن ظبيان قالا : سئلنا ابا عبد الله علیہ السلام عن رجل يحرم في رجب او في شهر رمضان حتى إذا كان اوان الحج اتى متمتعا فقال : لا باس بذلك (تہذیب، کتاب الحج، باب ضروب الحج)۔ نجاشی نے یونس کے بارے کہا: ضعيف جدا لا يلتفت إلى ما رواه كل كتبه تخليط۔ یہ انتہائی ضعیف ہے اس کی روایات قابل التفات نہیں ہیں اور اس کی سب کتب میں ملاوٹ ہے۔ (رجال النجاشی، رقم: ۱۲۱۰)

و قال الكاظمي في التكملة : علماء الرجال بالغوا في ذمّه و نسبوه إلى الكذب و الضعف و التهمة و الغلو و وضع الحديث و نقلوا عن الرضا علیہ السلام : لعنه۔ کہ علم رجال والوں نے اس کی بہت مذمت کی ہے، اسے جھوٹا، ضعیف، متہم، غالی حدیثیں گھڑنے والا قرار دیا ہے اور امام رضا ‎ - سے اس کے

بارے لعنت روایت کی گئی ہے۔

جواب: اولا :۔ابن ابی عمیر تنہا ہوں تو غیر ثقہ سے نقل نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے یونس سے انہوں نے سوائے اس ایک حدیث کے کوئی اور حدیث نقل نہیں۔ یہاں یونس تنہا نہیں ہے یعنی ابن ابی عمیر تنہا غیر ثقہ سے نقل نہیں کرتے اور اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا راوی ہو تو پھر کوئی ڈر نہیں۔ یونس اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کے ساتھ برید بھی جیسا کہ نسخہ تہذیب ، وافی اور رسائل میں ہے، یا یزید ہے جیسا کہ نسخہ استبصار میں ہے۔ لیکن برید سے ابن ابی عمیر کی روایت بعید ہے چونکہ برید امام صادق علیہ السلام کی حیات میں وفات پا گئے تھے یعنی ۱۴۸ھ سے پہلے۔ لہٰذا یہاں یزید ہی درست ہے۔ احتمالا اس سے مراد ابو خالد القماط ہے جو کہ ثقہ ہے۔ اس سے صفوان روایات کرتے ہیں لہٰذا ابن ابی عمیر کی نقل اس سے صحیح ہے۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یزید بن خلیفہ ہو جو کہ اصحاب امام صادق علیہ السلام میں سے ہے۔ اس سے بھی صفوان روایت کرتے ہیں جیسا کہ استبصار میں ہے۔(ج ۳، حدیث ۲۷۲)

ثانیا: احتمالاً واسطہ ہے درمیان میں یعنی ابن ابی عمیر اور یونس کے درمیان اس لئے کہ یونس کی وفات امام صادق علیہ السلام کی حیات میں ہوئی ہے۔ ابن ابی عمیر کا ان سے روایت کرنا بعید ہے۔

ثالثا: یونس کا ضعف ثابت نہیں ہے۔ البتہ ان کی مدح میں جو روایت ہشام بن سالم نے امام صادق علیہ السلام سے ذکر کی: **قال : سئلت ابا عبد الله علیہ السلام عن یونس بن ظبیان فقال : رحمه الله و بنی له بیتا في الجنة کان و الله مامونا في الحدیث**۔ یہ حدیث ابن الہروی مجہول کی وجہ سے سنداً ضعیف ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ بزنطی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے جسے ابن ادریس نے **مستطرفات**

السـرائـر میں جامع البزنطی سے روایت کیا ہے اور چونکہ یہ جوامع مشہور میں سے تھی جس کا انتساب اس کے مصنف کی طرف قطعی تھا لہٰذا آقائے خوئی کا یہ اشکال غیر تام ہے کہ ابن ادریس کی سند بزنطی سے ضعیف ہے۔

(کلیات فی علم الرجال، آقائے جعفر سبحانی)

ج۔ علی بن حدید

روی الشیخ عن الحسین بن سعید عن ابن ابي عمیر عن علي بن حـدیـد عـن بـعض اصحابه عن احدهما علیهما السلام في رجل کانت له جـاریة فـوطـئـهـا ثم اشتری امها او ابنتها قال لا تحل له ۔(تہذیب، حدیث ۱۱۷۶)۔شیخ نے رجال میں اسے اصحاب امام رضا و امام جواد علیہما السلام سے شمار کیا ہے، فہرست میں اس کی کتاب کا ذکر کیا ہے۔کشی نے کہا: **فـطـحـي مـن اهـل الکوفة و کـان ادرک الـرضا** علیہ السلام ۔علامہ نے خلاصہ کی قسم ثانی میں ذکر کیا اور کہا: **ضـعّفـه شیـخـنـا فـي التهـذیـب و الاستبـصار لا یعول علی ما ینفرد بنقله** ۔شیخ نے استبصار میں دو موردمیں ان کی تضعیف کی ہے: ایک **بـاب البـئـر تـقـع فیهـا الفارة وغیرها**، دوسرا **باب الـنهي علی بیع الذهب بالفضة نسیئة ، في ذیل حدیث عبـاد : و امـا خبـر زرارـة فالطریق إلیه علي بن حدید و هو ضعیف جدا لا یـعـول علی ما ینفرد بنقله** ، جس روایت کے نقل میں علی بن حدید منفرد ہوں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

جواب: اوّلًا: ضعف علی بن حدید ثابت نہیں ہے بلکہ کشی نے ہشام بن حکم کے ترجمہ میں نقل کیا ہے۔ علـی بـن مـحـمـد عن احمد بن محمد عن علي بن راشـد عـن ابـي جـعـفـر الثاني : قال جعلت فداك قد اختلف اصحابنا فاصلي

خلف اصحاب هشام بن الحكم؟ قال : عليك بعلي بن حديد ، قلت : فاخذ بقوله؟ قال : نعم فلقيت علي بن حديد فقلت : تصلي خلف هشام بن الحكم؟ قال : لا ۔ (اس سند میں ضعف ہے **علی بن محمد القمی** ضعیف ہے)

ترجمۂ یونس بن عبدالرحمٰن میں کہتے ہیں (یہ بھی ضعیف ہے علی بن محمد القمی کی وجہ سے) **آدم بن محمد القلانسي ، قال علي بن محمد القمي ، قال : حدثني احمد بن محمد بن عيسٰى القمي عن يعقوب بن يزيد عن ابيه يزيد بن حماد عن ابي الحسن** علیہ السلام **قال : قلت اصلّي خلف من لا اعرف؟ قال: لا تصل إلّا خلف من تثق بدينه، فقلت له : اصلّي خلف يونس و اصحابه؟ قال : يابي ذلک عليكم عليّ بن حديد ، قلت : آخذ بقوله؟ قال : نعم** ۔ ان دونوں روایات میں راوی نے سوال کیا کہ میں کس کے پیچھے نماز پڑھوں تو آپؑ نے فرمایا: اس کے پیچھے جس کے دین پر بھروسہ ہو پھر حکم دیا کہ علی بن حدید کے پیچھے نماز پڑھو۔

علی بن حدید رجالِ کامل الزیارات اور تفسیر قمی میں سے بھی ہیں۔ یہ بھی ان کی توثیق کی تائید کرتی ہیں لیکن اس کی حقیقت سے بعد میں بحث ہوگی۔ لیکن کشی کی توثیق والی سند ضعیف ہے بناء بریں تضعیفِ شیخ مقدم ہے۔ لہٰذا اس روایت کہ جس میں ابن ابی عمیر نے علی بن حدید سے روایت کی ہے کا جواب یہ ہے کہ یہاں عن تصحیف ہے واؤ سے یعنی واؤ کو غلطی سے **عـــن** لکھ دیا گیا ہے چونکہ **اوّلاً:** ابن ابی عمیر جمیل سے بلا واسطہ ۲۹۸ روایت نقل کرتے ہیں (معجم رجال الحدیث ، ج ۲۲، ص ۱۰۲) ۔ اور بہت بعید ہے کہ ان سے ایک روایت مع الواسطہ نقل کریں اس وجہ سے کتب احادیث میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ **ثـانیاً:** دونوں کا طبقہ ایک ہے جیسا کہ نجاشی نے نص کی ہے کہ علی

بن حدید امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے نقل روایت کرتے ہیں۔ **ثالثاً:** ابن ابی عمیر نے اس ایک روایت کے علاوہ علی بن حدید سے کوئی روایت نہیں کی۔اس سے یہ بھی تائید ہوتی ہے کہ علی بن حدید ان کے شیخ نہیں تھے بلکہ معاصر تھے۔

(معجم رجال الحدیث، ج ۲۲،ص ۲۹۲)۔

د۔ حسین بن احمد المنقری

ان سے ابن ابی عمیر نے متعدد روایات نقل کی ہیں:

۱) روی الکلینی عن علي بن إبراهیم عن إبیه عن ابن ابي عمیر عن الحسین بن احمد المنقري ، قال : سمعت ابا إبراهیم علیہ السلام یقول من استکفی بآیة من القرآن۔ (الکافي ، ج ۲، کتاب فضل القرآن)

۲) روی عن محمد بن یحیی عن احمد بن محمد عن ابن ابي عمیر عن الحسین بن احمد المنقري عن خاله ، قال : سمعت ابا عبد الله علیہ السلام یقول من اکل طعاما لم یدع إلیه فإنه اکل قصعة من النار۔ (الکافي ، ج ٥ ، کتاب المعیشة)

۳) روی في الروضة عن علي بن إبراهیم عن ابیه عن ابن ابي عمیر عن حسین بن احمد المنقري عن یونس بن ظبیان ، قال : قلت لابي عبد الله علیہ السلام الا تنهی هذین الرجلین عن هذا الرجل۔

٤) روی ایضا بسند صحیح عن ابن ابي عمیر عن الحسین بن احمد عن شهاب بن عبد ربه قال ، قال لي ابو عبد الله علیہ السلام : إن ظننت ان هذا الامر کائن فلا تدعن طلب الرزق ۔ (الکافي ، کتاب المعیشة)

٥) روی علي بن إبراهیم عن ابیه عن ابن ابي عمیر عن حسین بن احمد

المنقري عن عيسى الضرير قال : قلت لابي عبد الله عليه السلام : رجل قتل رجلا متعمدا ما توبته۔ (الكافي ، كتاب الديات)

قال النجاشي : الحسين بن احمد المنقري ابو عبد الله روى عن ابي عبد الله عليه السلام رواية شاذة لم تثبت و كان ضعيفا ، ذكر ذلك اصحابنا رحمهم الله روى عن داؤد الرقي و اكثر ، له كتاب ۔ رجال میں شیخ نے کہا: انه ضعيف (رقم ۸)۔ نجاشی نے کہا حسین بن احمد منقری ضعیف تھا اور شیخ طوسی نے بھی اسے ضعیف کہا۔

ظاہراً ان کا ضعف ان کے عقیدہ کی طرف راجع ہے نہ روایت کی طرف ، چونکہ اولاً نجاشی نے کہا: روى عن داؤد الرقي و اكثر اور داؤد کے حق میں کہا: ضعيف جداً و الغلاة تروي عنه ، اس بناء پر ممکن ہے یہ ان غلاۃ میں سے ایک ہو۔ ثانیاً: شیخ نے داؤد الرقی کو اصحاب امام کاظم علیہ السلام میں شمار کیا ہے اور کہا ہے : داود الرقي مولى بني اسد و هو ثقة من اصحاب ابي عبد الله عليه السلام ۔ ہاں! ابن الغضائری نے کہا: كان فاسد المذهب ضعيف الرواية لايلتفت إليه۔ اس تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں طعن، نقلِ حدیث میں غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ یہ داؤد رقی سے کثرت سے روایت کرتا تھا۔ لیکن یہ چیز مانع از وثاقت نہیں ہے کہ جس میں ابن ابی عمیر ملتزم تھے کہ غیر ثقہ سے روایت نہیں کریں گے۔

دو اور موارد

مشائخ الثقات میں دو اور مورد بھی ذکر ہوئے ہیں جن میں ابن عمیر ضعاف سے نقل کرتے ہیں:

(۱) ابو البختری وهب بن وهب اور عمرو بن جمیع ۔ وہب بن

وہب عامی ہے اور نجاشی نے اسے کذاب کہا ہے۔ ابن ابی عمیر نے کتاب الصلاۃ میں صلاۃ الاستسقاء میں اس سے روایت کی ہے۔ (التھذیب، ج ۳، ح ۳۲۵)

(۲) عمرو بن جمیع زیدی بتری، نجاشی نے کہا: قاضي الري ضعيف۔

آقائے جعفر سبحانی فرماتے ہیں: ابن ابی عمیر نے ان سے کوئی روایت کتب اربعہ میں نہیں کی۔ ہاں شیخ صدوق نے دو روایتیں ان سے کی ہیں: معانی الاخبار جن میں ابن ابی عمیر ان سے روایت کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مشائخ امامی ثقہ (یعنی شیعہ ثقہ راویوں) سے روایت کرنے پر ملتزم تھے۔ جبکہ پہلا عامی ہے اور دوسرا بتری ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن ابی عمیر ان سے تحمل حدیث کے وقت ان کی وثاقت کے معتقد ہوں۔ نیز عبداللہ بن قاسم کو بھی ذکر کیا گیا ہے جو کہ ضعیف ہے اور اس سے ابن ابی عمیر نے روایت کی ہے۔ نجاشی نے اسے کذاب غالی کہا ہے ولا خير فيه و لا يعتد بروايته۔ شیخ نے رجال میں اسے واقفی کہا ہے۔ ابن ابی عمیر نے اس سے صرف ایک روایت کی ہے وہ بھی احکام سے مربوط نہیں ہے ممکن ہے ان کا التزام صرف احکام سے مربوط روایات کے حوالے سے ہو۔

۲۔ صفوان بن یحییٰ (متوفی ۲۱۰ھ)

صفوان بن يحيى بيّاع السابری ان تین میں سے ایک ہیں جن کے بارے شیخ نے کہا کہ یہ روایت یا ارسال نہیں کرتے مگر ثقہ سے۔ نجاشی نے ان کے بارے کہا: كوفي ثقة ثقة عين روى ابوه عن ابي عبد الله عليه السلام و روى هو عن الرضا عليه السلام و كان له عنده منزلة شريفة۔ بہت متقی و زاہد تھے۔ شیخ فہرس میں فرماتے ہیں: اوثق اهل زمانه عند اهل الحديث و اعبدهم و كان يصلي كل

یوم و لیلة خمسین و مائة رکعة و یصوم في السنة ثلاثة اشهر و یخرج زکاة ماله في کل سنة ثلاث مرات۔ کہ آپ موثق ترین اور عابدترین فرد تھے، دن رات میں آپ ڈیڑھ سو رکعت نماز پڑھتے اور سال میں تین ماہ روزے رکھتے اور ہر سال تین مرتبہ زکوۃ مال ادا کرتے تھے۔

مشائخہ:

آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں آپ کے کتب اربعہ میں ۱۴۰ مشائخ ذکر کئے ہیں۔ مشائخ الثقات میں آپ کے مشائخ کتب اربعہ وغیرہ میں ۲۱۴ ذکر کئے ہیں جن میں سے ۱۰۹ ثقہ ہیں جبکہ باقی یا مہمل ہیں یا مجہول۔ ضعیف بہت کم ہیں۔ بہرکیف ان کے مشائخ میں ضعاف کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ معجم رجال الحدیث میں یہ ذکر ہوئے ہیں:

۱۔ **یونس بن ظبیان** : روی الشیخ عن موسی بن قاسم عن صفوان و ابن ابي عمیر عن برید (او یزید) و یونس بن ظبیان، اس کا جواب وہی ہے جو سابقاً گذر چکا ہے۔

۲۔ **علی بن ابی حمزة البطائنی**: یہ روایت جسم خدا کے بارے میں ہے اور علی بن ابی حمزہ نے صفوان سے روایت کی۔ کتب اربعہ میں اس کے علاوہ کوئی روایت بیان نہیں کی۔

۳۔ **ابو جمیله المفضل بن صالح الاسدی** : نجاشی نے ان کی تضعیف کی ہے، جابر بن یزید جعفی کے ذیل میں، **قال روی عنه جماعة غمز فیهم و ضعفوا منهم عمرو بن شمر و مفضل بن صالح و منخل بن جمیل و یوسف بن یعقوب**۔ علامہ نے انہیں ضعیف کذاب کہا

ہے یضع الحدیث۔جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا۔

مفضل سے صفوان کی اس ایک حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے اور علامہ نے جو کہا ہے کہ یہ ابن الغضائری سے ماخوذ ہے چونکہ ان کی یہی تعبیر ہے ضعیف کذاب یضع الحدیث اور ابن غضائری کی تضعیفات وتعدیلات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔نجاشی کی تضعیف بھی باحتمال قوی اس کے غلو کی بناء پر ہے۔

۴۔ **عبد الله بن خداش المنقری** : نجاشی نے کہا ضعیف جداً و في مذهبه ارتفاع ۔لیکن نجاشی کی تضعیف اس کے غلو کی وجہ سے ہے چونکہ خود کہہ دیا و في مذهبه ارتفاع ۔نجاشی ابن الغضائری سے تضعیفات میں متاثر تھے جہاں وہ وجہ ذکر نہیں کرتے وہاں اعتقاد غلوّ في الراوي کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔اس کے علاوہ کشی نے ان کی وثاقت نقل کی ہے۔

۵۔ **معلّی بن خنیس** : صفوان نے ان سے روایت کی ہے جیسا کہ فہرستِ شیخ میں ترجمہ معلّی میں مذکور ہے۔فہرسِ شیخ میں ترجمہ معلّی میں وارد ہے: **معلی بن خنیس یکنی ابا عثمان الاحول له کتاب۔**

ابن غضائری نے کہا: معلّی پہلے مغیرہ بن سعید کا پیروکار تھا پھر محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ کی طرف چلا گیا و الغلاة یضیفون إلیه کثیراً و لا اری الاعتماد علی شيء من حدیثه ۔خلاصہ کی قسمِ ثانی میں علامہ نے ذکر کیا... و هو ضعیف جداً۔ نجاشی نے بھی تضعیف کی ہے: ضعیف جدًا لا یعوّل علیه۔

شیخ طوسی نے جو الغیبۃ میں کہا وہ ان کی مدح وعدالت پر دلالت کرتا ہے لیکن وہ بغیر اسناد کے ہے اور جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔نجاشی شیخ سے اضبط بھی ہیں لہذا

ان کی تضعیف مقدم ہونی چاہیے لیکن ابن غضائری کی تضعیفات کا تو اعتبار نہیں ہے اور دعوائے غلو متقدمین کی طرف سے مضر نہیں کیونکہ وہ اسے بھی غلو سمجھتے تھے جسے آج ضروریاتِ مذہب میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ شیخ وحید بہبہانی نے تعلیقہ میں کہا: ابن غضائری کا انہیں مغیری کہنا قطعاً درست نہیں۔ ابن طاؤس نے مہج الدعوات میں کہا: آپ اشہر وکلاءِ امام صادق علیہ السلام میں سے تھے اور اسی وجہ سے قتل ہوئے۔

بہت سی روایات ان کی مدحِ عظیم میں وارد ہیں جنہیں نجاشی نے ذکر کیا ہے اور ان کی مذمت کے بارے جو احادیث ذکر کی گئی ہیں وہی ہیں جن میں امام معصوم علیہ السلام نے فرمایا: خدا اس پر رحم کرے اس نے ہمارے سرّ کو فاش کیا جس کی وجہ سے قتل ہوا یہ عدمِ رضا پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ انہوں نے صرف تقیہ میں تقصیر کی ہے اور یہ ایسا گناہ نہیں جو عدمِ قبول روایت کا باعث ہو۔ باقی بعض سنداً ضعیف ہیں اور قابل جواب ہیں۔ شیخ طوسی نے غیبت میں معلّی کے حق میں نقل کیا ہے: **کان معلّی من قوّام ابی عبداللہ علیہ السلام و انما قتله داؤد بن علی بسببه و کان محموداً عنده، فروی عن ابی بصیر۔** جب قتل کر دیا تو اس نے انہیں سولی پر لٹکا دیا **عظم ذلک علی ابی عبد اللہ علیہ السلام و اشتدّ علیه و قال علیہ السلام له: یا داؤد علی ما قتلت مولای و قیمّی فی مالی و علی اهلی، واللہ انه لاوجه عند اللہ منک .... اما واللہ لقد دخل الجنة۔** معلّی امام صادق -کے گھریلو امور کے ناظر تھے اس وجہ سے داؤد بن علی نے آپ کو قتل کروایا۔ قتل کے بعد ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا گیا، اس سے امامؑ کو بہت اذیت ہوئی اور آپ نے داؤد سے فرمایا: اے داؤد تم نے کیوں میرے دوست اور میرے مالی امور کے سرپرست کو قتل کر دیا خدا کی قسم خداوند کے نزدیک اس کا تم سے زیادہ مقام ہے۔ اور وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

ثانیاً: معلیٰ ۱۳۳ھ سے پہلے قتل ہوئے اور صفوان ۲۱۰ھ میں فوت ہوئے وہ ان سے کیسے نقل کر سکتے ہیں جبکہ دونوں کی وفات میں ۷۷ سال کا فاصلہ ہے۔لہذا یہاں کوئی بیچ میں واسطہ تھا جیسا کہ ایک دوسری سند میں نجاشی نے ترجمہ معلیٰ بن خنیس میں ذکر کیا ہے کہ ان کی کتاب ہمارے لئے روایت کی ہے فلان فلان ... عن صفوان عن ابن ابی عثمان معلّی بن زید الاحول عن معلّی بن خنیس (رقم ۱۱۱۴)۔ابو عثمان الاحول معلیٰ بن زید کی کنیت ولقب ہے نہ کہ معلیٰ بن خنیس کی۔لہذا فہرس سے جو ترجمہ نقل ہوا اس میں تحریف ہے وہ معلیٰ بن زید کا ترجمہ ہے نہ کہ معلیٰ بن خنیس کا۔

۳۔احمد بن محمد بن عمرو بن ابی نصر البزنطی (متوفی ۲۲۱ھ)

نجاشی نے کہا:لقی الرضا علیہ السلام و جواد علیہ السلام و کان عظیم المنزلة عندهما و له کتب منها الجامع ۔کتب اربعہ میں ۷۸۸ کے قریب روایات کی اسناد میں آئے ہیں۔آقائے خوئی نے آپ کے مشائخ کتب اربعہ میں جو آئے ہیں ۱۱۵ ذکر کیے ہیں جن میں سے ۵۳ ثقہ ہیں باقی مہمل یا مجہول ہیں، کچھ ضعیف ہیں جیسے

۱۔ **مفضل بن صالح** : کلینیؒ نے الکافی ، کتاب الحج ، باب بلم البیت و الطواف میں ایک روایت ذکر کی ہے جس میں بزنطی نے ان سے روایت کی ہے۔

۲۔ **حسن بن علي بن ابي حمزة البطائني** : شیخؒ نے التهذیب، باب التدبیر ، حدیث ۹۵۳ کو ان سے ذکر کیا ہے جو حسن' امام رضا علیہ السلام سے روایت کر رہا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی باپ کی طرح سے وقف سے لوٹ آیا تھا ورنہ امام رضا علیہ السلام سے روایت نہ کرتا۔

۳۔ **عبد اللّٰه بن محمد شامی**:الکافي ، کتاب الاطعمة میں ان

سے روایت کی گئی ہے۔

ان پر اشکال یہ ہے کہ یہ رجال نوادر الحکمۃ میں سے ہیں جن کے متعدد رجال کی تضعیف کی گئی ہے۔ان میں سے عبد اللہ بن محمد شامی ہے جیسا کہ نجاشی نے ترجمۂ محمد بن احمد بن یحییٰ اشعری قمی میں کہا ہے۔لیکن جس عبد اللہ بن محمد شامی سے بزنطی روایت کرتے ہیں وہ اور ہے اور یہ اور ہے کیونکہ یہ شیخ صاحب نوادر ہے ۔جبکہ جس سے بزنطی نے روایت کی ہے وہ اس سے دو واسطہ کے ساتھ مقدم ہے: احمد بن محمد بن عیسٰی یروی عن البزنطی یروی عن عبد اللّٰہ بن محمد شامی ،لہٰذا یہ وہی نہیں ہوسکتا۔

۴۔ **عبد الرحمن بن سالم**: ان سے ابن ابی عمیر کی روایت بھی موجود ہے اور بزنطی کی بھی یہ عبد الرحمٰن بن سالم بن عبد الرحمٰن عطار ہیں ۔ان کی تضعیف صرف ابن غضائری نے کی جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ایک وجہ اور بھی ان اشکالات کے جواب کیلئے ذکر ہوئی ہے کہ علی بن ابراہیم اور ابن قولویہ نے شہادت دی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں روایت نہیں کریں گے إلّا عن ثقۃ جیسے ان کی شہادت کو اخذ کرنا ضروری ہے مطلقاً مگر یہ کہ اس کے خلاف نص آجائے ۔اسی طرح شیخ کی اس شہادت میں بھی ہے قبول کریں گے مگر یہ کہ اس کے برخلاف ثابت ہو جائے یا کوئی اور نص اس کے معارض ہو جائے ، جیسے ابن قولویہ اور علی بن ابراہیم کی اس شہادت کے خلاف ثابت ہو جانے سے ان کی یہ شہادت ردّ نہیں ہوئی ۔ اس مورد کے غیر میں وہ شہادت ماخوذ ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہے ۔اس لئے کہ ان مقامات میں یہ شہادت اجمالیہ کئی شہادات بہ تعداد رواۃ منحل ہوتی ہیں۔اگر کسی مورد میں ثبوت خلاف ہو تو صرف اسی مورد کو اخذ نہیں کریں گے ۔ بقیہ موارد میں یہ

شہادت اپنی قوت کے ساتھ باقی ہے۔اس پر دو اشکال ہیں:

پہلا اشکال: یہ بات تب درست ہے کہ ایسی شہادت خود ان تین بزرگوں نے دی ہو یعنی خود انہوں نے تصریح کی ہو کہ وہ روایت یا ارسال نہیں کریں گے مگر ثقہ سے، اس صورت میں جہاں جہاں اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے یہ شہادت ماخوذ ہو گی۔لیکن یہ شہادت شیخ نے دی ہے ان مشائخ ثلاثہ کے بارے۔اب اگر ان کے ایسے مشائخ موجود ہوں جن کی تضعیف خود شیخ نے کی ہو تو یہ شہادت اعتبار سے ساقط ہو جائے گی۔فرق یہ ہے کہ اگر شہادت خود ان تینوں نے دی ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انہوں یہ شہادت دی ہے کہ ہم روایت یا ارسال نہیں کریں گے مگر اس سے جو ہماری نظر میں ثقہ ہو گا۔اب خلاف ظاہر ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انہوں نے مصداق میں اشتباہ کیا ہے غیر ثقہ کو ثقہ سمجھ لیا ہے۔یہ مضر نہیں ہے کہ اس کے علاوہ موارد میں ان کی شہادت ماخوذ ہو۔

لیکن اگر یہ شہادت شیخ پر منتہی ہو تو یہ شیخ کا اپنا استقراء ہے ان کے مشائخ کے بارے میں اور اس کے خلاف ظاہر ہو جانے سے اس استقراء کا اعتبار ختم ہو جائے گا چونکہ ظاہر ہو چکا ہے کہ ناقص ہے۔استقراءِ ناقص سے ضابطہ و کلیہ استنباط نہیں کیا جا سکتا۔یہ بات آقائے خوئی نے معجم رجال الحدیث میں کی ہے۔

لیکن عدۃ الاصول کی عبارت میں غور و فکر کر لینے سے اس کا جواب دیا جا سکتا ہے چونکہ ظاہرِ عبارت یہ ہے کہ یہ استکشاف شیخ نے نہیں کیا بلکہ طائفۂ شیعہ نے کیا ہے یعنی شیخ سے پہلے اوساطِ علمیہ میں یہ بات مشہور تھی اور شیخ اس استکشاف کے حاکی ہیں نہ کہ کاشف۔شیخ نے فرمایا: **سوّت الطائفة بين ما يرويه هؤلاء و غيرهم من الثقات الذين عرفوا بانهم لا يروون و لا يرسلون الا عمن يوثق به**۔اس بناء

پر اشکال وارد نہیں ہے لہٰذا ان کے مشائخ موردِ وثوق ہوں گے اور سب کی وثاقت کا حکم لگائیں گے اگر چہ کتب رجال میں ان کا ذکر نہ ہوا ہو یعنی مجہول یا مہمل ہوں۔

دوسرا اشکال: وہ یہ ہے کہ یہ توجیہ ان کے مسانید میں درست ہے نہ کہ مراسیل میں کیونکہ ہو سکتا ہے مرسلہ میں واسطہ وہ راوی ہو جس کا ضعف ثابت ہو۔ اس کیلئے اس ضابطہ کو اخذ نہیں کریں گے کیونکہ یہ عام کے ساتھ اس کے شبہہ مصداقیہ میں تمسک ہوگا جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب میں کہتے ہیں کہ ان کے مشائخ میں جن کا ضعف ثابت ہے وہ انتہائی قلیل ہیں اور ان سے روایات بھی انتہائی محدود ہیں اور ایسا نادر احتمال اطمینان شخص کو مضر نہیں ہوتا چونکہ عقلاء ملتزم نہیں ہوئے کہ وہ صد درصد مطمئن ہوئے بغیر عمل نہیں کریں گے بلکہ نادر احتمال خلاف کے باوجود وہ عمل کرتے ہیں۔

(کلیات فی علم الرجال، استاد جعفر سبحانی مدظلہ)

لیکن مزید دقت نظر کی ضرورت ہے اس لئے کہ شیخ نے بھی بطور مطلق نہیں کہا بلکہ **و کذلک عملوا بمراسیلھم إذا انفردوا عن روایة غیرھم** گر ان کے مراسیل و مسانید برابر تھے تو پھر یہ قید لگانے کی کیا ضرورت تھی اور خود شیخ نے بھی مراسیل ابن ابی عمیر پر عمل نہیں کیا جہاں مسانید موجود ہیں، (فراجع التھذیب، ج۸، ح ۹۳۲)۔ معلوم ہوا کہ ان کے مراسیل پر وہاں عمل کیا جا سکتا ہے کہ جہاں ہمیں مسند حدیث نہ مل سکے۔

العصابة المشهورة
بانّهم لا يروون إلاّ عن الثقات

(وہ جماعت جن کے بارے معروف ہے کہ وہ روایت نہیں کرتے مگر ثقہ افراد سے)

۱۔ احمد بن محمد بن عیسٰی

۲۔ بنو فضّال کلّھم

۳۔ جعفر بن بشیر البجلي

۴۔ محمد بن إسماعیل بن میمون الزعفراني

۵۔ علي بن الحسن الطاطري

۶۔ احمد بن علي النجاشي (صاحب الفھرس)

۱۔ احمد بن محمد بن عیسٰی القمی

آپ ثقہ جلیل تھے، نجاشی و شیخ نے آپ کی توثیق کی ہے۔ علامہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ آپ نے احمد بن محمد بن خالد البرقی القمی کو قم سے نکال دیا لانه کان یروي عن الضعاف، بعد میں انہیں واپس بلا کر معذرت کی اور ان کی وفات کے بعد ان کے جنازے میں برہنہ پاؤں چل کر گئے اور آپ نے سہل بن زیاد الآدمی کو بھی غلو کی وجہ سے قم سے نکال دیا تھا۔

برقی کو قم سے نکالنے کی وجہ سے بعض نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ خود ضعاف سے روایت نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ نتیجہ درست نہیں ہے کیونکہ انہوں نے احمد برقی کی پکڑ اس کے اکثار الروایة عن الضعفاء یعنی ضعفاء سے کثرت سے روایتیں لینے کی وجہ سے کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ خود اکثار الروایة عن الضعفاء نہیں کرتے تھے۔ نیز ان کا ضعفاء سے روایت کرنا ثابت ہے، جیسے:

۱) محمد بن سنان، ان کی نجاشی نے تضعیف کی ہے

۲) علی بن حدید، ان کا ضعف بیان ہو چکا ہے

۳) اسماعیل بن سہل، نجاشی نے کہا **ضعّفه اصحابنا**

۴) بکر بن صالح، ان کی تضعیف نجاشی نے ذکر کی ہے

۲-بنو فضال کلّهم

بنو فضال کے ہر مروی عنہ کی وثاقت پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:

روی الشیخ في كتاب الغيبة عن ابي محمد المهدي قال : و قال ابو الحسين بن تمام ، حدثني عبد الله الكوفي خادم الشيخ حسين بن روح قال سئل الشيخ يعني ابا القاسم رضي الله عنه (حسين بن روح) عن كتب ابن ابی الغزاقر (**محمد بن علي الشلمغاني**،جس کے لعن کے بارے توقیع مبارک صادر ہوئی حسین بن روح کی طرف ورذی الحجہ سنۃ ۳۱۲ھ) بعد ما ذمّ و خرجت فيه اللعنة فقيل له كيف تعمل بكتبه و بيوتنا منها ملاء؟ فقال : اقول فيها ما قاله ابو محمد الحسن بن علي عليه السلام و قد سئل عن كتب بني فضال فقالوا كيف نعمل بكتبهم و بيوتنا منها ملاء فقال : خذوا بما رووا و ذروا ما راوا۔

شیخ انصاری نے کتاب الصلاۃ میں وقتِ صلوٰۃ ظہر کی بحث میں داؤد فرقد کے روایت کے بارے کہا: **و هذه الرواية و إن كانت مرسلة إلّا ان سندها إلى الحسن بن فضال صحيح و بنو فضال ممن امروا بالاخذ بكتبهم و رواياتهم۔**

اولاً یہ روایت ضعیف ہے عبداللہ الکوفی مجہول ہے اور مرسلہ بھی ہے چونکہ حسین بن روح ۳۲۶ھ میں فوت ہوئے اور امام عسکری -۲۶۰ھ میں، لیکن اس روایت

کو مان لیں تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ روایت کا مقصود یہ ہے کہ استقامت کے بعد بنی فضال کو فساد عقیدہ مضر نہیں ہوگا کہ ان کی حال استقامت والی روایات کو ماننے سے، نہ کہ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی مسانید و مراسیل سب مان لیں بغیر اس کے کہ ان کے مروی عنہ کو دیکھیں۔ باقی سب لوگوں کی طرح ان کا بھی حال ہے غیر ثقہ و ثقہ کی تفتیش ضروری ہے (معجم رجال الحدیث، ج ۱، صفحہ ۸۲)

۳۔جعفر بن بشیر البجلی

نجاشی نے کہا: **جعفر بن بشیر الوشا البجلي من رفقائنا و اصحابنا و عبادهم و كان ثقة مات بالابواء ۲۰۸ و كان ابو العباس بن نوح يقول كان يلقب فقحة العلم (الفقحة من النبت الزهرة) روى عن الثقات و رووا عنه۔**

یہ عبارت اس مطلوب پر دال نہیں ہے کہ وہ صرف ثقہ سے روایت کرتے تھے چونکہ دوسرا فقرہ بھی ساتھ ہے و رووا عنہ یہ تو انسان کے اختیار میں نہیں کہ انسان سے صرف ثقہ ہی روایت کریں، اور جعفر بن بشیر نے ضعاف سے روایت کی ہے جیسا کہ صالح بن الحکم جس کی نجاشی نے تضعیف کی ہے۔

۴۔محمد بن اسماعیل بن میمون الزعفرانی

ان کے بارے میں بھی وہی کہا گیا جو جعفر بن بشیر کے بارے میں کہا گیا اور اس کی دلیل نجاشی کی یہ عبارت ہے: **قال محمد بن اسماعيل بن ميمون الزعفراني ابو عبد الله ثقة عين روى عن الثقات و رووا عنه** اس عبارت سے بھی وہی مراد ہے جو بیان ہو چکا۔

۵۔علی بن الحسن الطاطری الکوفی

شیخ نے ان کے ترجمہ میں فہرست میں کہا: **كان واقفياً شديد العناد في**

مذهبه صعب العصبية علی من خالفه من الامامیه وله کتب کثیرة فی نصرة مذهبه و له کتب فی الفقه رواها عن الرجال الموثوق بهم و بروایتهم فلاجل ذلک ذکرناه یہ واقفی تھا اور اس میں بہت شدید تھا، اس نے اپنے مذہب کی حمایت میں بہت کتابیں لکھی اور فقہ میں بھی اس کی کتب ہیں جن میں وہ ثقہ سے اور ثقہ افراد اس سے روایت کرتے ہیں۔

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جس سے بھی یہ روایت کریں وہ ثقہ ہے لیکن عبارت سے زیادہ سے زیادہ یہ استفادہ ہوتا ہے کہ طاطری اپنی کتب میں غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتا نہ کہ وہ جس سند میں بھی واقع ہو جائے ان کا مروی عنہ ثقہ شمار ہوگا۔

۶۔احمد بن علی النجاشی

شیخ ابوالعباس احمد بن علی بن احمد بن عباس بن محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن محمد بن عبداللہ النجاشی آپ کے بہت سے مشائخ ہیں جن کے بارے میں آپ نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں مثلاً وہ جعفر بن محمد بن مالک بن عیسیٰ بن سابور کے ترجمہ میں کہتے ہیں: **کان ضعیفا فی الحدیث قال احمد بن الحسین کان یضع الحدیث...... و سمعت من قال کان فاسد المذهب و الروایة** اور مجھے تعجب ہے کہ ہمارے دو جلیل القدر شیخ علی بن ھمام اور ابو غالب الرازی نے اس سے کیسے روایت کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان جیسوں سے روایت نہیں کرتے تھے۔

احمد بن محمد الجوہری کے ترجمہ میں کہا (م ۴۴۱) **رایت هذا الشیخ و کان صدیقا لی ولو الدی وسمعت منه شیئًا کثیرًا و رایت شیوخاً یضعّفونه فلم ارو عنه شیئًا و تجنّبته** ۔کہ اس شیخ سے میں نے روایات سنی لیکن چونکہ ہمارے بزرگان اس کی تضعیف کرتے تھے لہٰذا میں نے اس سے روایت نہیں کی اور اس سے

اجتناب کیا۔

نیز محمد بن عبداللہ بن بہلول کے ترجمہ میں کہا: **وکان في اوّل امره ثبتا ثم خلط و رایت جلّ اصحابنا یغمزونه و یضعّفونه الي ان قال رایت هذا الشیخ و سمعت منه ثمّ توقفت عن الروایة عنه الاّ بواسطة بیني و بینه**۔ کہ یہ شیخ پہلے ٹھیک تھے پھر گڑبڑ ہوئے، ہمارے اکثر اصحاب ان کی تضعیف کرتے تھے میں نے انہیں دیکھا سنا لیکن ان سے روایت نہیں کی مگر یہ کہ میرے اوران کے درمیان واسطہ ہو۔

انہی تصریحات سے محدث نوری نجاشی کے تمام ۳۲ مشائخ کی وثاقت کے قائل ہوئے ہیں اور آقای خوئی نے بھی کلام نجاشی سے اس کا استظہار کیا ہے۔
(معجم، ج۱، صفحہ۶۰)

اور یہی چیز قرین قیاس لگتی ہے لہٰذا ان کے مشائخ کی توثیق کا حکم لگائیں گے مگر وہ کہ جس کی تضعیف ثابت ہو جائے۔

مشائخ صاحب نوادر الحکمۃ

محمد بن احمد بن یحییٰ بن عمران الاشعری القمی نے جو کہ اجلاّء اصحاب میں سے شمار ہوتے ہیں نوادر الحکمۃ نام سے کتاب لکھی جو کہ کتاب التوحید سے شروع ہوتی ہے اور کتاب القضایا و الاحکام پر ختم ہوتی ہے۔ نجاشی اس بارے کہتے ہیں:

لمحمد بن احمد بن یحییٰ کتب منها کتاب "نوادر الحکمة" وهو کتاب حسن کبیر یعرفه القمیّون به دبّة شبیب۔ ترجمہ: ان کی بہت سی کتب تھیں ان میں سے ایک کتاب نوادر الحکمۃ ہے جو کہ بہترین اور بڑی کتاب ہے قمی اسے دُبّہ شبیب کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اور مصنف کے بارے کہتے ہیں: محمد بن احمد بن یحییٰ الاشعری القمی کان ثقة فی الحدیث الآن اصحابنا یقولون قالوا کان یروی عن الضعفاء و یعتمد المراسیل ولا یبال عمن اخذو ما علیه فی نفسه مطعن فی شئ و کان محمد بن الحسن بن الولید یستثنی من روایة محمد بن احمد بن یحییٰ ما رواه عن (۱) محمد بن موسیٰ الهمدانی، (۲) او ما رواه عن رجل، (۳) او یقول بعض اصحابنا، (۴) او عن محمد بن یحییٰ المعاذی، (۵) او عن ابی عبد اللّٰه الرازی الجامورانی، (۶) او عن ابی عبد اللّٰه السیاری، (۷) او عن یوسف بن سخت، (۸) او عن وهب بن منبسة، (۹) او عن ابی علی النیشاپوری، (۱۰) او عن ابی یحییٰ الواسطی، (۱۱) او عن محمد بن علی بن ابی سمینه، (۱۲) او یقول فی حدیث او کتاب ولم اروه، (۱۳) او عن سهل بن زیاد الآدمی، (۱۴) او عن محمد بن عیسیٰ بن عبید باسناد منقطع، (۱۵) او احمد بن هلال، (۱۶) او عن محمد بن علی الهمدانی، (۱۷) او عبد اللّٰه بن محمد الشامی، (۱۸) او عبد اللّٰه بن احمد الرازی، (۱۹) او احمد بن حسن بن سعید، (۲۰) او احمد بن بشیر الرقّی، (۲۱) او عن محمد بن هارون، (۲۲) او عن میمونه بن معروف، (۲۳) او عن محمد بن عبد اللّٰه بن مهران، (۲۴) او ما ینفرد به الحسن بن الحسین اللؤلؤی، (۲۵) او ما یرو به عن جعفر بن محمد بن مالک، (۲۶) او یوسف بن الحارث، (۲۷) او عبد اللّٰه بن محمد الدمشقی۔

(ابن الولید نے اس جماعت کو رجال نوادر الحکمۃ سے استثناء کیا ہے یعنی ان

کے علاوہ جن مشائخ سے انہوں نے بلا واسطہ روایت کی ہے وہ محکوم بالصحۃ ہیں (رجال نجاشی، رقم/۹۳۹) اور شیخ نے فہرس میں دو کا اور اضافہ کیا: ۲۸۔ جعفر بن محمد الکوفی، ۲۹۔ ھیثم بن عدی۔

ابو العباس بن نوح کہتے ہیں: وقد اصاب شیخنا ابو جعفر محمد بن الحسن بن الولید فی ذلک کلّہ و تبعہ ابو جعفر بن بابویہ رحمہ اللّٰہ علی ذلک الاّ فی محمد بن عیسٰی بن عبید فلا ادری ما رایہ فیہ لانہ کان علی ظاھر العدالۃ و الثقۃ۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ استثناء مذکور شہادت ہے اس بات پر کہ جس سے محمد بن احمد بن عیسٰی اشعری قمی نے روایت کی ہے اور اسے استثناء نہیں کیا گیا وہ عادل ہے۔ البتہ مراد ان کے بلاواسطہ مشائخ ہیں۔

اور جب ابن الولید کی یہ نظر ہے تو شیخ صدوق تضعیفات میں ان پر اعتماد کرتے ہیں شیخ من لایحضرہ الفقیہ میں فرماتے ہیں: کان شیخنا محمد بن الحسن لا یصحّح خبر صلاۃ یوم غدیر خم و الثواب المذکور لمن صامہ و یقول انّہ من طریق محمد بن موسٰی الھمدانی و کان کذّابا غیر ثقۃ و کلّ مالم یصحّحہ ذلک الشیخ قدس اللّٰہ روحہ. ولم یحکم بصحۃ من الاخبار فھو عندنا متروک غیر صحیح کہ ہمارے شیخ محمد بن الحسن یوم الغدیر کی نماز و روزے والی روایت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن موسی الہمدانی کذاب موجود ہے، اور جس روایت کو ہمارے یہ شیخ صحیح نہ سمجھیں وہ ہمارے نزدیک بھی غیر صحیح اور متروک روایت ہے۔

پس شیخ صدوقؒ کی بھی یہی نظر ہے اس کے علاوہ اس عبارت سے یہ بھی پتہ

چلتا ہے کہ رجال نوادرالحکمۃ کی توثیق اصالۃ العدالہ کی بناء پرنہیں تھی بلکہ احراز حال کی بناء پر تھی۔

البتہ بعض مستثنیٰ افراد میں قواعد توثیق وتضعیف کو سامنے رکھنا ہوگا جیسا کہ ابن نوح نے محمد بن عیسیٰ کے بارے میں کہایا حسن اللؤلوی کی نجاشی نے توثیق کی ہے۔

مشائخ صاحب کامل الزیارات

مصنف کامل الزیارات شیخ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ (م ۳۶۷ یا ۳۶۹) کاظمیہ میں شیخ مفید کے مقابل مدفون ہیں جوکہ آپ کے شاگرد تھے۔ احد اجلاء الاصحاب فی الحدیث والفقہ جیسا کہ نجاشی کی تعبیر ہے۔آپ کی یہ کتاب شیعہ کی اہم کتب میں سے ہے اور حدیث میں اصول معتمدہ میں سے ہے، نجاشی نے فہرس میں اسے الزیارات سے تعبیر کیا اور شیخ نے رجال میں اسے جامع الزیارات سے تعبیر کیا ہے بقیہ کتب میں کامل الزیارات کہا ہے۔

آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں کہا ہے: **ولم اُخرج فیہ حدیثا اروی عن غیرھم اذا کان فیما روینا عنھم من حدیثھم کفایۃ عن حدیث غیرھم وقد علمنا انّا لا نحیط بجمع ما روی عنھم فی ھذا المعنی ولا فی غیرہ ولکن ما وقع لنا من جھۃ الثقات من اصحابنا ولا اخرجت فیہ حدیثاً روی عن الشذاذ من الرجال یؤثر ذلک عنھم عن المذکورین غیر المعروفین بالروایۃ المشھورین بالحدیث و العلم۔**

اس عبارت سے یہ استظہار کیا گیا ہے کہ جن رواۃ سے آپ نے روایت کی ہے اس کتاب میں تا امام علیہ السلام وہ سب ثقہ ہیں آپ کے نزدیک۔شیخ حر عاملی نے وسائل الشیعہ کے خاتمہ میں یہی موقف اختیار کیا ہے فائدہ سادسہ میں وہ فرماتے ہیں:

کے علاوہ جن مشائخ سے انہوں نے بلا واسطہ روایت کی ہے وہ محکوم بالصحۃ ہیں (رجال نجاشی، رقم/۹۳۹) اور شیخ نے فہرس میں دو کا اور اضافہ کیا: ۲۸۔ جعفر بن محمد الکوفی، ۲۹۔ ھیثم بن عدی۔

ابو العباس بن نوح کہتے ہیں: **وقد اصاب شیخنا ابو جعفر محمد بن الحسن بن الولید فی ذلک کلّه و تبعه ابو جعفر بن بابویه رحمه اللّٰه علی ذلک الاّ فی محمد بن عیسیٰ بن عبید فلا ادری ما رایه فیه لانه کان علی ظاهر العدالة و الثقة۔**

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ استثناء مذکور شہادت ہے اس بات پر کہ جس سے محمد بن احمد بن عیسیٰ اشعری قمی نے روایت کی ہے اور اسے استثناء نہیں کیا گیا وہ عادل ہے۔ البتہ مراد ان کے بلا واسطہ مشائخ ہیں۔

اور جب ابن الولید کی یہ نظر ہے تو شیخ صدوق تضعیفات میں ان پر اعتماد کرتے ہیں شیخ من لا یحضرہ الفقیہ میں فرماتے ہیں: **کان شیخنا محمد بن الحسن لا یصحّح خبر صلاة یوم غدیر خم و الثواب المذکور لمن صامه و یقول انّه من طریق محمد بن موسیٰ الهمدانی و کان کذّابا غیر ثقة و کلّ مالم یصحّحه ذلک الشیخ قدس اللّٰه روحه. ولم یحکم بصحة من الاخبار فهو عندنا متروک غیر صحیح** کہ ہمارے شیخ محمد بن الحسن یوم الغدیر کی نماز و روزے والی روایت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن موسی الہمدانی کذاب موجود ہے، اور جس روایت کو ہمارے یہ شیخ صحیح نہ سمجھیں وہ ہمارے نزدیک بھی غیر صحیح اور متروک روایت ہے۔

پس شیخ صدوقؒ کی بھی یہی نظر ہے اس کے علاوہ اس عبارت سے یہ بھی پتہ

چلتا ہے کہ رجال نوادر الحکمۃ کی توثیق اصالۃ العدالہ کی بناء پر نہیں تھی بلکہ احراز حال کی بناء پر تھی۔

البتہ بعض مستثنیٰ افراد میں قواعد توثیق وتضعیف کو سامنے رکھنا ہوگا جیسا کہ ابن نوح نے محمد بن عیسیٰ کے بارے میں کہایا حسن اللؤلؤی کی نجاشی نے توثیق کی ہے۔

مشائخ صاحب کامل الزیارات

مصنف کامل الزیارات شیخ ابو القاسم جعفر بن محمد بن قولویہ (م ۳۶۷ یا ۳۶۹) کاظمیہ میں شیخ مفید کے مقابل مدفون ہیں جو کہ آپ کے شاگرد تھے۔ احد اجلاء الاصحاب فی الحدیث و الفقہ جیسا کہ نجاشی کی تعبیر ہے۔ آپ کی یہ کتاب شیعہ کی اہم کتب میں سے ہے اور حدیث میں اصول معتمدہ میں سے ہے، نجاشی نے فہرس میں اسے الزیارات سے تعبیر کیا اور شیخ نے رجال میں اسے جامع الزیارات سے تعبیر کیا ہے بقیہ کتب میں کامل الزیارات کہا ہے۔

آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں کہا ہے: **ولم أُخرج فیه حدیثا اروی عن غیرهم اذا کان فیما روینا عنهم من حدیثهم کفایة عن حدیث غیرهم وقد علمنا انّا لا نحیط بجمع ما روی عنهم فی هذا المعنی ولا فی غیره ولکن ما وقع لنا من جهة الثقات من اصحابنا ولا اخرجت فیه حدیثاً روی عن الشذاذ من الرجال یؤثر ذلک عنهم عن المذکورین غیر المعروفین بالروایة المشهورین بالحدیث و العلم۔**

اس عبارت سے یہ استظہار کیا گیا ہے کہ جن رواۃ سے آپ نے روایت کی ہے اس کتاب میں تا امام علیہ السلام وہ سب ثقہ ہیں آپ کے نزدیک۔ شیخ حر عاملی نے وسائل الشیعہ کے خاتمہ میں یہی موقف اختیار کیا ہے فائدہ سادسہ میں وہ فرماتے ہیں:

وقد شهد علي بن ابراهیم ایضًا بثبوت احادیث تفسیره و انها مرویّة عن الثقات عن الائمّة و کذلک جعفر بن محمد بن قولویه فانّه صرّح بما هوا بلغ من ذلک في اوّل مزاره کہ علی بن ابراہیم نے شہادت دی کہ ان کی تفسیر میں احادیث ہیں وہ ثقہ افراد کے ذریعے معصوم سے ثابت ہیں اسی طرح ابن قولویہ نے مقدمہ کتاب الزیارات میں اس بارے واضح شہادت دی ہے۔

آقای خوئی نے بھی کہا: نحکم بوثاقة جمیع من وقع في اسناد کامل الزیارات ایضًا فانّ جعفر بن قولویه قال في اول کتاب...... فانک تری انّ هذه العبارة و اضحة الدلالة علی انّه لا یروی في کتابه روایة عن المعصوم الاّ وقد وصلت الیه من جهة الثقات من اصحابنا رحمهم الله ۔آقای خوئی نے فرمایا: ہم کامل الزیارۃ کی اسناد میں واقع ہونے والے سب راویوں کو ثقہ سمجھتے ہیں چونکہ خود جعفر بن قولویہ نے اس کی شہادت دی ہے پھر آپ نے وہ عبارت نقل کی اور فرمایا کہ یہ عبارت واضح دلالت کرتی ہے کہ آپ نے اس کتاب میں معصوم سے روایت نہیں کی مگر وہ جو ثقہ افراد کے ذریعے آپ تک پہنچی، پھر آپ نے فرمایا: البتہ یہ حکم ان روایات کے بارے ہے کہ جو معارض سے مبتلا نہ ہوں۔

پھر فرماتے ہیں: ﴿انّ هذا الحکم انما هو فیما اذا لم یبتلی بالمعارض﴾ ۔(معجم، ج ۱، ص ۶۴) لیکن اس عبارت سے یہ استفادہ صحیح نہیں ہے۔

استاد جعفر سبحانی فرماتے ہیں: اس میں صحیح وہی ہے جو محدث نوری نے اختیار کیا ہے کہ ﴿انه نصّ علی توثیق کل من صدّر بهم﴾ لہذا ﴿احادیث کتابه لا کلّ من ورد في اسناد الروایات﴾ یعنی یہ ان کے مشائخ کی توثیق پر دلالت کرتی ہے نہ کہ تمام رواۃ کی توثیق پر۔

اس لئے کہ آپ اپنے تمام مشائخ کے لئے کلمہ استرحام ادا کرتے ہیں جبکہ رواۃ میں فطحی وواقفی اور سُنّی راوی ہیں یہ شیخ اجل ان سب کے لئے کیسے کلمہ استرحام کہہ سکتے ہیں۔

آقای خوئی بھی بعد میں اپنی اس رائے سے منصرف ہوگئے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں: ولکن بعد ملاحظة روایات الکتاب و التفتیش فی اسانیدها ظهر اشتماله علی جملة وافرة من الروایات و لعلّها تربو علی النصف لا تنطبق علی الاوصاف الّتی ذکرها قدس فی المقدمة، ففی الکتاب الشئ الکثیر من الروایات المرسلة والمرفوعة المقطوعة والتی تنتهی الی غیر المعصوم والتی وقع فی اسنادها من هو من غیر اصحابنا کما انه اشتمل علی الکثیر من روایات اناس مهملین لا ذکر لهم فی کتب الرجال اصلاً بل و جماعة مشهورین بالضعف کالحسن بن علی بن ابی عثمان و محمد بن عبد الله بن مهران و امیّه بن علی القیسی وغیرهم و معلوم ان هذا کلّه لا ینسجم مع ما اخبر به فی الدیباجه...... لم یکن بدًّا من حمل العبارة علی خلاف ظاهرها بارادة مشائخه خاصّةً و علی هذا فلا مناص عن العدول عمّا بیّنّا علیه سابقاً والاستلزام باختصاص التوثیق بمشائخه بلا واسطه۔

لیکن اس کتاب کی روایات کے ملاحظہ اور اس کی اسانید میں غور وفکر کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس میں بہت سی روایات جو کہ نصف سے زیادہ ہیں اس وصف پر پوری نہیں اترتی جو مصنف نے مقدمہ میں فرمائی ہے، کتاب میں مرسل، مقطوع، غیر معصوم سے مروی غیر شیعہ رواۃ سے مروی مجہول و مہمل رواۃ اور ضعیف رواۃ کی روایات

کثرت سے ہیں لہٰذا ہم نے جو نظریہ سابقاً اپنایا تھا وہ درست نہیں ہے اور اس سے مراد خلاف ظاہر لینا ہوگا کہ آپ کے مشائخ کی توثیق مراد ہے۔

جب حق یہ ہے کہ یہ عبارت آپ کے بلاواسطہ مشائخ کے ساتھ خاص ہے تو بہتر ہے کہ ان کے مشائخ ذکر کئے جائیں۔

آپ اکثر روایات اپنے والد محمد بن قولویہ سے نقل کرتے ہیں آپ کے والد مقبرہ شیخان قم میں مدفون ہیں ان کے بارے میں نجاشی نے کہا: ﴿کان ابوہ من خیار اصحاب سعد﴾ (علامہ امینی نے کہا یہ عمرو بن سعید المدائنی الساباطی ہیں۔ لیکن ظاہر یہ عمر بن سعد ہیں از مشائخ نصر (استاد سبحانی مدظلہ) و اصحاب سعد اکثرھم ثقات کعلیّ بن الحسین بن بابویہ (والد الصدوق) و محمد بن الحسن بن الولید (شیخ الصدوق) و حمزہ بن القاسم و محمد بن یحییٰ العطّار القمی۔ آپ اپنے بھائی ابوالحسین علی سے بھی روایت کرتے ہیں۔ محدث نوری نے آپ کے ۳۲ مشائخ بیان کئے ہیں:

(۱) آپ کے والد محمد بن قولویہ، (۲) ابوعبدالرحمٰن محمد بن احمد بن حصین الزعفرانی، (۳) ابوالفضل محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان الجعفی الکوفی المعروف بالصابونی، (۴) ثقۃ الاسلام کلینی، (۵) محمد بن الحسن بن الولید، (۶) محمد بن حسن بن علی بن مھزیار، (۷) ابوالعباس محمد بن جعفر الرزاز، (۸) محمد بن عبداللہ بن جعفر الحمیری القمی، (۹) حسن عبداللہ بن محمد بن عیسیٰ، (۱۰) ابوالحسین علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ، (۱۱) اخوہ علی محمد بن قولویہ، (۱۲) ابوالقاسم جعفر بن محمد بن ابراہیم الموسوی العلوی، (۱۳) ابوعلی احمد بن علی بن مہدی بن صدقۃ الرقی، (۱۴) محمد بن عبدالمومن المؤدب القمی الثقہ صاحب النوادر، (۱۵) ابوالحسن علی بن حاتم بن ابی حاتم قزوینی، (۱۶) علی بن محمد بن

یعقوب بن اسحاق صیرفی، (۱۷) ابوالحسن علی بن الحسین سعد آبادی القمی، (۱۸) ابوعلی محمد بن سہیل الکاتب البغدادی، (۱۹) ابومحمد ھارون بن موسیٰ التلعکبری، (۲۰) قاسم بن محمد بن علی ھمدانی وکیل الناحیہ بھمدان، (۲۱) حسن بن زبرقان، (۲۲) ابوعبداللہ حسین بن محمد بن عامر بن عران بن ابی بکر الشعری قمی، (۲۳) ابوعلی احمد بن ادریس بن احمد الاشعری القمی، (۲۴) ابوعیسیٰ عبیداللہ بن فضل بن محمد بن ھلال الطائی البصری، (۲۵) حکیم بن داؤد بن حکیم، (۲۶) محمد بن حسین الجوہری، (۲۷) محمد بن احمد بن علی بن یعقوب، (۲۸) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یعقوب بن اسحاق بن عمار، (۲۹) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن یعقوب، محمد نوری نے احتمال دیا ہے کہ یہ تینوں ایک ہی ہیں، (۳۰) ابو عبداللہ الحسین بن علی الزعفرانی، (۳۱) ابوالحسین احمد بن عبداللہ بن علی الناقد، (۳۲) ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن علی، (مستدرک الوسائل، ج ۳، ص ۵۲۳)

ما ورد فی اسناد تفسیر القمی

تفسیر قمی کے مقدمے میں آپ فرماتے ہیں: **نحن ذاکرون و مخبرون بما ینتھی الینا و رواہ مشائخنا و ثقاتنا عن الذین فرض اللّٰہ طاعتھم و اوجب رعایتھم ولا یقبل العمل الا بھم** ۔ کہ ہم اس کتاب میں وہ روایات ذکر کریں گے جو ہم تک ثقہ رواۃ کے ذریعے پہنچیں۔

و قال صاحب الوسائل: "قد شھد علی بن ابراھیم ایضًا بثبوت احادیث تفسیرہ و انھا مرویّۃ عن الثقات عن الائمۃ۔ صاحب وسائل نے کہا کہ علی بن ابراہیم نے بھی یہ گواہی دی ہے کہ ان کی تفسیر کی روایات ائمہ سے ثقہ افراد نے روایت کی ہیں۔

آقای خوئیؒ نے بھی کہا: یہ استفادہ صحیح ہے چونکہ علی بن ابراہیم اپنی تفسیر کی

وثاقت ثابت کرنا چاہتے تھے جو تمام رواۃ کی وثاقت کے بغیر ممکن نہیں صرف مشائخ کی وثاقت سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

ترجمة القمی

آپ علی بن ابراہیم بن ہاشم **احد مشائخ الشیعہ فی اواخر القرن الثالث و اوائل القرن الرابع**، آپ مشائخ کلینی میں تھے آپ عصر امام عسکری علیہ السلام میں تھے اور ۳۰۴ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی طرف منسوب یہ تفسیر روائی تفسیر ہے اور بعض دفعہ اپنی نظر میں اس میں ذکر کرتے ہیں: علی بن ابراہیم سے تفسیر کو ان کے تلمیذ ابوالفضل عباس بن محمد بن القاسم بن حمزۃ بن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام بیان کرتے ہیں لیکن اصول رجالیہ میں ان کا ذکر موجود نہیں ہے ہاں آپ کے والد محمد اعرابی اور جد قاسم کا ذکر ملتا ہے۔

ہاں عباس کا ذکر کتب انساب میں موجود ہے لیکن موجودہ مطبوعہ تفسیر قمی یہ تنہا علی بن ابراہیم کی نہیں ہے بلکہ مخلوط ہے اس سے جو آپ نے اپنے شاگرد عباس کو لکھوائی اور ابی الجارود سے روایت کی۔ ابوالجارود کے بارے میں نجاشی کہتے ہیں: **زیاد بن المنذر ابو الجارود الھمدانی الخارفی الاعمٰی...... کوفی کان من اصحاب ابی جعفر و روی عن ابی عبد اللّٰہ و تغیّر لمّا خرج زید.**

شیخ نے رجال میں کہا: جارودیہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ ظاہراً پہلے یہ امامی تھا زید کے خروج کے بعد اس کی طرف مائل ہو کر زیدی ہوگیا، اور کشی نے اس کی مذمت میں روایات نقل کی ہیں لیکن صدوق کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب حق کی طرف لوٹ آیا تھا۔

بہرکیف جب تفسیر میں یہ تلفیق حاصل ہوگئی تو اس پر اعتماد مشکل ہو جائے گا

اور وہ شہادت جو مقدمہ میں ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں رہے گی۔ اس کے علاوہ بہت سے منصوص ضعفاء بھی اس کی اسناد میں واقع ہیں جیسے کہ ابو جارود، ابو جمیلہ مفضل بن صالح، علی بن حسان ھاشمی وعبد الرحمٰن عمہ، عمرو بن شمر، حسن بن علی بن ابی حمزہ بطائنی نیز سھل بن زیاد آدمی، نوفلی، معلی بن خنیس، محمد بن فضیل، احمد بن السیاری، محمد بن سنان۔

نیز بہت سے مراسیل اور مقاطیع بھی وارد ہیں پس زیادہ سے زیادہ یہ توثیق ان کے مشائخ کو شامل ہو سکتی ہے چونکہ یہ چیز اس دور میں نقص شمار ہوتی تھی یعنی ضعیف سے بلاواسطہ نقل کرنا اور اس خاطر مصنفین اپنے دامن کو اس عیب سے بچانے کی خاطر کہتے تھے کہ ہم نے ثقات سے نقل کیا ہے کہ ہمارے مشائخ ثقہ ہیں لیکن بعد کے وسائط میں کسی ضعیف کے ہونے سے ان پر نقص وعیب وارد نہیں ہوتا تھا لہٰذا اس قسم کی توثیقات صرف ان کے مشائخ کو شامل ہوں گی دون غیرھم۔ (اور دوسرے رواۃ کو شامل نہیں ہوں گی)۔

اصحاب الصادق علیہ السلام

کہا گیا ہے کہ شیخ نے رجال میں جو اصحاب امام صادق علیہ السلام ذکر کیے ہیں وہ سب ثقہ ہیں شیخ مفید الارشاد میں فرماتے ہیں:

انّ اصحاب الحدیث قد جمعوا اصحاب الرواۃ عنہُ من ثقات علی اختلافھم فی الایراد والمقالات فکانوا اربعۃ آلاف۔ علم حدیث والوں نے امام صادق - کے اصحاب کی تعداد چار ہزار لکھی ہے ان کے مختلف مذاہب و نظریات کے ساتھ۔

شیخ حر عاملی فرماتے ہیں: **ولو قیل بتوثیقہ (خلید بن اوفی الشافی) و توثیق جمیع اصحاب الصادق علیہ السلام الا ّمن ثبت ضعفہ لم یکن**

وثاقت ثابت کرنا چاہتے تھے جو تمام رواۃ کی وثاقت کے بغیر ممکن نہیں صرف مشائخ کی وثاقت سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

ترجمة القمي

آپ علی بن ابراہیم بن ہاشم احد مشائخ الشیعہ فی اواخر القرن الثالث و اوائل القرن الرابع ،آپ مشائخ کلینی میں تھے آپ عصر امام عسکری علیہ السلام میں تھے اور ۳۰۴ھ میں فوت ہوئے ۔آپ کی طرف منسوب یہ تفسیر روائی تفسیر ہے اور بعض دفعہ اپنی نظر میں اس میں ذکر کرتے ہیں: علی بن ابراہیم سے تفسیر کو ان کے تلمیذ ابوالفضل عباس بن محمد بن القاسم بن حمزۃ بن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام بیان کرتے ہیں لیکن اصول رجالیہ میں ان کا ذکر موجود نہیں ہے ہاں آپ کے والد محمد اعرابی اور رجد قاسم کا ذکر ملتا ہے۔

ہاں عباس کا ذکر کتب انساب میں موجود ہے لیکن موجودہ مطبوعہ تفسیر قمی یہ تنہا علی بن ابراہیم کی نہیں ہے بلکہ مخلوط ہے اس سے جو آپ نے اپنے شاگرد عباس کو لکھوائی اور ابی الجارود سے روایت کی ۔ابو الجارود کے بارے میں نجاشی کہتے ہیں: **زیاد بن المنذر ابو الجارود الهمداني الخارفي الاعمٰى...... كوفي كان من اصحاب ابي جعفر و روى عن ابي عبد الله و تغيّر لمّا خرج زيد.**

شیخ نے رجال میں کہا: جارودیہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے ۔ظاہراً پہلے یہ امامی تھا زید کے خروج کے بعد اس کی طرف مائل ہو کر زیدی ہوگیا، اور کشی نے اس کی مذمت میں روایات نقل کی ہیں لیکن صدوق کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب حق کی طرف لوٹ آیا تھا۔

اور وہ شہادت جو مقدمہ میں ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں رہے گی۔اس کے علاوہ بہت سے منصوص ضعفاء بھی اس کی اسناد میں واقع ہیں جیسے یہی ابو جارود، ابو جمیلہ مفضل بن صالح، علی بن حسان ھاشمی وعبدالرحمٰن عمہ، عمرو بن شمر، حسن بن علی بن ابی حمزہ بطائنی نیز سہل بن زیاد آدمی، نوفلی، معلیٰ بن خنیس، محمد بن فضیل، احمد بن السیاری، محمد بن سنان ۔

نیز بہت سے مراسیل اور مقاطیع بھی وارد ہیں پس زیادہ سے زیادہ یہ توثیق ان کے مشائخ کو شامل ہوسکتی ہے چونکہ یہ چیز اس دور میں نقص شمار ہوتی تھی یعنی ضعیف سے بلاواسطہ نقل کرنا اور اس خاطر مصنفین اپنے دامن کو اس عیب سے بچانے کی خاطر کہتے تھے کہ ہم نے ثقات سے نقل کیا ہے کہ ہمارے مشائخ ثقہ ہیں لیکن بعد کے وسائط میں کسی ضعیف کے ہونے سے ان پر نقص وعیب وارد نہیں ہوتا تھا لہٰذا اس قسم کی توثیقات صرف ان کے مشائخ کو شامل ہوں گی **دون غيـرهم** ۔(اور دوسرے رواۃ کو شامل نہیں ہوں گی)۔

اصحاب الصادق عليه السلام

کہا گیا ہے کہ شیخ نے رجال میں جو اصحاب امام صادق علیہ السلام ذکر کئے ہیں وہ سب ثقہ ہیں شیخ مفید الارشاد میں فرماتے ہیں:

انّ اصحاب الحديث قد جمعوا اصحاب الرواة عنهُ من ثقات على اختلافهم في الايراد و المقالات فكانوا اربعة آلاف ۔علم حدیث والوں نے امام صادق - کے اصحاب کی تعداد چار ہزار لکھی ہے ان کے مختلف مذاہب و نظریات کے ساتھ۔

شیخ حر عاملی فرماتے ہیں: **ولو قيل بتوثيقه (خليد بن اوفى الشافي)** و

وثاقت ثابت کرنا چاہتے تھے جو تمام رواۃ کی وثاقت کے بغیر ممکن نہیں صرف مشائخ کی وثاقت سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

ترجمة القمي

آپ علی بن ابراہیم بن ہاشم **احد مشائخ الشیعه فی اواخر القرن الثالث و اوائل القرن الرابع**، آپ مشائخ کلینی میں تھے آپ عصر امام عسکری علیہ السلام میں تھے اور ۳۰۴ میں فوت ہوئے۔ آپ کی طرف منسوب یہ تفسیر روائی تفسیر ہے اور بعض دفعہ اپنی نظر میں اس میں ذکر کرتے ہیں: علی بن ابراہیم سے تفسیر کو ان کے تلمیذ ابوالفضل عباس بن محمد بن القاسم بن حمزة بن موسیٰ بن جعفر علیہما السلام بیان کرتے ہیں لیکن اصول رجالیہ میں ان کا ذکر موجود نہیں ہے ہاں آپ کے والد محمد اعرابی اور جد قاسم کا ذکر ملتا ہے۔

ہاں عباس کا ذکر کتب انساب میں موجود ہے لیکن موجودہ مطبوعہ تفسیر قمی یہ تنہا علی بن ابراہیم کی نہیں ہے بلکہ مخلوط ہے اس سے جو آپ نے اپنے شاگرد عباس کو لکھوائی اور ابی الجارود سے روایت کی۔ ابوالجارود کے بارے میں نجاشی کہتے ہیں: **زیاد بن المنذر ابو الجارود الهمدانی الخارفی الاعمٰی...... کوفی کان من اصحاب ابی جعفر و روی عن ابی عبد الله و تغیّر لمّا خرج زید.**

شیخ نے رجال میں کہا: جارودیہ فرقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ ظاہراً پہلے یہ امامی تھا زید کے خروج کے بعد اس کی طرف مائل ہو کر زیدی ہوگیا، اور کشی نے اس کی مذمت میں روایات نقل کی ہیں لیکن صدوق کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مذہب حق کی طرف لوٹ آیا تھا۔

بہرکیف جب تفسیر میں یہ تلفیق حاصل ہوگئی تو اس پر اعتماد مشکل ہو جائے گا

اور وہ شہادت جو مقدمہ میں ہے وہ بھی قابل اعتماد نہیں رہے گی۔ اس کے علاوہ بہت سے منصوص ضعفاء بھی اس کی اسناد میں واقع ہیں جیسے یہی ابو جارود، ابو جمیلہ مفضل بن صالح، علی بن حسان ھاشمی وعبد الرحمٰن عمہ، عمرو بن شمر، حسن بن علی بن ابی حمزہ بطائنی نیز سھل بن زیاد آدمی، نوفلی، معلّی بن خنیس، محمد بن فضیل، احمد بن السیاری، محمد بن سنان۔

نیز بہت سے مراسیل اور مقاطیع بھی وارد ہیں پس زیادہ سے زیادہ یہ توثیق ان کے مشائخ کو شامل ہو سکتی ہے چونکہ یہ چیز اس دور میں نقص شمار ہوتی تھی یعنی ضعیف سے بلاواسطہ نقل کرنا اور اس خاطر مصنفین اپنے دامن کو اس عیب سے بچانے کی خاطر کہتے تھے کہ ہم نے ثقات سے نقل کیا ہے کہ ہمارے مشائخ ثقہ ہیں لیکن بعد کے وسائط میں کسی ضعیف کے ہونے سے ان پر نقص وعیب وارد نہیں ہوتا تھا لہٰذا اس قسم کی توثیقات صرف ان کے مشائخ کو شامل ہوں گی دون غیرھم۔ (اور دوسرے رواۃ کو شامل نہیں ہوں گی)۔

اصحاب الصادق علیہ السلام

کہا گیا ہے کہ شیخ نے رجال میں جو اصحاب امام صادق علیہ السلام ذکر کئے ہیں وہ سب ثقہ ہیں شیخ مفید الارشاد میں فرماتے ہیں:

انّ اصحاب الحدیث قد جمعوا اصحاب الرواۃ عنہٗ من ثقات علی اختلافھم فی الایراد والمقالات فکانوا اربعۃ آلاف۔ علم حدیث والوں نے امام صادق - کے اصحاب کی تعداد چار ہزار لکھی ہے ان کے مختلف مذاہب و نظریات کے ساتھ۔

شیخ حر عاملی فرماتے ہیں: **ولو قیل بتوثیقہ (خلید بن اوفی الشافی) و توثیق جمیع اصحاب الصادق علیہ السلام الاّ من ثبت ضعفہ لم یکن**

بعیدا لانّ المفید فی الارشاد وابن شہر آشوب فی معالم العلماء والطبرسی فی اعلام الوریٰ قد وثقوا اربعة الآف من اصحاب الصادق علیه السلام والموجود فی کتب الرجال و الحدیث لا یبلغون ثلاثة آلاف و ذکر العلامة وغیره انّ ابن عقدة جمع اربعة آلاف المذکورین فی کتب الرجال۔(امل الآمل، ج ۱) شیخ حر عاملی کہتے ہیں: اگر خلید بن اوفی اور تمام اصحاب امام صادق علیہ السلام کی توثیق کا کہہ دیں تو بعید نہیں ہے کیونکہ شیخ مفید، ابن شہرآشوب اور طبرسی نے امامؑ کے چار ہزار اصحاب کو ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ کتب رجال میں امامؑ کے اصحاب تین ہزار تک ملتے ہیں، ہاں علامہ کے بقول ابن عقدہ نے حضرت کے چار ہزار اصحاب کے اسماء جمع کیے ہیں۔

شیخ طوسی ونجاشی نے ان رجال کی وثاقت کی بات نہیں کی۔ یہ شہادت خود شیخ مفید کی طرف سے ہے، شیخ طبرسی نے اعلام الوریٰ میں یہی بات کی ہے جبکہ محقق نے معتبر میں علامہ نے خلاصہ قسم ثانی میں ترجمہ ابن عقدہ میں تعداد چار ہزار رجال کی بات کی ہے لیکن ان کی وثاقت کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ نوری نے خاتمہ مستدرک فائدہ ثامنہ میں ان سب اعلام کی عبارات کو ذکر کیا ہے۔

آقای خوئی فرماتے ہیں: یہ دعویٰ ناقابل تصدیق ہے کیونکہ اگر یہ مراد ہو کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب چار ہزار افراد تھے اور وہ سب ثقہ تھے تو یہ دعویٰ تو بالکل اسی کے مشابہ ہے جو کہا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب صحابہ عادل تھے۔ جبکہ اصحاب صادق علیہ السلام میں سے کتنے ہیں جن کی تضعیف کی گئی ہے، ابو جعفر دوانیقی کو امام کے اصحاب میں سے شمار کیا گیا ہے کیا اس کی وثاقت کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب اس سے کہیں زیادہ تھے ان

میں سے ثقہ چار ہزار افراد تھے لیکن یہ بھی نا قابل تصدیق ہے اور شیخ نے رجال میں چار ہزار تو ذکر نہیں کئے تین ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔(معجم رجال حدیث، ج ا،ص ۱۷)

اور یہ ثابت نہیں کہ شیخ مفید انہی چار ہزار افراد کی طرف ناظر تھے جو ابن عقدہ نے ذکر کئے کیونکہ اور بھی مجموعہ رجالیہ موجود تھے اور شیخ نے کہا ہے کہ میں نے رجال میں وہ سب جمع کئے جو ابن عقدہ نے جمع کئے اور کچھ اضافات بھی کئے حالانکہ اس کے باوجود تین ہزار پچاس سے زیادہ جمع نہیں کر سکے بہرکیف یہ بات خلاف واقع ہے اور سب اصحاب صادق علیہ السلام کو ثقہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

۸۔ شیخوخۃ الاجازۃ

بعض مشائخ اجازہ جو کسی اصل یا روایت کا اجازہ دیتے ہیں کتب رجال میں موصوف بالوثاقۃ نہیں ہوتے۔آیا ثقہ کا ان سے استجازہ ان کے ثقہ ہونے کی علامت ہے یا نہیں؟

وحید بھبھانی نے یہ کہا ہے کہ امارات وثاقت ومدح وقوۃ میں سے کسی شخص کا مشائخ اجازہ میں سے ہونا ہے: قال والمتعارف عدّۃ من اسباب الحسن و ربما یظھر من جدّی دلالۃ علی الوثاقۃ وکذا من المصنف فی ترجمۃ الحسن بن علی بن زیاد (تعلیقۃ الوحید البھبھانی علی منھج المقال)۔

شہید ثانی نے بھی ایسا کہا ہے کما سبق

شیخ تستری نے اس بارے میں مفصل گفتگو کی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

کما انّ ما اشتھر عندھم من غناء مشائخ الاجازۃ عن التوثیق ایضًا کلام من غیر تحقیق و ممّا یوضح عدم صحتہ اجمالا انّ الشیخ صرّح بکون الحسن بن محمد بن اخی طاھر اجاز التلعکبری مع انّ

النجاشی قال انّہ روی عن المجاهيل احاديث منكرة رايت اصحابنا يضعّفونه وابن الغضائری قال كان كذابا يضع الحديث مجاهرة و يدّعی رجالاً غرباء لا يعرفون و يعتمد مجاهيل لا يذكرون و تحقيق الكلام و تفصيله ان يقال انّ الشيخ الاجازة امّا يجيز كتاب نفسه و فيه يشترط ثبوت وثاقته كغيره من الرواة مطلقاً الاّ ان يكون جميع احاديث كتبه مطابقا لاحاديث كتاب معتبر فيكون احاديثه مقبولة و ان كان فی نفسه ضعيفا ولذا قال الصدوق فی محمد بن اورمة المطعون فيه بالغلّو انّ ما فی كتبه ممّا يوجد فی كتب الحسين بن سعيد وغيره فانّه يعتمد عليه و يفتی به و كلّ ما تفرّد به لم يجز العمل عليه ولا يعتمد و امّا يجيز كتاب غيره فان اجاز ما يكون نسبته الی مصنفه مقطوعة كاجازة الكافی و سائر الكتب الاربعة وما يكون نظيرها فلا احتياج فی مثله الی التوثيق لانّ المراد مجرد اتصال السند لا تحصيل العلم بنسبته الی مصنّفه وان اجاز ما لا تكون نسبته مقطوعة يحتاج ايضًا جواز العمل بما اجازه الی توثيق كسائر الرواة ولذا قال ابن الوليد كتب يونس بن عبد الرحمٰن التی هی بالروايات كلّها صحيحة معتمدة عليها الاّ ما ينفرد به محمد بن عيسٰی ولم يروه غيره فانه لا يعتمد عليه ولا يفتی به. الخ. (قاموس الرجال، ج۱)

توضیح المسئلة

اجازہ تین طرح سے ہوتا ہے:

۱۔ شیخ اپنی کتاب کی اجازت دے، تو اس شیخ مجیز میں بھی وہی شرط ہے جو تمام رواۃ میں وثاقت و ضبط کی شرط ہے۔ اور صرف ثقہ کا اس سے استجازہ اس کے ثقہ ہونے پر حتی عند المستجیز دلالت نہیں کرتا کیونکہ استجازۃ روایت سے بڑھ کر تو نہیں ہے جیسے کسی سے ثقہ کی روایت کرنا مروی عنہ کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اسی طرح استجازہ بھی دلالت نہیں کرتا۔ لہٰذا مجیز کی وثاقت دوسرے طریقے سے معلوم کرنا ہوگی۔

ہاں اگر اس کی کتاب کی تمام احادیث کسی معتبر کتاب کی احادیث کے مطابق ہوں تو اس کی احادیث مقبول ہوں گی چاہے وہ خود ثقہ ہو یا نہ ہو۔ اسی وجہ سے محمد بن الحسن بن الولید (شیخ صدوق) نے **محمد بن اورمه المطعون فيه بالغلو** کے بارے کہا ہے: ﴿**انّ كل ما كان في كتبه ممّا وجد في كتب الحسين بن سعيد وغيره فانّه يعتمد عليه ويفئ به و كلّ ما تفرّد به لم يجز العمل عليه ولا يعتمد**﴾ (فہرس النجاشی، رقم ۸۹۱) کہ جو روایات اس کی کتب میں ہیں وہ سب حسین بن سعید وغیرہ کی کتب میں موجود ہیں لہٰذا ان پر اعتماد کیا جائے گا اور ان کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا لیکن جس روایت میں وہ متفرد ہوں اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

لیکن اس شرط کی تحصیل موجودہ زمانوں میں ممکن نہیں رہی، شیخ کے بعد سابقہ اصول و کتب پر زیادہ توجہ نہ رہی ان کی کتاب و استنساخ کی ضرورت نہ رہی شیخ نے آخر استبصار میں کہا ہے کہ ان تین کتب (تہذیب، استبصار اور نہایہ) کے ہوتے ہوئے انشاء اللہ کتب و اصول میں سے کسی کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۲۔اپنے غیر کی کتاب کی اجازت دے اور کتاب کا انتساب اس کے مصنف کی طرف مشہور ہو، یہ اجازہ صرف اتصال سند کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ نسبت الی المصنف کے بارے علم حاصل کرنے کی خاطر۔ کتب اربعہ وغیرھا من الکتب المشھورۃ کے بارے اجازات اس قبیل سے ہیں، اس میں مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کتاب کی حدیث کو حدثنا کے ذریعے نقل کر سکے۔

اس صورت میں بھی استجازہ سے وثاقت شیخ ثابت نہیں ہوتی۔ چونکہ جس مقصد کے لئے اجازہ لیا ہے وہ مجیز کے ثقہ ہونے اور نہ ہونے دونوں صورتوں میں حاصل ہو جاتا ہے۔

اور شیخ صدوق نے جن کتب سے من لا یحضرہ الفقیہ میں روایت کی ہے وہ ظاہراً کتب مشہورہ تھیں لہٰذا اس کا مشیخہ صرف اتصال سند کی خاطر تھا لہٰذا اس میں استجازہ مروی عنہ کی وثاقت پر دال نہیں ہوگا۔

شیخ صدوق من لا یحضرہ الفقیہ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: ﴿**وجمیع ما فیہ مستخرج من کتب مشہورۃ علیہا المعوّل و الیہا المرجع مثل کتاب حریز بن عبداللّٰہ السجستانی و کتاب عبید اللّٰہ بن علی الحلبی و کتب علی بن مہزیار الاھوازی و کتب الحسین بن سعید و نوادر احمد بن محمد بن عیسٰی و کتاب نوادر الحکمۃ تصنیف محمد بن احمد بن یحیی بن عمران الاشعری و کتاب الرحمۃ سعد بن عبد اللّٰہ و جامع شیخنا محمد بن الحسن بن الولید و نوادر محمد بن ابی عمیر و کتاب المحاسن لاحمد بن ابی عبد اللّٰہ البرقی و رسالۃ ابی الیّ و غیرھا من الاصول و المصنفات التی طرقی الیہا**

معروفة فی فهرس الکتب التی رویتها عن مشائخی و اسلامی﴾

جب ان مصنفین کی کتب معروف ومشہور ہوں تو ان تک صدوق کے طریق کی صحت وعدم صحت سے بحث کرنا بلافائدہ ہوگا۔ اسی طرح شیخ کی روایت از کتب معروفہ کا بھی یہی حکم ہوگا۔

پس جس کتاب یا اصول سے حدیث لی گئی ہے اس کی نسبت اس کے مصنف کی طرف مشہور ومعروف ہو مثل کتاب کافی یا اس سے کمتر۔ تو شیخ اجازہ کی عدم وثاقت مضر نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی وثاقت محرز ومعلوم نہ ہو۔

محقق تستری نے بھی یہی بات کی ہے وہ فرماتے ہیں: ﴿**بل یمکن ان یقال بعدم الاحتیاج الی ما فعل فی طرق شیخ الصدوق حیث انّه صرّح فی الفقیه بمعروفیة طرقه الی الکتب و ان الکتب فی نفسها مشهورة**﴾۔

۳۔ شیخ ایسی کتاب کی روایت کی اجازت دے جس کتاب کی نسبت اس کے مصنف تک ثابت نہ ہو مگر اسی شیخ مجیز کے ذریعے، اس میں بلاشک مجیز کی وثاقت عند المستجیز ثابت ہونا ضروری ہے ورنہ کتاب کی نسبت الی مؤلفہ ثابت نہیں ہو سکے گی، اس صورت میں ان کتب کے مصنفین تک کے طرق کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کتب کی نسبت ان کے مصنفین و مؤلفین تک ثابت ہو سکے اور یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا مگر اس صورت میں کہ اس سلسلہ سند کے تمام رواۃ مجیزین ثقہ ہوں، مستجیز کے لئے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا مگر جب اس کا شیخ مجیز اس کے نزدیک ثقہ ہو اور یہ وہ محل بحث صورت ہے کہ شیخوخۃ الاجازۃ دلیل وثاقت مجیز ہے نزد مستجیز۔ لیکن یہ صرف اس کی روایت کرنے سے ثابت نہیں ہو سکتی۔

الوکالۃ عن الامام

وثاقت کے اثبات کا ایک طریقہ جس سے استدلال ممکن ہے وکالت از طرف امام ہے کہ امام علیہ السلام کسی شخص کو کسی کام کے سلسلہ میں وکالت دیں تو اس سے کیا اس شخص کے ثقہ ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے؟ وکالت دو قسم کی ہوتی ہے: (۱)وکالت بطور مطلق یعنی وکالت عامہ جیسا کہ سفراء اربعہ کی حاصل تھی، (۲) وکالت خاص یعنی کسی خاص جہت میں، پہلی طرح کی وکالت سے وکیل کی منزلت و شان کی رفعت وعظمت واضح ہوتی ہے اس میں تو کوئی اشکال نہیں ہے اشکال وکالۃ خاصہ میں ہے اس طرح کے وکلاء ائمہ کے بہت سے افراد تھے۔

ہر وکیل کی وثاقت پر کلینی کی اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے۔

عن علي بن محمد عن الحسن بن عبد الحميد قال شككت في امر "حاجز" فجمعت شيئا ثمّ صرت الى العسكر فخرج اليّ ليس فينا شك ولا في من يقوم مقامنا بأمرنا، ردّ ما معك الى حاجز بن يزيد (كافي ج ۱، باب مولد الصاحب)۔ حسن بن عبدالحمید کہتے ہیں مجھے امامؑ کے وکیل حاجز بن یزید کے بارے شک ہوا تو میں نے محلّہ عسکر میں امامؑ کی خدمت میں نامہ لکھا تو ان کی طرف سے جواب آیا نہ ہم میں شک ہے نہ اس میں جو ہمارے حکم سے ہمارے قائم مقام ہے پس مال امام حاجز کے حوالے کردو۔

یہ روایت اخص از مدعیٰ ہے اس لئے کہ یہ ان وکلاء کے بارے ہے کہ جو معروف تھے وکالۃ مطلقہ رکھتے تھے امر ائمہ کے ساتھ، جبکہ ہماری گفتگو وکالۃ خاصہ کے

بارے ہے۔

بعض نے کہا: وکیل اگر عادل نہ ہو تو رکون الی الظالم لازم آئے گا جو کہ حرام ہے۔

لیکن اس کے مقابل یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض وکلاء کے بارے مذمت بھی وارد ہوئی ہے، شیخ طوسی نے کتاب الغیبۃ میں ایک خاص باب منعقد کیا ہے ان وکلاء کے بارے جن کے بارے ذم وارد ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لمبی مدت کے لئے وکیل رہا ہو اور اس کے بارے کوئی ذم وارد نہ ہوئی ہو تو اسے اس کی وثاقت پر قرینہ بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ استاد جعفر سبحانی مدظلہ نے کلیات فی علم الرجال صفحہ ۳۴۵ میں کہا ہے۔

كثرة تخريج الثقة عن شخص

کسی شخص سے ایک ثقہ کثرت سے نقل کرے تو کیا یہ اس کی وثاقت کی دلیل ہے؟

جواب:۔ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ ثقات کا ضعفاء سے کثرت سے روایت کرنا ثابت ہے جیسا کہ صاحب نوادر الحکمۃ کے بارے وارد ہے: **كان ثقة في الحديث الاّ انه كان يروى عن الضعفاء.**

البتہ ضعاف سے روایت کرنا مشائخ کے درمیان ناپسندیدہ امر شمار ہوتا تھا اس وجہ سے احمد بن محمد بن عیسیٰ القمی نے احمد بن محمد بن خالد برقی کو قم سے نکال دیا تھا چونکہ وہ کثرت سے ضعاف سے نقل کرتے تھے۔ صاحب مستدرک محدث نوری نے کسی شخص سے ثقہ کے نقل کو اس کی وثاقت کی دلیل قرار دیا ہے اور ایسی وجوہ سے تمسک کیا ہے جو اسے ثابت نہیں کر سکتی۔

کتب اربعہ کے بارے بحث

ان کتب کے بارے گفتگو سے پہلے بعض اصطلاحات کی وضاحت ضروری ہے، چار اصطلاحیں رائج الاستعمال ہیں الکتاب، الاصل، التصنیف (المصنف)، النوادر۔ چونکہ کسی راوی کے بارے صاحب اصل و کتاب کہنے کو بعض نے اسباب مدح و وثاقت میں سے شمار کیا ہے لہذا یہ جاننا ضروری ہے کہ ان سے مراد کیا ہے اور اصول اربعمائۃ کیا ہے۔

(۱) الکتاب

کلمات علماء میں کتاب اپنے عام معنی میں استعمال ہوتی ہے یہ اصل و نوادر سے اعم ہے ان پر بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے اور اصل پر کتاب کا اطلاق کثرت سے ہوا ہے جیسا کہ احمد بن محمد بن عمار کے ترجمہ میں شیخ فہرست میں فرماتے ہیں: **کثیر الحدیث و الاصول و صنّف کتبًا۔** احمد بن میثم کے ترجمہ میں رجال میں شیخ فرماتے ہیں: **روی عنه حمید بن زیاد کتاب الملاحم و کتاب الدلالة و غیر ذلک من الاصول۔** اسحاق بن جریر کے ترجمہ میں فہرس میں فرماتے ہیں: **له اصل**۔ اور نجاشی نے رجال میں کہا **له کتابٌ**۔ حسین بن ابی علاء کے ترجمہ میں فہرس میں کہا: **له کتاب یعدّ فی الاصول وغیرها۔**

اور اسباب بن سالم کے ترجمہ میں فہرس میں فرمایا: **له کتاب اصل۔** (صاحب ذریعہ نے ج ۲ صفحہ ۱۴۰ رقم ۵۲۲ پر کہا کہ یہ مطابق نسخہ صحیحہ فہرس ہے لیکن وہ جو فہرس کا مطبوعہ نسخہ ہے اس میں له اصل آیا ہے)۔

کتاب نوادر پر بھی بولی جاتی ہے جیسا کہ کہتے ہیں **له کتاب النوادر۔** نجاشی نے احمد بن محمد بن یحییٰ کے ترجمہ میں کہا: **له کتب لا یعرف منها الاّ**

النوادر۔

(۲)الاصل

اصل کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں مصنف نے وہ روایات جمع کی ہوں جو اس نے معصوم علیہ السلام سے روایت کی ہوں یا راوی عن المعصوم سے۔

وحید بہبہانی فرماتے ہیں: بعض نے کہا ہے کتاب وہ ہے جو مبوّب و مفصّل ہو یعنی باب باب اور فصل فصل ہو جبکہ اصل میں اخبار و آثار جمع کیے جاتے ہیں بغیر ترتیب کے، لیکن یہ درست نہیں چونکہ بہت سے اصول مبوّب ہیں۔

سید مہدی بحرالعلوم (م۱۲۱۲) فرماتے ہیں: **الاصول فی اصطلاح المحدثین من اصحابنا بمعنی الکتاب المعتمد الذی لم ینتزع من کتاب آخر۔** (تنقیح المقال، ج۱) کہ ہمارے محدثین کی اصطلاح میں اصول وہ قابل اعتماد کتاب ہے جو کسی اور کتاب سے نہ لی گئی ہو۔

عنایۃ اللہ قہپائی فرماتے ہیں: **فالاصل مجمع عبارات الحجة، والکتاب یشتمل علیه و علی الاستدلالات والاستنباطات شرعاً و عقلاً۔** (مجمع الرجال، ج۱، ص۹)۔

آقا بزرگ الطہرانی کہتے ہیں: **الاصل هو عنوان صادق علی بعض کتب الحدیث خاصّة کما انّ الکتاب عنوان یصدق علی جمیعها...... و ذلک لانّ کتاب الحدیث ان کان جمیع احادیثه سماعاً من مؤلفه عن الامام او سماعاً منه عمّن سمع عن الامام فوجود تلک الاحادیث فی عالم الکتابة من صنع مؤلّفها وجود**

اصلی بدویّ ارتجالی غیر متفرع من وجود آخر فیقال له الاصل لذلک...... کما انّ اصل کلّ کتاب هو المکتوب الاوّلی منه الذی کتبه المولّف فیطلق علیه النسخة الاصلیة او الاصل لذلک الذی کتبه المؤلّف فیطلق علیه النسخة الاصلیة او الاصل لذلک

سید محسن امین ان تعاریف کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ سب حدس و تخمین ہیں۔(اعیان الشیعہ، ج۱، صفحہ۴۹)

یہ اصطلاح پانچویں صدی ہجری کے شیعہ علماء کی کتب میں ظاہر ہوئی ہے یعنی شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان (م۴۱۳)، شیخ ابو العباس النجاشی (م۴۵۰) اور شیخ ابو جعفر الطوسی (م۴۶۰) اور نجاشی و شیخ کی کتب رجال (فہرس) کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اصل ایک عنوان مستقل ہے جو صرف بعض کتب حدیث پر بولا جاتا ہے شیخ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

فانّی لمّا رایت جماعة من شیوخ طائفتنا من اصحاب الحدیث عملوا فهرست کتب اصحابنا...... ولم یتعرض احد منهم باستیفاء جمیعه الاّ ما قصده ابو الحسین احمد بن الحسین بن عبید اللّٰه الغضائری فانّه عمل کتابین احدهما ذکر فی المصنّفات و الآخر ذکر فیه الاصول۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے بزرگ اصحاب حدیث نے کتب اصحاب کی فہرست قرار دی ہے۔۔۔ لیکن سب نے پوری فہرست نہیں دی سوائے اس کے جو ابن الغضائری نے کام کیا، انہوں نے اس عنوان سے دو کتابیں لکھی ایک تصنیفات کے بارے اور دوسری اصول کے بارے۔

(۲) احمد بن محمد سیرافی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: **له کتب فی الفقه**

علی ترتیب الاصول۔

(۳) ترجمہ بندار بن محمد بن عبداللہ میں فرمایا: **لـه كتب منها كتاب الطهارة...... علی نسق الاصول۔**

اس کے باوجود شیخ طوسیؒ نے کہیں بھی اصل کے مفہوم کی طرف اشارہ نہیں کیا، اصل اور کتاب میں شخصیت مؤلف فارق نہیں ہو سکتی جیسا کہ اسماعیل بن مہران بن محمد بن ابی نصر السکونی کے بارے شیخ فرماتے ہیں: **صنّف مصنفات كثيرة فها كتاب الملاحم و كتاب ثواب القرآن و كتاب خطب امير المؤمنين،** پھر ان کی اسناد ذکر کیں اور کہا: **وله اصل اخبرنا به عدّة من اصحابنا۔**

زکار بن یحییٰ الواسطی کے بارے کہا: **له كتاب الفضائل وله اصل۔** اور نہ فارق نہ یہ قرار دے سکتے ہیں کہ اصل میں نقل از معصومینؑ ہوتا ہے کیونکہ کئی ایسی صفات والی اصول کو کتاب کہا گیا ہے جیسا کہ کتاب سلیم بن قیس۔ البتہ زیادہ تر اصحاب اصول عصر امام صادق علیہ السلام سے ہیں جیسا کہ:

(۱) امین الاسلام طبرسی نے اعلام الوریٰ میں کہا ہے (م ۵۴۸) **روى عن الامام الصادقؑ من مشهوری اهل العلم اربعة آلاف و صنّف من جواباته فی المسائل اربعمائة كتاب تسمّى الاصول رواها اصحابه و اصحاب ابنه موسى الكاظمؑ۔**

(۲) شہید اول نے ذکری میں کہا: **كتب من اجوبة الامام الصادقؑ اربعمائة مصنّف لاربعمائة مصنّف۔**

(۳) محقق اوّل نے بھی معتبر میں یہی کہا ہے۔

(۳) مصنّف

شیخ طوسیؒ نے فہرس کے دیباچہ میں کہا: ابن غضائری نے دو کتابیں لکھی ایک مصنفات کے بارے میں ہے اور دوسری میں اصول ذکر کئے۔

ھارون بن موسیٰ التلعکبر ی کے ترجمہ میں کہا: **روی جمیع الاصول و المصنفات** ۔ اسی بناء پر محقق تستری فرماتے ہیں کہ اصل و تصنیف میں تقابل ہے اور کتاب اعم ہے۔ اور تصنیف وہ ہے کہ جس کی تمام یا اکثر احادیث اس سے سابق لکھی ہوئی کتاب سے لی گئی ہوں یا اس میں مصنف کی اپنی کلام اتنی زیادہ ہو کہ اسے کتاب روایت ہونے سے خارج کر دے لیکن وحید بھبہانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف اعم از اصل و نوادر ہے جیسا کہ احمد بن میثم کے ترجمہ میں شیخ فہرس میں کہتے ہیں: **لہ کتاب الدلائل کتاب المتعة، کتاب النوادر، کتاب الملاحم**۔

استاد جعفر سبحانی فرماتے ہیں کہ ہماری نظر میں اقویٰ یہ ہے کہ کتاب و مصنف دو مترادف اصطلاحیں ہیں دونوں سے مراد وہ کتب ہیں جو اصحاب نے تدوین کی ہیں اور اصل کتاب کی قسم خاص ہے۔

(۴) النوادر

نجاشی نے بہت سے اصحاب کے لئے کتاب النوادر ذکر کی ہیں جو کہ تقریباً ۱۵۰ موارد ہیں ان موارد کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ نوادر ان کتب کو کہا جاتا ہے کہ جن کا کوئی موضوع معیّن نہ ہو یا ان کی روایات کو شہرت محققہ حاصل نہ ہو۔

صاحب ذریعہ فرماتے ہیں: **انّ النوادر عنوان عام لنوع من مؤلفات الاصحاب فی القرون الاربعة الاولیٰ کان یجمع فیھا الاحادیث غیر المشھورة او التی تشتمل علی احکام غیر متداولة و**

استثنائية او مستدركه لغيرها۔(ج ع ۲،ص ۳۱۰) یعنی پہلی چار صدیوں کے ہمارے مصنفین کی ان کتب کو نوادر کہا جاتا ہے جن میں غیر مشہور احادیث جمع کی گئی ہوں یا غیر رائج احکام یا استثنائی احکام پر مشتمل ہوں یا کسی دوسری کتاب کے استدراک کے طور پر لکھی گئی ہو۔

وحید بھبہانی فرماتے ہیں: **امّا النوادر فالظاهر انّ ما اجتمع فيه احاديث لا تضبط في باب لقلّة بان يكون و احداً او متعدداً لكن يكون قليلا جداً...... و ربما يطلق النادر على الشاذ...... والشاذ ما رواه الراوى الثقة مخالفا لما رواه الاكثر وهو مقابل المشهور...... و نقل عن بعض انّ النادر ما قلّ روايته و ندر العمل به...... و ادعى انه الظاهر من كلام الاصحاب...... ولا يخلو عن تامّل۔**

یعنی نوادر وہ کتاب ہے کہ جس میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہوں جو کم ہونے کی وجہ سے کسی ضابطہ میں نہ آسکیں، بعض دفعہ شاذ کو بھی نادر کہا جاتا ہے۔۔۔اور شاذ سے مراد وہ روایت ہے جسے ثقہ راوی روایت کرے لیکن وہ مشہور روایت کے مخالف ہو، بعض نے کہا: نادر یعنی جسے کم روایت کریں اور اس پر عمل بھی کم ہو اور دعویٰ کیا کہ یہی کلام اصحاب سے ظاہر ہے لیکن یہ بات اشکال سے خالی نہیں ہے۔

اهمية الاصول

شیخ بہائی مشرق الشمسین میں فرماتے ہیں: **فی جملة ما یوجب حکم قدماء الاصحاب بصحة الاحادیث امور منها وجوده فی کثیر من الاصول الاربعمائة المشهورة او تکرّره فی اصل واحد او اصلین منها بطرق مختلفة و اسانید عدیدة مختلفة او وجوده فی اصل معروف الانتساب الی احد اصحاب الاجماع**۔ قدماء اصحاب نے جو احادیث کی صحت کا حکم لگایا اس کی وجہ کئی امور ہیں، ان میں سے یہ کہ حدیث اصول اربع مأة مشہورہ میں ہو یا ان میں سے کسی ایک میں وہ حدیث مختلف اسناد کے ساتھ تکرار کے ساتھ موجود ہو یا کسی ایسی اصل میں ہو جس کی نسبت اصحاب اجماع میں سے کسی ایک کی طرف معروف ہو۔ (مشرق الشمسین (حبل المتین) صفحہ ۲۶۹)

محقق داماد الرواشح السماویہ میں فرماتے ہیں: **یقال قد کان من دأب اصحاب الاصول انهم اذا سمعوا من احدهم حدیثاً بادروا الی ضبطه فی اصولهم من غیر تاخیر**۔ صاحبانِ اصول کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی سے حدیث سنتے تو فوراً سے اپنے اصول میں لکھ لیتے۔

آقا بزرگ تہرانی فرماتے ہیں: **ومن الواضح انّ احتمال الخطاء و الغلط والسهو والنسیان وغیرها فی الاصل المسموع شفاها عن الامام او عمّن سمع عنه اقلّ منها فی الکتاب المنقول عن کتاب آخر لتطرّق احتمالات فی النقل عن الکتاب فالاطمینان بصدور عین**

الالفاظ المندرجة فی الاصول اکثر والوثوق به آکد۔ غلطی ونسیان کا احتمال اس اصل میں کم ہے جو خود معصوم سے سنی گئی ہو اس کی نسبت جو کسی دوسری کتاب سے نقل کی گئی ہو لہٰذا اصول میں خود معصوم کے الفاظ کا ہونا زیادہ مورد اطمینان ہے۔(الذریعہ، ج ۲،ص ۱۲۶)

اصول اربعمأۃ (چارسواصول یعنی بنیادی کتب)

بہت سے محدثین و مؤرخین نے کہا کہ اصحاب ائمہ علیہم السلام نے اصول تصنیف کئے اور انہوں نے ائمہؑ سے جو سنا اسے لکھ لیا تا کہ سہو ونسیان سے محفوظ رہے تا کہ اس میں دس وتصحیف واقع نہ ہو۔

لیکن ان اصول کی تعداد کیا تھی اس کی تعداد نہ تحقیقاً ثابت ہے نہ تقریباً۔ شیخ طوسی نے اول فہرس میں کہا: عدد تصانیف و اصول اصحاب کا مضبوط نہ ہونا اس وجہ سے تھا کہ اصحاب مختلف شہروں میں متفرق تھے۔

ہاں محقق حلی (اول)، امین الاسلام طبرسی، شہید اول، شیخ عبدالصمد عاملی، سید داماد اور شہید ثانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اصول کی تعداد چار سو سے کم نہیں تھی اور ان میں سے اکثر مصنفین اصحاب امام صادق علیہ السلام میں سے تھے۔ جیسا کہ (۱) محقق اول نے معتبر میں کہا: **کتب من اجوبة مسائله (امام جعفر صادقؑ) اربعمائة مصنّف سمّوها اصولا** ۔امام صادق علیہ السلام سے سوالات کے جوابات پر مشتمل چار سو کتب لکھی گئی جنہیں اصول کا نام دیا گیا۔

(۲) محقق داماد نے الرواشح میں کہا: **المشهور ان الاصول اربعمائة مصنّف لاربعمائة مصنِّف من رجال ابی عبد اللّٰه علیه السلام بل وفی مجالس السماع و الروایة عنه و رجاله زهاء اربعة آلاف رجل، و**

کتبھم و مصنفاتھم کثیرة الاّ انّ ما استقر الامر علی اعتبارھا و التعویل علیھا و تسمیتھا بالاصول ھذہ الاربعمائة۔مشہور یہ ہے کہ اصول چار سو کتب ہیں چار سو مصنفین کی طرف سے امام صادقؑ کے اصحاب سے اگر چہ آپ کی مجالس میں چار ہزار افراد حاضر ہوتے اور ان کی کتب بہت زیادہ تھیں لیکن وہ جن پر اعتماد و بھروسہ تھا اور انہیں اصول کہا گیا یہی چار سو کتب ہیں۔

طبری سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان اصول کے مصنفین امام صادقؑ اور امام کاظمؑ کے اصحاب میں سے تھے۔

لیکن غیر مفید سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دو ائمہؑ کے اصحاب کے ساتھ اصحاب اصول خاص نہیں ہیں بلکہ عہد امیر المومنینؑ سے لے کر عصر امام عسکریؑ تک امامیہ نے چار سو کتابیں لکھیں جنہیں اصول کہا گیا البتہ اس سے یہ مراد نہیں کہ کتب ہی صرف اتنی لکھی گئی بلکہ مراد یہ ہے کہ چار سو اصول ہیں لیکن شیخ طوسی و نجاشی نے جو اصول ذکر کئے ہیں وہ ایک سو سے زیادہ نہیں ہیں۔خصوصاً شیخ طوسی نے تو اس بارے استقصاء کا وعدہ بھی کیا پھر بھی ۹۰ سے زیادہ اصول ذکر نہیں کر سکے جبکہ ان میں سے بعض کو نجاشی اصل کہتے ہی نہیں، اگر یہ اصول چار سو تھے تو ان دونوں بزرگوں نے انہیں ذکر کیوں نہیں کیا۔

اور درایة الحدیث میں محمد حسین حسینی الجلالی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اصل اپنے اس معنی کے مطابق یعنی وہ حدیث کی کتاب جس میں امام صادقؑ سے مسموع روایات جمع ہوں۔یہ اصول سو سے زیادہ نہیں ہیں اور مشہور نے جو تعداد ذکر کی وہ اصل کی اس تعریف کے پیش نظر ہے کہ **انہ الکتاب المعتمد او المصدر الحدیثی الذی لم ینقل عن کتاب آخر**۔یعنی وہ قابل اعتماد کتاب یا حدیثی

مصدر جو کسی دوسری کتاب سے نہ لی گئی ہو۔اور شیعہ کے حدیثی مصادر کی تعداد چھ ہزار چھ سو کے لگ بھگ ہے جیسا کہ سید محسن امین نے تحدید کی ہے ان میں سے قابل اعتماد کتب کی تعداد چار سو ہو سکتی ہے۔اس بناء پر کہا گیا اصول چار سو ہیں۔

اصول کیوں ضائع ہو گئے؟

یہ کتب کسی خاص ترتیب پر نہیں تھیں چونکہ ان میں سے اکثر مجالس سوال و جواب میں املاء کی گئی تھیں اصحاب جوامع نے انہیں مرتب ومبوّب کر دیا تا کہ ان سے استفادہ آسان ہو جب جوامع روائی کی تصنیف ہوگئی تو ان اصول کی طرف توجہ کم ہوگئی ان کے استنساخ کی ضرورت و رغبت کم ہوتی چلی گئی جس کی وجہ سے ان کے نسخے کمیاب ہوگئے اور قدیمی نسخے ضائع ہوتے چلے گئے،جبکہ ان میں اکثر تو تاریخی حوادث میں ضائع ہوگئے مثلاً ان میں سے جو اصول کرخ میں سابور کے مکتبہ میں تھے طغرل بیگ جب ۴۴۸ میں بغداد میں وارد ہوا تو اس مکتبہ کو آگ لگا دی گئی۔

ان میں سے کچھ ابن ادریس حلی (م ۵۹۸) تک باقی تھے انہی سے مستطرفات سرائر کو تشکیل دیا گیا، ان میں سے کچھ سید بن طاؤوس کو بھی ملے جیسا کہ وہ کشف المحجہ میں ذکر کرتے ہیں، پھر مزید تلف ہوئے اور ان میں سے صرف سولہ (۱۶) نسخے باقی رہ گئے۔

محدث نوری نے مستدرک میں مختلف موارد میں ان اصول کو مندرج کیا ہے۔سید حسن صدر کو ۱۶ نسخے ملے ہیں اور شیخ مصطفوی نے ۱۶ نسخے چھاپے ہیں۔

وثاقت اصحاب الاصول

اگر چہ یہ اصول قابل اعتماد کتب شمار ہوتے تھے اور مصنفین ان کے ضبط و حفظ پر سختی سے کاربند تھے اور بقول شیخ طوسی کے اصحاب ان چار سو اصول کو صحیح سمجھتے تھے اور

ان پر عمل کرتے تھے لیکن اس کے باوجود کسی راوی کا صاحب تصنیف یا صاحب اصل ہونا اس کی وثاقت یا مدح کی دلیل ہو یہ معلوم نہیں ہے کیونکہ ان اصول کے مصنفین میں سے کافی سارے مذاہب فاسدہ کے پیرو تھے جیسے واقفہ وفطحیہ اگر چہ ان کی کتب مورد اعتماد تھیں اور قدماء میں کسی راوی کی صحت حدیث سے اس کی وثاقت ثابت نہیں ہوتی۔

جوامع الحدیث

ان اصول اربعمائیہ کے بعد تالیف ہونے والی کتب جوامع الحدیث تھیں جن کے مصنفین نے انہی اصول پر اعتماد کیا، ان کی تہذیب وتبویب کی، ان جوامع میں سے مشہورترین الجامع لابی نصر البزنطی، الجامع لابی طاھر الوڑاق الحضرمی محمد بن ابی تسنیم ہے، الجامع لمحمد بن احمد بن یحیٰ الاشعری اور الجامع لابی جعفر بن حسن بن احمد بن الولید (م۳۴۳) ہے۔

یہ جوامع شیعہ میں اواخر قرن رابع تک موردِ عمل تھے۔ اس کے بعد تین نفراز علماء شیعہ نے چار کتب احادیث تالیف کیں اور وہ کتب اربعہ کے نام سے مشہور رہوئی۔ انہوں نے ان کی تالیف میں ان اصول و جوامع پر اعتماد کیا اور یہ کتب اربعہ آج تک موردتوجہ ہیں شیعہ کی طرف سے۔

ان کے بعد جوامع متاخرہ تالیف ہوئے جوکہ روایات اہل بیتؑ کے دائرۃ المعارف شمار ہوتے ہیں یہ تین ہیں:

(۱) تفصیل وسائل الشیعہ الی تحصیل احکام الشریعۃ للشیخ محمد بن حسن الشہیر بہ الحر العاملی (م۱۱۰۴)

(۲) الوافی: تالیف الشیخ محمد محسن المعروف بالفیض الکاشانی (م۱۰۹۱) آپ نے اس کے بعد النوادر لکھی جوکہ وافی کے لئے مستدرک شمار ہوتی ہے۔

(۳) بحار الانوار: تالیف: الشیخ محمد باقر المجلسی (م ۱۱۱۱)۔

ان کے علاوہ بھی حدیثی موسوعے لکھے گئے جیسے:

(۱) عوالم العوالم، تالیف: شیخ عبد اللہ البحرانی یہ ۲۵ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۲) جامع الاحکام، تالیف: سید عبد اللہ شبر، یہ بھی ۲۵ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۳) جوامع الاحکام، تالیف: سید محمد بن شرف الدین الجزائری۔

(۴) جامع احادیث شیعہ، تالیف: سید حسین بروجردی (متولد ۱۳۸۰)

کتب اربعہ

(کتاب الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام، الاستبصار)

کتاب الکافی، تالیف: شیخ محمد بن یعقوب الکلینی البغدادی (م ۳۲۹ھ)

کتب اربعہ میں یہ سب سے معروف ہے جسے شیخ مفید فرماتے ہیں: **فانّہ اجلّ کتب الشیعة و اکثرھا فائدة**۔ (شرح عقائد صدوق، ص ۲۷)

نجاشی شیخ کلینیؒ کے ترجمہ میں کہتے ہیں: **کان اوثق الناس فی الحدیث و اثبتھم صنف الکتاب الکبیر المعروف بالکلینی و یسمّٰی الکافی فی عشرین سنة**۔ کہ کلینی حدیث میں موثق ترین اور اضبط ترین تھے، آپ نے اپنی معروف عظیم کتاب کافی بیس سال میں لکھی اور آپ کی وفات ۳۲۹ ہجری سنہ تناثر نجوم میں بغداد میں ہوئی اور باب الکوفہ میں دفن ہوئے۔

شیخ طوسی نے آپ کی وفات ۳۲۸ میں نقل کی ہے، آپ کی نسبت کُلین کی طرف ہے جو کہ قم اور تہران کے درمیان ایک بستی کا نام ہے اور وہیں پر آپ کے والد کی قبر ہے۔

مرحوم مامقانی نقل کرتے ہیں: **و یقال ان جامعہ الکافی الذی لم**

یصنف مثله فی الاسلام عرض علی القائم عجل اللّٰہ فاستحسنه و قال کافٍ لشیعتنا۔ کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کی کتاب کافی جس جیسی اسلام میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی امام زمان - پر پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا: اچھی ہے اور ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے۔

امّا الکتاب

یہ کتاب ۱۶۱۹۹ روایات پر مشتمل ہے ۳۴ کتابوں پر اور ۳۲۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ان میں سے ۵۰۷۲ حدیث صحیح، ۳۰۲ قوی، ۹۴۸۵ حدیث ضعیف، ۱۴۴ حسن اور ۱۱۱۸ موثق ہیں اور ۱۷۲ کو قوی کہا گیا ہے (لؤلؤۃ البحرین للمحدث البحرانی)

محدث نوری نے کہا: قوی سے مراد وہ حدیث ہے جس کے رجال میں سے بعض ممدوح غیر امامی ہوں اور کوئی ضعیف نہ ہو۔

شہید نے ذکری میں کہا: کافی میں جتنی احادیث ہیں یہ صحاح ستہ کی مجموع احادیث سے زیادہ ہیں۔

شیخ حسین بن عبد الصمد حارثی فرماتے ہیں: **کان (کلینی) اوثق الناس فی الحدیث و انقدهم و اعرفهم به صنّف الکافی و هذّبه و بوّبه فی عشرین سنة وهو مشتمل علی ثلاثین کتابًا یحتوی ما لا یحتوی غیره**۔(اصول الاخبار،ص ۷۰)

محدث نوری فرماتے ہیں کہ کافی ''**اجلی من غیره من حیث الاعتبار و الاعتماد لانّه جمع الاصول الاربعمائة لانّها کانت تمامها موجودة فی عصره کما یظهر من ترجمة ابی محمد هارون بن موسٰی التلعکبری (م ۳۸۵) و قد جاء فی ترجمته انّه روی جمیع الاصول**

والمصنّفات۔(مستدرک، ج ۳، ص ۵۳۲) کافی اعتبار و اعتماد کے لحاظ سے دوسری کتب سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ آپ نے اصول اربعماۃ کو جمع کیا ہے اس لئے کہ وہ سب کے سب آپ کے زمانے میں موجود تھے جیسا کہ ہارون بن موسیٰ تلعکبری کے ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسلوب التالیف

شیخ کلینیؒ مقدمہ میں فرماتے ہیں:

اما بعد فقد فهمت يا اخي ما شكوت على اصطلاح اهل دهرنا على الجهالة و توازرهم و سعيهم في عمارة طرقها و مباينتم العلم و اهله حتى كاد العلم معهم ان يازر كله و ينقطع مواده الى ان قال و ذكرت ان اموراً اشكلت عليك لا تعرف حقائقها لاختلاف الرواية فيها و انك تعلم ان اختلاف الرواية فيها لاختلاف عللها و اسبابها و انك لا تجد بحضرتك من تذاكره و تفاوضه ممن تثق بعلمه فيها و قلت انك تحبّ ان يكون عندك كتاب كافٍ يجمع من جميع فنون علم الدين ما يستكفي به المتعلم و يرجع اليه المترشد و ياخذ فيه من يريد علم الدين و العمل به بالآثار الصحيحة عن الصادقين، والسنن القائمة التي عليها العمل وبها يودّى فرض اللّٰه عزوجل و سنّة نبيّه......... و قد يسّر اللّٰه، وله الحمد. تاليف ما سئلت و ارجو ان يكون بحيث توخيت فمهما كان فيه من تقصير فلم تقصير نيتنا في اهداء النصيحة اذ كانت واجبة لاخواننا و اهل ملتنا......... ان تاخّر الاجل صنفنا كتابا اوسع و اكمل منه نوفّيه

حقوقه کلّها ان شاء اللّٰہ۔

کافی کے تین جزء ہیں: اصول، فروع اور روضہ، کافی ۸ جزؤں میں چھپ چکی ہے دو جزء اصول ہے ۳ سے ۷ تک فروع ہے اور آخری جزء روضہ ہے۔

یہاں ایک دعویٰ خلیل بن غازی القزوینی متوفی ۱۰۸۹ نے کیا ہے کہ روضہ شیخ کلینی کی تالیف نہیں ہے بلکہ ابن ادریس کی تالیف ہے یہ دعویٰ باطل ہے وحدۃ اسلوب شاہد ہے کہ یہ جزء کافی ہے۔ بقیہ علماء نے بھی یہی کہا اور ابن ادریس کی کتب میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔

کلینیؒ نے اس طرح کتاب کا اسلوب رکھا کہ ایک حصہ اصول وعقائد کے لئے قرار دیا، ایک حصہ فروع وفقہ کے لئے اور ایک حصہ باقی بچا جوان دونوں میں داخل نہیں تھا اس کے لئے تیسری قسم قرار دی اور اسے روضہ کا نام دیا جو متفرق احادیث پر مشتمل ہے۔

کافی کا امتیاز یہ ہے کہ اس کا مؤلف عصر غیبت صغریٰ میں تھا (از ۲۶۰ تا ۳۲۹ ہجری) اس بات کی طرف سب سے پہلے سید علی بن طاوؤس (ت ۶۶۴) نے اشارہ کیا اپنی کتاب کشف المحجۃ میں صفحہ ۱۵۷ پر۔

قطعیۃ وصحت روایات کافی

بعض اس کے قائل ہیں کہ کافی کی تمام روایات صحیح ہیں لہٰذا اس کی اسانید میں نظر کی ضرورت نہیں ہے۔

آقای خوئی فرماتے ہیں: **ذكر غير واحد من الاعلام انّ روايات الكافي كلها صحيحة لا مجال لرمي شئ فها بضعيف سندها و سمعت شيخنا الاستاذ الشيخ النائيني في مجلس بحثه يقول انّ**

المناقشة في اسناد روايات الكافي حرفة العاجز۔

(معجم رجال الحدیث، ج ۱، صفحہ ۹۹)

آقای خوئی اس دعویٰ کا جواب دیتے ہیں کہ خود سائل نے جو تالیف کتاب کا سوال کیا اس میں ایسی کوئی شرط نہیں تھی کہ اس میں غیر صحیحہ روایات نہ ہوں جبکہ کلینیؒ نے غیر معصومینؑ سے بھی نقل کیا ہے جیسا کہ ابن نعیم الطحان کی کتاب سے نقل کیا ہے: **من قضاء الجاهية ان یورّث الرجال دون النساء۔**

اور اگر فرضاً مان لیں کہ کلینی نے صحت روایات کی شہادت دی ہو تو بھی یہ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اگر ان کی مراد یہ ہو کہ آپ کی کتاب کی تمام روایات شرائط حجیۃ پر پوری اترتی ہیں تو یہ درست نہیں ہے چونکہ اس میں مرسلات و مجاہیل کی روایات اور ابن البختری جیسے کذابین کی روایات موجود ہیں اور اگر صحت سے مراد صحیح باصطلاح القدماء ہے کہ جو روایت قرائن دالہ بر صحت پر مشتمل ہے اگر چہ فی نفسہ شرائط صحت نہ رکھتی ہوں ایسا اگر چہ ممکن ہے لیکن روایات غیر واجدہ شرائط الحجیۃ اتنی زیادہ ہیں کہ سب کے بارے امارات صدق کا دعویٰ بعید لگتا ہے۔

محدث نوری نے بھی ایسا دعویٰ کیا ہے، آپ سید ابن طاؤس کی کلام نقل کرتے ہیں کہ شیخ کلینی وکلاء امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ الشریف کے زمانے میں زندہ تھے اور آپ کی وفات علی بن محمد السمری کی وفات سے پہلے ہوئی ہے پس آپ کی تصانیف زمان وکلاء میں تھی **في وقت يجد طريقا الى تحقيق منقولاته و تصديق مصنّفاته** ۔اس کی تشریح و تفصیل میں محدث نوری کہتے ہیں کہ ۲۰ سال میں آپ نے کافی تالیف کی، بہت بعید ہے کہ اس مدت میں آپ نے ان نواب پر اسے پیش نہ کیا ہو آپ تھے بھی بغداد میں ان کے ذریعے حضرت حجت علیہ السلام سے اس کی اخبار کے

بارے استفسار کر سکتے تھے جبکہ کتاب کو امامؑ کے نواب پر پیش کرنا مرسوم بھی تھا جب شلمغانی نے کتاب التکلیف لکھی تو حسین بن روح نے کہا: **اطلبوا الی لانظره**، وہ کتاب میرے پاس لے آؤ تا کہ میں اس میں نظر کروں۔ بہت بعید ہے کہ وکلاء میں سے کسی نے بھی کلینی سے اس کتاب کو طلب نہ کیا ہو جبکہ تمام شیعہ کی خاطر لکھی جا رہی تھی۔

محدث نوری کا یہ دعویٰ موقوف ہے اس پر کہ کلینی بغداد میں رہتے ہوں اور آپ نواب امامؑ کے ساتھ میل جول رکھتے ہوں اور ثانیاً جو جہت کتاب التکلیف کو طلب کرنے کی تھی وہ کافی میں بھی موجود تھی۔

یہ دونوں امر ثابت نہیں ہیں۔

اما الاول، تو کلینی ری کے رہنے والے تھے نجاشی نے آپ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے **شیخ اصحابنا فی وقته بالری** ۔آپ ری میں رہتے تھے اور وہیں کافی کو تالیف کیا۔آپ آخر عمر میں بغداد منتقل ہوئے تھے۔بعض نے آخری دو سال کا کہا ہے تب تک اس کے نسخے مشہور ہو چکے تھے اور پھیل چکے تھے۔

آپ کی مخالطت و معاشرت وکلاء کے ساتھ ثابت نہیں ہے آپ نے کافی میں کسی نائب سے روایت نہیں کی اگر ربط و میل جول ہوتی تو ان سے نقل کرتے۔

ثالث: اگر آپ نے نواب پر اسے پیش کیا ہوتا تو مقدمہ میں اس کا ذکر کرتے چونکہ دیباچہ آپ نے بعد میں لکھا ہے۔

واما الثانی کتاب التکلیف کو طلب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کہیں مؤلف نے اپنے انحراف کی وجہ سے اس میں ایسی باتیں نہ لکھ دی ہوں جو معصومینؑ نے نہیں فرمائی چونکہ کتاب التکلیف بمنزلہ رسالہ عملیہ تھی، یہ وجہ کتاب الکافی میں موجود نہیں ہے جس

کے بارے قطع ہے کہ وہ ائمہ پر کذب نہیں کہہ سکتے لہٰذا اسے عرضہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی ورنہ دوسری کتب جیسے کتاب البزنطی، محاسن البرقی، نوادر الحکمۃ اشعری وغیرہ کو بھی عرضہ کرنا ضروری ہوگا۔

اس کے علاوہ کسی ایک وکیل پر پیش کرنا امامؑ پر پیش شمار نہیں ہوتا کیونکہ نواب چونکہ عارف تھے آثار ائمہؑ کو اس لئے ان پر عرضہ ہوتا تھا کتاب التکلیف کے بارے بھی حسین بن روح نے یہی کہا: **لا نظرہ** میں اسے دیکھوں نہ کہ امام کو دکھلاؤں۔ ورنہ خود انہوں نے کتاب التادیب لکھی تو اسے قم بھیجا فقہاء کے پاس کہ اسے دیکھیں، جبکہ نواب کے پاس بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ ماہر بالحدیث ہیں اسے دیکھیں تو کلینی ان سے زیادہ ماہر تھے حدیث کے بارے۔

کافی کی خصوصیات

شیخ کلینیؒ عام محدثین کی اصطلاحات کو استعمال نہیں کرتے بلکہ **اخبرنی** اور **حدثني و حدثنا یا اخبرنا** کی لفظیں وہ بھی اپنے لغوی معنی میں استعمال کرتے ہیں **دون الاصطلاحی**۔

۱۔ جمع الاسانید

اسناد میں تکرار کی طوالت سے بچنے کے لئے آپ بعض کو بعض پر عطف کرتے ہوئے مختصر کرتے ہیں مثلاً **علی بن ابراهیم عن ابیه و الحسین بن محمد بن عبد ربّه عامر وغیره و محمد بن یحییٰ عن احمد جمیعا عن احمد بن محمد بن ابی نصر**۔ آپ نے یہاں اپنے تین مشائخ سے جن کی اسانید کے ساتھ روایت کی ہے آخر سند میں بھی ایسا کرتے ہیں جیسے **محمد بن اسماعیل عن الفضل بن شاذان عن صفوان بن یحییٰ و علی بن**

ابراهيم عن حماد بن عيسیٰ جميعا عن معاويه بن عمار ۔

التثبّت فی الاسناد:

جہاں آپ کے لئے سند میں حقیقت ظاہر نہ ہو وہاں آپ تصریح کر دیتے ہیں تا کہ احتمال تدلیس نہ ہو جیسے: **عن سهل بن زياد عن بعض اصحابه اظنّه محمد بن اسماعيل،** (کافی، ج ۲) ۔یا **عن بعض اصحاب ابی عبد اللّٰه اظنه ابا عاصم السجستانی** (ج ۲)۔

سقط التعليق

کافی جیسی بڑی کتاب میں سقط کا واقع ہونا طبیعی سی بات ہے مثلاً کہا: ﴿**بعض اصحابنا... سقط عنی اسناده. عن ابی عبداللّٰه قال انّ اللّٰه لم يترك شيئا ممّا يحتاج اليه الاّ علّمه بنيه**﴾ (کافی، ج ۷، ص ۳۷۶)

یہ بھی اسلوب کلینی ہے بعض غیر ماہر اسے قطع فی الاسناد سمجھ سکتے ہیں آپ بہت سی احادیث کو ذکر کرتے ہیں جن کی سند ایک ہوتی ہے پہلی میں مکمل لکھتے ہیں باقی میں و عنه کہہ دیتے ہیں مثلاً:

(۱)**علی عن ابيه عن ابن ابی عمير عن ابی عبد اللّٰه صاحب السابری فيما اعلم او غيره عن ابی عبد اللّٰه قال فيما اوحی اللّٰه الی موسی يا موسی اشكرنی حق شكری فقال يا رب و كيف اشكرك حق شكرك وليس من شكر اشكرك به الاّ و انت انعمت به علیّ قال يا موسیٰ الان شكرتنی حين علمت انّ ذلك منّی**

(۲)**ابن ابی عمير عن ابن رئاب عن اسماعيل بن الفضل قال قال ابو عبداللّٰه واذا اصبحت و امسيت فقل عشر مرات اللّٰهم ما**

اصبحت بی من نعمة او عافیة من دین او دنیا فمنک وحدک لا شریک لک لک الحمد و لک الشکر بها علیّ یا ربّ حتّٰی ترضٰی و بعد الرضا فانک اذا قلت ذٰلک قد ادّیت شکر ما انعم اللّٰه به علیک فی ذلک الیو وفی تلک اللیلة

(۳)ابن ابی عمیر عن حفض بن البختری عن ابی عبد اللّٰه: قال کان نوح یقول ذلک اذا اصبح فسمی بذلک عبداً شکوراً وقا قال رسول اللّٰه من صدق نجا۔ (کافی، ج۲،ص۹۹)

ان دو آخری روایت کی سند روایة الکلینی عن علی بن ابراهیم عن ابیه عن ابن ابی عمیر ہے۔الی آخر السند۔وہی جو پہلی روایت میں مذکور ہے۔

تعلیق کی ایک اور مثال

(۱)عدة من اصحابنا عن احمد بن ابی عبد اللّٰه عن عثمان بن عیسٰی عن خالد بن نجیح عن ابی عبد اللّٰهؑ اذا رایت الرجل وقد ابتلی وانعم اللّٰه علیک فقل اللّٰهم انّی اسخر ولا افخر ولکن احمدک علی عظیم نعمائک علیّ

(۲)عنه عن عثمان بن عیسٰی عن عبد اللّٰه مسکان عن ابی عبد اللّٰه قال ان رسول اللّٰهؐ کان فی سفر یسیر علی ناقة له، اذ نزل فسجد خمس سجدات فلما ان رکب قالوا یا رسول اللّٰهؐ انا رأیناک صنعت شیئًا لم تصنعه؟ فقال نعم استقبلنی جبرئیل فبشّرنی ببشارات من اللّٰه عزوجل فسجدت و للّٰه شکراً لکل بشری سجدة

(۳)عنه عن عثمان بن عیسٰی عن یونس بن عمّار عن ابی

عبد اللّٰہؑ قال ذکر احدکم نعمة اللّٰہ عزوجل فلیضع خدّہ علی التراب شکراً للّٰہ فان کان راکباً فلینزل فلیضع خدّہ علی التراب و ان لم یکن یقدر علی النزول للشھرة فلیضع خدّہ علی قربوسه وان لم یقدر فلیضع خدّہ علی کفّه لیحمد اللّٰہ علٰی ما انعم اللّٰہ علیه۔

(۴)عنه عن ابیه عن ھارون بن الجھم عن حفص بن عمر عن ابی عبد اللّٰہؑ قال قال رسول اللّٰہؐ اذا رأیتم اھل البلاء فاحمدوا اللّٰہ ولا تسمعوھم فانّ ذلک یحزنھم

یہ آخری تینوں روایات پہلی روایت کی سند کے ساتھ ہیں۔

وھو الکلینی عن عدّة من اصحابنا عن احمد بن ابی عبداللّٰہ۔

عدّة الکلینی

بہت سی جگہوں پرکلینیؒ فرماتے ہیں: **عدّة من اصحابنا** اورخود بھی اس کی تشریح فرمائی ہے اور یہ تین عدد ہیں:

(۱) عدّة عن احمد بن محمد بن عیسٰی۔

(۲) عدة عن احمد بن محمد بن خالد البرقی۔

(۳) عدة عن سھل بن زیاد۔

(۱)العدة الاولٰی عدة الاشعری

احمد بن محمد بن عیسٰی الاشعری شیخ القمیین تھے اور رئیس تھے۔امام رضا،امام محمد تقی اور امام ہادی علیہم السلام سے مل چکے تھے۔شیخ نے فہرست میں کہا: ثقہ نجاشی لکھتے ہیں: **وقال ابو جعفر الکلینی کلّ ما کان فی کتابی عدّة من اصحابنا**

عن احمد بن محمد بن عیسٰی فهم محمد بن یحیٰی و علی بن موسی الکمنذانی و داؤد بن کوره و احمد بن ادریس و علی بن ابراهیم بن هاشم۔(فہرس نجاشی، رقم ۱۰۲۶)

امّا الاول محمد بن یحیی العطّار ہیں **قال النجاشی شیخ اصحابنا فی زمانه ثقة عین کثیر الحدیث له کتب**۔

(۲) الکمنذانی: ان کا ذکر کتب رجال میں نہیں ملتا سوائے اس کے جو علامہ نے کہا: **موسٰی بن جعفر الکمنذانی بضم الکاف و المیم و اسکان النون و فتح الذال المعجمة ابو علی من قریة من قری قم کان مرتفعا فی القول ضعیفا فی الحدیث او ظاهراً**۔ آپ والد ہیں اس علی کے جو اوپر عدہ میں مذکور ہیں۔

(۳) ابن کوره ابو سلیمان القمی: آپ نے کتاب نوادر الحکمۃ کی تبویب کی۔ آپ کا ذکر بغیر توثیق کے ملتا ہے۔

(۴) ابن ادریس: آپ ابو علی الاشعری القمی تھے۔فہرست و رجال میں آپ کی توثیق مذکور ہے۔(م ۳۰۶)

(۵) القمی ابو الحسن علی بن ابراہیم: **ثقة فی الحدیث ثبت معتمد**۔

پس ان پانچ میں سے تین کی توثیق ہوئی ہے اور دو کا ذکر بغیر مدح و ذم کے ہے وثاقت سند کیلئے پہلے تین کافی ہیں۔

العدّة الثانیه عدة البرقی

احمد بن محمد بن خالد البرقی ثقہ تھے فی نفسہ لیکن آپ ضعفاء سے روایت کرتے تھے اور مراسیل پر اعتماد کرتے تھے۔

شیخ طوسیؒ اس عدہ کو کلینی سے نقل کرتے ہیں **بقولہ و کلّما کان عدة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد البرقی فھم علی بن ابراھیم و علی بن محمد ماجیلویه و محمد بن عبد اللّٰه الحمیری و محمد بن جعفر و علی بن الحسین السعد آبادی** ۔ شیخ کلینیؒ نے کافی کی کتاب العتق میں عدۃ البرقی کی یوں تصریح کی: (۱) علی بن ابراہیم، (۲) محمد بن جعفر ابوالحسن الاسدی، (۳) محمد بن عیسیٰ، (۴) علی بن محمد ماجیلویہ، (۵) احمد بن عبد اللہ ھو احمد بن ابی عبد اللہ البرقی، (۶) علی بن الحسین السعد آبادی۔

علامہ نے کلینی سے نقل کرتے ہوئے اس عدہ کو یوں ذکر کیا: (۱) علی بن ابراہیم، (۲) علی بن محمد بن عبد اللہ بن اذینہ، (۳) احمد بن عبد اللہ بن امیہ، (۴) علی بن الحسن،

(۱) علی بن ابراہیم بیان ہو چکے۔

(۲) محمد بن جعفر الاسدی جو کہ محمد بن ابی عبد اللہ کے نام سے معروف تھے نجاشی نے کہا: **انّه سکن الری و کان ثقة صحیح الحدیث الاّ انه یروی عن الضعفاء** (م ۳۱۲)۔

(۳) محمد بن یحییٰ وہی العطار ہیں۔

(۴) علی بن محمد ماجیلویہ: آپ سبط البرقی تھے یعنی نواسے (**ابن بنته**) **الملقب بندار**۔

(۵) علی بن محمد بن عبد اللہ بن اذینہ، صاحب نوابغ الرواۃ فرماتے ہیں: ابن اذینہ تصحیف ہے صحیح ابن ابنتہ ہے جیسا کہ احمد بن عبد اللہ کو ابن امیہ لکھنا بھی تصحیف ہے وہ ابن ابنہ ہے دونوں میں ضمیر غائب کا مرجع البرقی ہے یہ دونوں برقی کے فرزند تھے ایک

نواسہ اور ایک پوتا تھا۔

(۶) علی بن الحسین سعد آبادی: نوابغ میں کہا ابوالحسن القمی۔

روایۃ شیخ طوسی میں محمد بن عبداللہ الحمیر ی بھی مذکور ہے نجاشی نے کہا: **کان ثقة وجها کاتب صاحبا لامر و سئله**۔ کہ آپ ثقہ و باشخصیت تھے، امام زمانؑ سے خط و کتابت کے ذریعے سوالات کرتے رہتے تھے۔

اس سند کی وثاقت میں علی بن ابراہیم کی توثیق کافی ہے اور سعد آبادی کی توثیق مجلسین نے کی ہے: **لانـه من اصحاب الاجازة**۔ اور شرح فقیہ میں مجلسی اکبر نے فرمایا: **لانّه کثیر الروایه**۔

العدة الثالثة عدّة الآدمی

سہل بن زیاد الآدمی (م ۲۵۵) نجاشی نے کہا: **سهل بن زیاد ابو سعید الآدمی الرازی کان ضعیفا فی الحدیث غیر معتمد علیه و کان احمد بن محمد بن عیسٰی یشهد علیه بالغلو والکذب و اخرجه من قم الی الری وکان یسکنها له کتاب التوحید و کتاب النوادر**۔ نجاشی نے کہا سہل بن زیاد آدمی رازی حدیث میں ضعیف نا قابل اعتماد تھے اور احمد بن محمد بن عیسٰی نے ان پر غلو اور کذب کی شہادت دی اور اسے قم سے نکال دیا لہٰذا یہ ری میں رہتے تھے، اور کتاب التوحید اور کتاب النوادر ان کی کتب میں سے ہیں۔

شیخ نے اسے اصحاب ہادی وعسکری علیہما السلام میں ذکر کیا ہے اور ضعیف کہا ہے، فہرست میں کہا: **کان ضعیفا جدًا فاسد الروایة والمذهب**۔

علامہ نے کلینی سے نقل کیا: **فقال کلّما ذکرت عدّة من اصحابنا عن سهل بن زیاد فهم علی بن محمد بن علاّن و محمد بن عبداللّٰه و**

محمد بن الحسن الصفار و محمد بن عقیل الکلینی۔

امّا (۱) علی بن محمد بن علان الکلینی:۔ نجاشی نے اسے ثقۃ عین کہا۔

(۲) محمد بن ابی عبداللہ وھو محمد بن جعفر الاسدی الکوفی:۔ نجاشی نے کہا: **کان ثقة صحیح الحدیث الّا انه یروی عن الضعفاء و کان یقول بالجبر و التشبیه۔**

(۳) محمد بن الحسن الصفار:۔ اکثر نے یہی کہا: یہ صفار ہیں چونکہ کلینیؒ نے تو مطلق محمد بن الحسن کہا ہے اور اس طبقہ میں دو محمد بن الحسن ہیں ایک صفار جو کہ اعلام و اجلاء میں سے ہیں، دوسرے محمد بن الحسن البربانی ہیں جو کہ مجہول الحال ہیں۔کلباسی نے کہا: کلینی نے اس سے بہت زیادہ روایت کی ہے اور کہیں بھی اس کی تقیید ذکر نہیں کی اور بعید ہے کہ کلینی مجہول الحال سے روایت کریں لہٰذا ظاہراً الصفار ہیں۔

(۴) محمد بن عقیل الکلینی:۔ ان کا ترجمہ مل نہیں سکا۔کلینی نے باب الزیارات من فقہ الحج میں ان سے روایت کی ہے۔

اس کے علاوہ بھی عدّہ ایسے ہیں جن کی تعیین نہیں ہوئی جیسے:

(۱) **عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن ابی نصر۔**

(۲) **عدّة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن عیسٰی بن یزید۔**

(۳) **عدّة من اصحابنا عن ابان بن عثمان عن زراره۔**

(۴) **عدة من اصحابنا عن احمد بن محمد عن ابن الفضال۔**

(۵) **عدة من اصحابنا عن سعد بن عبد اللّٰه۔**

محدث نوری نے خاتمہ مستدرک میں اور علامہ کلباسی نے سماء المقال میں کافی

کے تمام عدد سے متعلق مفصل بحث کی ہے۔

صاحب منتقی الجمان شیخ حسن بن زین الدین نے دعویٰ کیا ہے کہ تمام عدّوں میں محمد بن یحییٰ العطّار پائے جاتے ہیں لہٰذا عدّہ کے لحاظ سے تمام میں سند صحیح ہوگی چونکہ کلینی نے کتاب العقل والجھل کی پہلی حدیث میں کہا ہے **بهـذا الاسـناد عدّة من اصحابنا منهم محمد بن يحيیٰ العطّار**۔

لیکن علامہ کلباسی فرماتے ہیں کہ یہ کلام اجتہاد در مقابل نص کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ کلینی نے احمد بن محمد بن خالد کا عدّہ ذکر کیا ہے اور اس میں محمد بن یحییٰ کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ جو افراد بعنوان عدّہ طرق کلینی میں مذکور ہیں وہ کلینی کے مشائخ اجازہ ہیں اور چونکہ ان کتب میں سے اکثر کا انتساب اس کے مؤلف کی طرف معلوم و معروف ہے اور کلینی کا عدۃ ذکر کرنا اس کتاب تک اکثار طرق کے مقصد سے تھا، لہٰذا اس کی تصحیح کی ضرورت نہیں ہے۔

ہاں کلینی نے کئی مقامات پر **جـمـاعة مـن اصحابنا يا غير واحد من اصحابنا** بھی کہا ہے یہ بھی ظاہراً اسی عدّۃ کی طرح ہے۔

تمييز المشتركات

کلینی محمد بن الحسن سے روایت کرتے ہیں آیا یہ صفار ہیں یا ان کا غیر؟

محدث نوری نے کہا: مشائخ کلینی کے طبقہ میں چار محمد بن حسن ہیں: (۱) محمد بن حسن بن علی المحاربی، (۲) محمد بن الحسن القمی، (۳) محمد بن الحسن بن بندار، (۴) محمد بن الحسن البرنانی۔

اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ صفار ہیں چونکہ اوّلاً صفار معاصر کلینی تھے جو کلینی کے طبقہ میں ہے وہ صفار سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن الحسن بن احمد بن الولید (م

۳۴۴) صفار سے روایت کرتے ہیں: صفار مشہور تھے اور بصائر الدرجات ان کی کتاب ہے۔

وثانیاً: جو محمد بن الحسن سند کلینی میں واقع ہے جو اس کے مشائخ ہیں وہی صفار کے مشائخ ہیں جیسے ابراہیم بن اسحاق احمری۔

علی بن محمد کون ہے؟

کلینی نے کئی احادیث علی بن محمد سے روایت کی ہے ان کے بارے علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا: (۱) علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بعلان الکلینی ہیں، (۲) علی بن اذینہ ہیں، (۳) علی بن محمد بن بندار ہیں۔

علامہ مجلسی نے کہا: ان میں سے کسی ایک کی تعیین مشکل ہے۔

ملا صالح مازندرانی نے شرح کافی، جلد ۱، صفحہ ۸۷ میں کہا: یہ علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بعلان ہیں۔

آقای خوئی نے کہا: یہ بندار ہیں۔

علامہ مامقانی نے کہا: معروف ماجیلویہ ہے۔ لیکن تینوں شیخ کلینی تھے لہذا کسی ایک کی تعیین دعویٰ بلا دلیل ہے۔

صاحب قاموس الرجال علامہ تستری فرماتے ہیں: معیناً علان مراد ہیں۔ **لانّہ کلما ورد علی بن محمد ورد علی بن محمد عن سھل۔** اور کلینی نے عدّہ سھل کی تبیین کرتے ہوئے ان میں سے علان کو ذکر کیا ہے اور ابن اذینہ کا غیر ماجیلویہ ہونا معلوم نہیں ہے بلکہ ظاہر ابن اذینہ محرّف ابن ابنتہ ہے لہذا یہ ماجیلویہ کے ساتھ متحد ہے چونکہ ابن ماجیلویہ ابن بنت البرقی ہے جیسا کہ نجاشی نے رقم ۹۴۷ میں ذکر کیا ہے جبکہ ابن اذینہ صرف عدّہ کلینی عن البرقی میں مذکور ہے کہیں اور اس کا کوئی ذکر نہیں

ملتا۔

اور یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ ابن ماجیلو یہ علی بن محمد بن بندار ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں پس گویا علی ابن محمد یا علّان ہے یا ماجیلو یہ اور ابن علّان متعین ہے نزد محقق تستری۔ آقای خوئی نے اسے جزماً ابن بندار کہا اور کہا یہ غیر ہے علی بن محمد بن عبد اللہ کا۔ حالانکہ یہ دونوں ایک ہیں جزماً (آقای جعفر سبحانی مدظلہ) بہر کیف علی بن محمد مردّد ہے دو نفر میں علّان اور ابن ماجیلو یہ اور دونوں ثقہ ہیں۔

ومن المشترکات محمد بن اسماعیل

اوائل اسناد کافی میں محمد بن اسماعیل عن الفضل بن شاذان۔

یہ محمد بن اسماعیل مردّد ہیں سات افراد کے درمیان:

(۱) محمد بن اسماعیل برمکی، (۲) محمد بن اسماعیل الزعفرانی،
(۳) محمد بن اسماعیل الکنانی، (۴) محمد بن اسماعیل الجعفری،
(۵) محمد بن اسماعیل القمی، (۶) محمد بن اسماعیل البلخی،
(۷) محمد بن اسماعیل البزیع۔

برمکی و زعفرانی کی نجاشی نے توثیق کی ہے، ابن بزیع ثقہ جلیل ہیں اور باقی سب مجہول الحال ہیں۔

صاحب معالم نے منتقی الجمان میں کہا: ان سات میں سے کوئی بھی نہیں ہے، ہوسکتا ہے ان کے علاوہ **ھو بل ھو اقرب** پھر کہا یہ بندقی نیشاپوری ہوسکتا ہے وہ بھی مجہول الحال ہے۔

سید حسن صدر نے کہا: یہ ابن بزیع ہے لیکن صاحب معالم کے نزدیک یہ نہیں ہوسکتا چونکہ فضل بن شاذان طبقہ میں اس سے کمتر تھے۔

نیز تحقیق وتتبع کے بعد کہیں بھی محمد بن اسماعیل بن بزیع کی روایت فضل بن شاذان سے نہیں ملتی۔

وثانیاً: کافی میں ابن بزیع سے کئی جگہ پر دو واسطہ سے روایت کی ہے: **عن محمد بن یحیٰی عن احمد بن محمد بن ابن بزیع** ۔لہٰذا بلا واسطہ اس سے روایت بہت بعید ہے۔

و ثالثاً: محمد بن اسماعیل بن بزیع کی وفات امام محمد تقی علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی ہے لہٰذا کلینی کی ان سے ملاقات کیسے ممکن ہے۔

خود صاحب معالم نے ترجیح دی کہ یہ محمد بن اسماعیل نیشاپوری ہیں اور فرمایا: **و یقوی فی خاطری ادخال الحدیث المشتمل علیه فی قسم الحسن** ۔کلباسی نے کہا: **انه الثقة الجلیل و العالم النبیل**۔ کیونکہ کلینی نے کافی میں ان سے کثرت سے روایت کی ہے اور یہ کلینی کے مشائخ اجازہ میں سے تھے لہٰذا ان کی حدیث صحیح ہوگی جیسا کہ محقق داماد اور فاضل بحرانی کا مسلک ہے۔

نقد الکافی

وافی میں فیض کاشانی فرماتے ہیں:

امّا الکافی فهو و ان کان اشرفها (الکتب الاربعة) و اوثقها و اتمّها و اجمعها لاشتماله علی الاصول من بینها و خلوّه من الفضول و شینها الاّ انّه اهمل کثیرا من الاحکام ولم یأت بابوابها علی التمام و ربما اقتصر علی احد طرفی الاختلاف من الاخبار الموهمة للتنافی ولم یأت بالمنافی ثمّ لم یشرح المبهمات والمشکلات و اخلّ بحسن الترتیب فی بعض الکتب والابواب و الروایات و ربّما اورد

حدیثا فی غیر بابه و ربّما اهمل العنوان لابوابه و ربما اخلّ بالعنوان لما یستدعیه و ربما عنوان مالا یقتضیه کہ اگر چہ کافی کتب اربعہ میں سے سب سے اشرف و موثق ترین مکمل ترین اور اصول کی جامع ترین ہے لیکن اس میں نقائص بھی ہیں جیسے بہت سے احکام کو ذکر نہ کرنا، ابواب میں حسن ترتیب نہ ہونا، عنوان بعض ابواب میں نہ ہونا وغیرہ۔

من لا یحضره الفقیه

تالیف شیخ محمد بن علی بن بابویہ القمی المعروف بہ صدوق (م ۳۸۱) آپ ری کے رہنے والے تھے۔ ۳۵۵ میں بغداد وارد ہوئے۔

شیخ طوسی نے کہا: **کان جلیلاً حافظا للاحادیث بصیراً بالرجال ناقدا للاخبار لم یُرفی القمیین مثله فی حفظه و کثرة علمه له نحو من ثلاث مائة مصنف. اخبرنا. بجمیع کتبه و روایاته جماعة من اصحابنا منهم الشیخ ابو عبد اللّٰه محمد بن محمد بن نعمان و ابو عبد اللّٰه حسین بن عبید اللّٰه و ابو الحسین جعفر بن الحسین بن حسکه القمی و ابو زکریا محمد بن سلیمان الحمرانی کلهم عنه** شیخ طوسی نے آپ کے بارے فرمایا: آپ بہت جلالت والے، احادیث کے حافظ، رجال کی پہچان رکھنے والے اور روایات کے جانچ کرنے والے تھے۔ قمیوں میں آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا گیا حفظ اور کثرت علم میں۔ آپ کی لگ بھگ تین سو تصنیفات ہیں آپ کی تمام کتب و روایات کی ہمیں ان چند بزرگوں نے خبر دی ہے شیخ مفید، حسین بن عبید اللہ ابن حسکہ اور محمد بن سلیمان حمرانی۔ (الفہرست، ترجمہ، ۷۱۰)

شیخ صدوق مقدمہ فرماتے ہیں: **انّه لما ساقه القضاء الی بلاد الغربة**

و نـزل ارضی بلخ وردها شریف الدین ابو عبد اللّٰه محمد بن الحسن الـمعروف بنعمة. فدام سروره بمجالسته و انشرح صدره بمذ اکرته و قـد طـلب منه ان یصنّف کتاباً فی الفقه و الحلال والحرام و سیمّیه بـمـن لا یـحـضـره الفقیه کما صنف الطبیب الرازی محمد بن زکریا کتـابـا فـی الطب و اسماه من لا یحضره الطبیب، فاجاب مسئوولہ و صنّف هذا الکتاب له۔ شیخ صدوق من لا یحضرہ الفقیہ کی وجہ تالیف بتلاتے ہیں کہ میں جب بلخ کی سرزمین پر وارد ہوا شریف الدین نعمہ کی خواہش پر تو انہوں نے مجھ سے فقہ اور حلال وحرام کی حامل کتاب کی خواہش کی کہ جس کا نام من لا یحضرہ الفقیہ ہو جیسا کہ محمد بن زکریا رازی نے طب میں من لا یحضرہ الطبیب لکھی۔

پھر فرماتے ہیں:

ولـم اقـصـد فیـه قـصـد المصنفین فی ایراد جمیع ما رووا بل قصدت الی ایراد ما اُفتی به و احکم بصحته و اعتقد فیه انّه حجة فیما بینـی و بین ربّی تقدس ذکره و تعالت قدرته و جمیع مافیه مستخرج عـن کتـب مشـوره علیها المعوّل و الیها المرجع مثل کتاب حریز بن عبـد الـلّٰه السجستانی و کتاب عبید اللّٰه بن علی الحلبی و کتب علی بـن مهزیار الاهوازی و کتب الحسین بن سعید و نوادر احمد محمد بـن عیسٰـی و کتاب نوادر الحکمة تصنیف محمد بن احمد بن یحیٰی بن عمران الاشعری و کتاب الرحمة سعد بن عبد اللّٰه و جامع شیخنا مـحـمـد بـن الـحسـن بـن الولید و نوادر محمد بن ابی عمیر و کتب الـمحاسن لاحمد بن ابی عبد اللّٰه البرقی و رسالة ابی الیّ وغیرها من

المصنّفات والاصول التي طرقي اليها معروفة في فهرس الكتب التي رويتها عن مشائخي و اسلافي رضي الله عنهم......۔پھر فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب میں دوسرے مصنفین کی طرح تمام روایات جمع نہیں کیں بلکہ صرف وہ روایات لانے کا قصد کیا جن کے مطابق میں فتویٰ دوں اور اسے صحیح سمجھوں اور اس کے بارے میرا یہ اعتقاد ہو کہ یہ میرے اور میرے خدا کے درمیان حجت ہے اس کتاب کی تمام روایات کو مشہور و قابل اعتماد کتب سے لیا گیا ہے جیسے کتاب حریز۔۔۔

اس مقدمہ سے ظاہر ہوا ہے کہ صدوق نے یہ کتاب جامع حدیثی کے عنوان سے نہیں لکھی بلکہ شیعہ کے لئے مرجع عملی کے طور پر لکھی لہٰذا بعض دفعہ صدوق کسی حدیث پر تفسیر یا تعلیق کرتے ہیں وہ بھی حدیث کے ساتھ متصل طور پر تو اسے بعض حدیث ہی کا حصہ تصور کر لیتے ہیں حالانکہ وہ حصہ حدیث نہیں ہوتا مثلاً جزء اول کی حدیث ثانی میں ہے: **و قالؑ الماء يطهِّر ولا يُطهرُ فمتٰى وجدت ماءً ولم تعلم فيه نجاسة فتوضّاء منه و اشرب و ان وجدت فيه ما ينجسه فلا تتوضاء منه ولا تشرب الاّ في حال الاضطرار فتشرب منه ولا تتوضّاء منه و تيمّم۔**

اب دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ سب فقرات جزء حدیث ہیں حالانکہ کلام امامؑ صرف جملہ **الماء يطهِّر ولا يُطهرُ** ہے باقی کلام صدوق ہے۔

قطعية الصدور

بعض قائل ہیں کہ فقیہ کی تمام روایات حجت ہیں اور ان میں سند کی تحقیق ضروری نہیں ہے۔چونکہ اولاً صدوق نے مقدمہ فرمایا ہے **بل قصدت الى ايراد ما افتى به و احكم بصحته** یہ عبارت صریح ہے کہ صدوق اس کتاب میں صرف

روایات صحیحہ ذکر کریں گے۔

یہ استدلال درست نہیں ہے اس لئے کہ جو صحیح قدماء کی نظر میں ہے وہ غیر ہے اس کا جو صحیح متاخرین کی نظر میں ہے متاخرین کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کے رواۃ عدول امامی ہوں جبکہ متقدمین کے نزدیک صحیح وہ ہے جو ایسے قرائن رکھتا ہو جن کی وجہ سے اس پر اعتماد کیا جا سکے اگر چہ اس کے بعض رواۃ فاسق ہوں جب صدوق کی مراد از صحیح یہ ہو تو اس خبر کا فقیہ میں ذکر کرنا ہمارے لئے حجت نہیں ہوگا چونکہ ہو سکتا ہے اگر وہ قرائن ہمیں ملتے تو ہمارے لئے باعث اطمینان نہ ہوتے۔

و ثانیاً: صدوق کا تصحیح روایات میں ایک خاص طریق ہے اور وہ یہ کہ جس حدیث کو ان کے شیخ محمد بن الحسن بن احمد بن الولید صحیح کہہ دیں وہ آپ کے نزدیک صحیح ہے اور جسے وہ صحیح قرار نہ دیں وہ آپ کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہوگی اس بناء پر ان کی شہادت احادیث کی صحت کے بارے میں ہمارے لئے حجت نہیں ہوگی۔

و ثالثاً: مقدمہ فقیہ میں آپ نے فرمایا: **جمیع ما فیہ مستخرج من کتب مشھورۃ علیھا المعوّل و الیھا المرجع**۔ یعنی آپ تصحیح روایت میں اس بات پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ حدیث کتب مشائخ عظام میں موجود ہو مثلاً آپ فرماتے ہیں: **کان شیخنا محمد بن الحسن بن احمد بن الولید رضی اللّٰہ عنہ سیئ الرای فی محمد بن عبد اللّٰہ المسمعی راوی ھذا الحدیث و انی اخرجت ھذا الخبر فی ھذا الکتاب لانّہ کان فی کتاب الرحمۃ وقد قرأتہ علیہ ولم ینکرہ و رواہ لی**۔ (العیون، جزو۲) یعنی ہمارے شیخ محمد بن الحسن بن احمد بن الولید محمد بن عبداللہ المسمعی کے بارے اچھی رائے نہیں رکھتے تھے جو اس حدیث کا راوی ہے میں نے اس کی روایت اس کتاب میں اس لئے ذکر کر دی کہ

کتاب الرحمۃ میں موجود تھی اور میں نے یہ کتاب اپنے شیخ پر قرأت کی اور انہیں اس کا انکار نہ کیا اور میرے لئے اس کی روایت کی۔

و رابعاً: فقیہ کی کل روایات ۵۹۶۳ ہیں جن میں سے ۲۰۵۰ احادیث مرسل ہیں۔

امّا حجیت مرسایل صدوق

بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں: **انّ مراسیل الصدوق فی الفقیه کمراسیل ابن ابی عمیر فی الحجیة والاعتبار وانّ هذه المزیة من خواص هذا الکتاب لا توجد فی غیره من الکتب۔** شیخ صدوق کی من لا یحضرہ الفقیہ کی مرسل روایات حجۃ ہیں اور یہ خصوصیت صرف اسی کتاب کو حاصل ہے شیخ صدوق کی بقیہ کتب میں جو مراسیل ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے۔

شیخ بہاء الدین شرح فقیہ میں صدوق کے اس قول "**و قال الصادقؑ کل ماء طاهر حتی تعلم انه قذر**" کے ذیل میں فرماتے ہیں: **هذا الحدیث من مراسیل المؤلف و هی کثیرة فی هذا الکتاب تزید علی ثلث الاحادیث الموردة فیه و ینبغی ان لا یقصر الاعتماد علیها من الاعتماد علی مسانیده من حیث تشریکه بین النوعین فی کونه لمّا یفتی به و یحکم بصحته و یعتقد انه حجة بینه و بین ربّه. بل ذهب جماعة من الاصولیین الی ترجیح مرسل العدل علی مسانیده محتجین بأنّ قول العدل قال رسول اللّٰه کذا یشعر باذعانه بمضمون الخبر بخلاف مالو قال حدثنی فلان عن فلان انه قال کذا۔** یہ حدیث مؤلف کی مرسل روایات میں سے ہے جو کہ اس سے زیادہ ہیں اور ان مرسلات پر اعتماد

ان کی مسند روایات سے کم تر نہیں ہونا چاہئے چونکہ دونوں قسم کی روایات کے بارے آپ نے کہا کہ اس کتاب میں وہی حدیثیں درج کروں گا جو میرے نزدیک صحیح ہوں گی بلکہ اصولیوں میں سے بعض قائل ہیں کہ مسانید کی نسبت مراسیل پر اعتماد زیادہ ہے کیونکہ اس میں وہ جزمی نسبت دیتے ہیں معصوم کی طرف **قال رسول اللّٰہؐ کذا** جبکہ مسند حدیث میں کہتے ہیں: فلاں نے مجھے حدیث ذکر کی۔

گویا اصولیین کی رائے یہ ہے کہ اگر صدوق معصوم کی طرف جزمی نسبت دیں **قال رسول اللّٰہؐ یا قال الصادقؑ** تو یہ حجت ہے لیکن اگر رُوِیَ وغیرہ جیسی تعبیر ہو تو یہ حجت نہیں ہوگی۔

واضح ہے کہ صدوق کی اس جزمی نسبت سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے صدوق کو اس کا جزم یا اطمینان تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کا یہ جزم راوی کی عدالت و وثاقت کی وجہ سے تھا اور صدوق کا اطمینان و جزم دوسروں کے لئے حجت نہیں ہے۔

تنبیه

بعض دفعہ صدوق راوی کو ذکر کرتے ہیں اور اس تک اپنے طریق کو ذکر نہیں کرتے یا جو طریق ذکر کیا ہے وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہوتا ایسی صورت میں اس کی تصحیح کا کوئی طریقہ ہے، محقق اردبیلی نے جامع الرواۃ میں اس کا طریقہ ذکر کیا ہے جس کا ذکر تہذیبین کی بحث میں آئے گا۔

استاد جعفر سبحانی نے آقای بروجردی سے ایک طریقہ نقل کیا ہے کہ جن کتب سے صدوق نقل کرتے ہیں وہ کتب مشہورہ تھیں اصحاب ان پر اعتماد کرتے تھے اور ان کی طرف مراجعہ کرتے تھے لہٰذا ان تک طریق کا ذکر صرف تبرک و تیمّن کی خاطر تھا یعنی

ان کتب کو مرسل ہونے سے نکال کر مسند بنانے کی خاطر ورنہ ان تک طریق کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی وجہ سے صدوق نے ان بعض کتب تک اپنا طریق ذکر نہیں کیا۔

یہی بات علامہ مجلسی بزرگ نے شرح فقیہ روضۃ المتقین، ج ۱،ص ۲۹ میں کی ہے۔

استاد سبحانی فرماتے ہیں: اگر معلوم ہو کہ شیخ صدوق نے حدیث کو کتب معروفہ سے اخذ کیا ہے تو طریق سے بحث ضروری نہیں ہے لیکن اگر ایسا جزم نہ ہو اور یہ احتمال ہو کہ حدیث آپ تک ان طرق کے ذریعے پہنچی ہو جو مشیخہ میں مذکور ہیں تو ان طرق کی صحت جانچنا لازم ہوگا اور یہی بات ہم طرق کلینی میں بھی کہتے ہیں۔

نقد الفقیہ

جناب فیض کاشانی وافی میں اسلوبِ فقیہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: **و امّا رئیس المحدثین ابو جعفر محمد بن علی بن بابویه القمی عطّر اللّٰه مرقده فدأبه فی کتاب من لا یحضره الفقیه ترک اکثر السند عن المعصوم فقط او مع من یروی عنه ثمّ انّه ذکر فی آخر الکتاب طریقه المتصل بذلک الراوی ولم یخلّ بذلک الاّ نادراً کاخلاله بطریقه الی برید بن معاویه العجلی و الی یحیی بن سعید الاهوازی۔**

و امّا الفقیه فهو کالکافی فی اکثر ذلک مع خلوّه من الاصول و قصوره عن کثیر من الابواب والفصول و ربّما یشبه الحدیث بکلامه و یشبه کلامه فی ذیل الحدیث بتمامه و ربما یرسل الحدیث ارسالا و یهمل الاسناد اهمالاً۔ رئیس المحد ثین ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی کا اسلوب کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں یہ ہے کہ پوری سند چھوڑ دیتے ہیں پھر آخر کتاب

میں آپ نے مشیخہ ذکر کیا ہے وہاں اس راوی تک اپنی سند کو بیان کرتے ہیں، کہیں نادر مقامات پر اس طریقہ کے برخلاف عمل کیا ہے جیسا کہ برید بن معاویہ اور یحییٰ بن سعید تک اپنا طریق وہیں بیان کر دیا ہے فقیہ بھی کافی کی طرح ہے سوائے اس کے کہ اس میں اصول مذکور نہیں ہیں اور بہت سے ابواب وفصول نہیں ہیں، بعض دفعہ حدیث ان کی کلام سے اور ان کی کلام تتمہ سے مشابہ ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ سند ذکر نہیں کرتے۔

فقیہ کے آخر میں **طرق صدوق الی الکتب مشیخہ** کے نام سے ملحق ہیں جس میں ۳۹۰ طرق ذکر ہوئے ہیں جیسا کہ مرزا محمد استرآبادی کے مرتبہ شدہ مشیخہ میں ہے۔

تهذيب الاحكام

تالیف شیخ الطائفۃ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی (م ۴۶۰)

آپ کے معاصر نجاشی آپ کے بارے لکھتے ہیں:

محمد بن الحسن بن علی الطوسی ابو جعفر جلیل من اصحابنا ثقة عین من تلامذة شیخنا ابی عبد اللّٰه له کتب...........۔

علامہ نے خلاصہ میں ذکر کیا آپ کی ولادت ماہ رمضان ۳۸۵ھ میں ہوئی اور ۴۰۸ھ میں آپ عراق وارد ہوئے بغداد میں، دوسرے مصادر میں ہے کہ آپ ۴۴۸ میں نجف اشرف تشریف لائے اور ۲۲ محرم کی رات ۴۶۰ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی اور مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ کتاب ۴۴۷ھ میں لکھی جب آپ کی عمر شریف ۶۲ سال تھی اور فہرست میں اس کا ذکر کیا اس کا مطلب ہے فہرست اس سے بعد لکھی ہے۔ ۴۴۸ھ میں آپ کے کتب خانے کو بغداد میں آگ لگا دی گئی اور آپ کو کربلا ہجرت کرنا پڑی اور وہاں سے نجف اشرف۔

امّا الکتاب یعنی تهذیب و الاحکام

یہ کتاب آپ نے اپنے استاد شیخ مفیدؒ کی مقنعہ کی شرح کے طور پر لکھی جب شروع کی آپ کی عمر ۲۶ سال تھی۔ آپ کی کتاب کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ طہارت وصلوٰۃ لکھتے وقت شیخ مفیدؒ زندہ تھے اس لئے کہ یہاں ان کے لئے **ایدہ اللہ تعالیٰ** لکھتے ہیں لیکن اس کے بعد **قال الشیخ رحمہ اللہ** لکھتے ہیں۔ شیخ مفیدؒ ۴۱۳ھ میں فوت ہوئے ہیں جبکہ شیخ طوسی بغداد ۴۰۸ھ میں وارد ہوئے ہیں۔ مرحوم بروجردی بھی لکھتے ہیں کہ آپ کے طرز استدلال سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ۷۰ کے پیٹے میں تھے۔

ابتداء میں آپ استاد کی عبارت نقل کرکے اس پر شرح کرتے ہیں اور استدلال اقامہ کرتے ہیں لیکن بعد میں ایسا نہیں ہے صرف احادیث نقل کرتے ہیں اور اس کی وجہ آپ نے مشیخہ کے ابتداء میں ذکر کردی ہے کہ طوالت باعث نہ بنے کہ اصل غرض سے بھی رہ جائیں اور کتاب کی تکمیل نہ ہوسکے۔

یہ ایک خالص حدیثی کتاب نہیں ہے بلکہ فقہی استدلالی حدیثی کتاب ہے۔ ۱۳۵۸۰ احادیث پر مشتمل ہے جیسا کہ حاجی نوری نے مستدرک میں کہا ہے مقدمہ میں آپ وجہ تالیف ذکر کرتے ہیں کہ بعض اصدقاء نے ذکر کیا کہ اہل سنت ہمارے اوپر اختلاف احادیث کی وجہ سے طعن کرتے ہیں **و ذکر انہ اذا کان الامر علی ھذہ الجملۃ فالاشتغال بشرح کتاب یحتوی علی تاویل الاخبار المختلفۃ والاحادیث المتنافیۃ من اعظم المھمات فی الدین و من اقرب القربات الی اللہ تعالیٰ...... و سئلنی ان اقصد الی رسالۃ شیخنا ابی عبد اللہ ایدہ اللہ تعالیٰ الموسومۃ بالمقنعۃ لانّھا شافیۃ فی معناھا**

کافیة فی اکثر ما یحتاج الیہ من احکام الشریعة و انها بعیدة من الحشو وان اقصد الی اوّل باب یتعلق بالطهارة و اترک ما قدّمه قبل ذلک ممّا یتعلق بالتوحید و العدل والنبوة والامامة لانّ شرح ذلک یطول...... و ان اترجم کل باب علی حسب ما ترجمه و اذکر مسئلة مسئلة فأستدل علیها امّا من ظاهر القرآن او من صریحه او فحواه او دلیله او معناه و امّا من السنة المقطوع بها من الاخبار المتواتره او الاخبار التی تقترن الیها القرائن التی تدل علی صحتها و امّا من اجماع المسلمین ان کان فیها او اجماع الفرقة المحقة ثمّ اذکر بعد ذلک ما ورد من احادیثنا المشهورة فی ذلک وانظر فیما ورد بعد ذلک ممّا ینافیها و یضادّها وابیّن الوجه فیها امّا بتاویل اجمع بینها و بینها او اذکر وجه الفساد فیها امّا من ضعف سندها او عمل العصابة بخلاف متضمّنها الخ۔

منهج التالیف

ابتداء میں آپ پوری سند ذکر کرتے ہیں پھر آخر طہارت میں اس اسلوب سے آپ نے عدول کرلیا اوراس کی وجہ بھی بتلائی کہ اس طرح کی تطویل ہمیں اصل غرض سے دور کردے گی لیکن آخر میں پھر اسی سابقہ اسلوب کی طرف لوٹ گئے اور فرمایا: **ثم راینا بعد ذلک استیفاء ما یتعلق بهذا المنهاج اولٰی من الاخذ فی غیره فرجعنا و اوردنا من الزیارات ما کنّا اخللنا به۔**

دونوں منہاج کی مثال

ابتداء کتاب میں پہلی روایت یوں ہے: **ما اخبرنی به الشیخ ایّده اللّٰه**

تعالٰی عن احمد بن محمد عن ابیه عن الحسین بن الحسن بن ابان عن الحسین بن سعید عن عثمان بن عیسٰی عن سماعه قال سئلت ابا عبداللّٰه عن الرجل ینام وهو ساجد قالؑ ینصرف و یتوضاء۔

دوسری روش کی مثال امر بالمعروف سے ہے۔

(۱)احمد بن محمد ابی عبداللہ عن یعقوب بن یزید رفعه قال قال ابو عبد اللّٰه الامر بالمعروف و النهی عن المنکر خلقان من خلق اللّٰه فمن نصرهما اعز اللّٰه ومن خذلهما خذله اللّٰه تعالٰی۔

(۲)احمد بن محمد بن خالد عن محمد بن عیسٰی عن محمد بن عرف قال سمعت ابا الحسن الرضاؑ۔

تصحیح اسانید شیخ

شیخ نے جو طرق مشیخۃ التہذیب میں ذکر کئے ہیں ان میں سے بہت سے ضعیف یا مرسل یا مجہول ہیں لہٰذا بعض محققین نے اس نقص کو دور کرنے کی کوشش کی ہے فہرس شیخ اور دوسرے بزرگان کے طرق کے ذریعے۔ چونکہ فہرست میں شیخ نے ان ارباب کتب و اصول تک اپنے طرق ذکر کئے ہیں جنہیں تہذیب میں ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا فہرس کی طرف رجوع سے اس نقص کو دور کیا جا سکتا ہے۔

یا مشیخہ فقیہ و رسالہ شیخ ابی غالب الرازی کی طرف رجوع کریں اگر ان کی سند ہو اس اصل یا کتاب تک جسے شیخ نے تہذیب میں مہمل چھوڑا ہے تو بھی نقص دور ہو جائے گا چونکہ شیخ کی سند ان بزرگان تک متصل ہے۔

یا طریق نجاشی کی طرف رجوع کرلیں یہ معاصر تھے شیخ طوسیؒ کے اور اکثر مشائخ میں باہم شریک تھے جیسے مفید، حسین بن عبید اللہ الغضائری اور ان کے بیٹے احمد

بن الحسین اور احمد بن عبدون معروف بابن الحاشر، جب ان بزرگان کے توسط سے کسی اصل یا کتاب کو روایت کریں تو یہ شیخ کا بھی طریق ہوگا۔

لیکن محقق شیخ محمد اردبیلی (م ۱۱۰۱) نے جامع الرواۃ اور تصحیح الاسانید میں ایک اور طریقہ ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

علامہ حلی نے خلاصہ میں، مرزا استرآبادی نے تلخیص المقام میں اور سید مصطفیٰ تفرشی نے نقد الرجال میں شیخ طوسی کے شیوخ کو ذکر کیا ہے جن سے تہذیب و استبصار کی روایات لی گئی ہیں جو کہ ۳۹ شیخ ہیں۔ علامہ اور استرآبادی نے ان میں سے ۲۵ شیوخ کو ذکر کیا ہے شاید اس وجہ سے کہ بقیہ تک طریق شیخ صحیح نہیں ہے۔

سید تفرشی نے نے مشیخہ تہذیبین پر ۳۱ شیوخ کا اضافہ کیا ہے کہ جن تک شیخ نے اپنی سند کو ان کتابین کے خاتمہ میں ذکر نہیں کیا۔ ان تک شیخ کی سند کو فہرس سے استخراج کیا ہے یوں شیوخ کی تعداد ۷۰ ہوگئی لیکن ان میں سے آپ کے نزدیک صرف ۳۰ طرق معتبر ہیں جبکہ ۴۰ طرق غیر معتبر ہوگئے جو کہ ایک بڑی تعداد ہے اس وجہ سے محقق اردبیلی نے ان دونوں کتابوں کی اسانید کی تصحیح کے لئے ایک اور طریقے کا انتخاب کیا۔

آپ فرماتے ہیں: علماء رجال نے جو شیخ کے طرق ذکر کئے ہیں وہ انتہائی قلیل ہیں اور مطلوب میں مفید نہیں ہیں اور شیخ نے جن اصحاب کتب واصول تک اپنے طریق کو تہذیب و استبصار میں ذکر نہیں کیا مشیخہ و فہرس میں ان تک اپنے ایک یا دو یا زیادہ طرق ذکر کئے ہیں لیکن میں نے ان میں نظر کی تو یہ ضعیف یا مجہول وغیرہ تھے یا سند کی ابتداء ایسے راوی سے کی جن تک اپنے طریق کو اصلاً ذکر ہی نہیں کیا۔ **فلاجل ذلک رایت لازما تحصیل طرق الشیخ الی ارباب الکتب و الاصول**

غیر الطرق المذکوره فی المشیخة و الفهرس حتی تصیر تلک الروایات معتبرة فلما طال تفکری فی ذلک و تضرعی اُلقی فی روعی ان انظر فی اسانید روایات التهذیبین فلما نظرت فیها طرقا کثیرة الیهم غیر ماهو مذکور فی المشیخة والفهرس اکثرها موصوف بالصحة والاعتبار..........۔

و لزیادة التوضیح نقول انه روی الشیخ فی التهذیب روایات عن علی بن الحسن الطاطری بدء بذکر اسمه فی اسانیده مثلاً روی فی کتاب الصلٰوة هکذا۔ علی بن الحسن الطاطری قال حدّثنی عبد اللّٰه بن الوضاح عن سماعه بن مهران قال قال لی ابو عبداللّٰہؑ ایاک ان تصلی قبل ان تزول فانک تصلی فی وقت العصر خیر لک ان تصلی قبل ان تزول۔

و قال فی المشیخة وما ذکرته عن علی بن الحسن الطاطری فقد اخبرنی به احمد بن عبدون عن علی بن محمد بن الزبیر عن ابی الملک احمد بن عمر بن کیسبه عن علی بن الحسن الطاطری و هذا الطریق ضعیف بجهالة اثنین منهم ابن الزبیر و ابن کیسبه و مقتضاه عدم اعتبار تلک الروایات التی یبلغ عددها الی ثلاثین حدیثا فی التهذیب۔

و امّا المحاولة فهی انّا اذا رأینا ان الشیخ روی فی باب الطواف اربع روایات بهذا السند موسٰی بن القاسم عن علی بن الحسن الطاطری عن درست بن ابی منصور عن ابن مسکان ثمّ وقفنا

علی امرین

۱۔ ان موسٰی بن القاسم۔ اعنی به من صدّربه السند۔ ثقة۔

۲۔ طریق الشیخ الیه صحیح فعند ذلک یحصل للشیخ طریق صحیح الی الطاطری لکن لا عن طریقه الیه فی المشیخة ولا فی الفهرس بل عن طریقه فی المشیخة الی موسٰی بن القاسم۔ یعنی موسٰی بن قاسم صرف ان چار روایات کا راوی نہیں ہے بلکہ تمام کتاب طاطری کا راوی ہے گویا شیخ نے کتاب طاطری دو سند سے روایت کی ہے ایک ضعیف ہے اور ایک معتبر ہے۔

مرحوم بروجردی نے اس نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ اولاً آپ نے جو فرمایا جو طرق علماء رجال نے ذکر کئے وہ انتہائی قلیل ہیں جو مقصد میں مفید نہیں ہیں یہ بات درست نہیں ہے وہ طرق اگرچہ قلیل ہیں لیکن شیخ نے ان طرق کے ساتھ جو روایات نقل کی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں مثلاً:

۱۔ ما رواه بطرقه عن احمد بن محمد بن عیسٰی تقریباً ۱۲۰۰ حدیث۔

۲۔ عن الحسن بن محمد بن سماعه تقریباً ۸۰۰ حدیث۔

۳۔ عن الحسین بن سعید تقریباً ۲۵۰۰ حدیث۔

۴۔ عن سعد بن عبد اللّٰه تقریباً ۶۰۰ حدیث۔

۵۔ عن احمد بن محمد بن یحیٰی تقریباً ۹۵۰ حدیث۔

۶۔ عن محمد بن علی بن محبوب تقریباً ۷۰۰ حدیث۔

اس کے علاوہ جن مشائخ تک آپ کا طریق صحیح ہے ان سے منقول روایات

کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے پس کیسے مفید نہیں ہے۔

وثانیاً: جب موسیٰ بن القاسم روایت کرے **عن علی بن الحسن الطاطری** اس میں تین احتمال ہیں:

۱۔ ہوسکتا ہے انہوں نے حدیث کو خود کتاب طاطری سے اخذ کیا ہو اس صورت میں آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا درست ہوگا۔

۲۔ ہوسکتا ہے موسیٰ بن قاسم نے یہ حدیث کتاب درست ابن ابی منصور سے لی ہو کہ اس کتاب کو اس سے بواسطہ طاطری روایت کیا ہو۔

۳۔ ہوسکتا ہے یہ حدیث کتاب ابن مسکان سے لی ہو اور یہ کتاب اس سے دو واسطہ (طاطری و درست) کے ذریعے نقل کی ہو۔ ان دو احتمال کی بناء پر شیخ کو کتاب درست و کتاب ابن مسکان تک تو سند صحیح حاصل ہو جائے گی لیکن خود کتاب طاطری تک طریق صحیح حاصل نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اگر ابتداء سند میں شیخ واقع ہو اور اس تک طریق ضعیف ہو تو اس کی اصلاح اس سے نہیں ہوسکتی جہاں وہ وسط سند میں واقع ہے اگر چہ وہاں اس تک طریق صحیح ہو کیونکہ وسط سند میں واقع ہونا تو دلالت نہیں کرتا کہ روایت اس کی کتاب سے لی گئی ہے ہوسکتا ہے روایت اس کے شیخ درست یا ابن مسکان کی کتاب سے لی گئی ہو۔

اور جن شیوخ کو ابتداء سند میں ذکر کیا اور مشیخہ میں ان تک اپنی سند ذکر نہیں کی ان کی روایات زیادہ نہیں ہیں ۵۰۰ تک ہیں۔

الاستبصار فیما اختلف فیه من الاخبار

یہ کتاب بھی شیخ نے احادیث میں اختلاف و تعارض دفع کرنے کی خاطر لکھی

گویا یہ کتاب اخبار متعارضہ کے ذکر اور ان کے درمیان طریق جمع کی خاطر لکھی گئی۔

اس کی وجہ تالیف بھی شیخ نے اس کے مقدمہ میں لکھی ہے کہ ہماری کتاب تہذیب الاحکام کو جب ہمارے اصحاب کی جماعت نے دیکھا اور اکثر احکام فقہ پر مشتمل پایا تو اسے ایسی کتاب پایا جس کی طرف تفقہ کیلئے مبتدی و متوسط و منتہی سب رجوع کر سکتے ہیں تو انہوں نے چاہا کہ ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں احادیث مختلفہ اختصار کے ساتھ جمع ہوں۔

و ان ابتدء فی کل باب بایراد ما اعتمده من الفتوی والاحادیث فیه ثمّ اعقّب بما یخالفها من الاخبار و ابیّن وجه الجمع بینها علی وجه لا اُسقط شیئا فیها ما امکن ذلک فیه۔

آخر کتاب میں کہتے ہیں: **کنت سلکت فی اول الکتاب ایراد الاحادیث باسانیدها و علی ذلک اعتمدت فی الجزء الاول والثانی ثم اختصرت فی الجزء الثالث و عوّلت علی الابتداء بذکر الراوی الذی اخذت الحدیث من کتابه او اصله علی ان اورد عند الفراغ من الکتاب جملة من الاسانید یتوصل بها الی هذه الکتب والاصول حسب ما علیه فی کتاب تهذیب الاحکام۔**

صحة احادیث مذکوره فی الکتابین

بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تہذیبین کی تمام احادیث صحیح ہیں۔

اس کے پیش نظر جو وافی میں فیض کاشانی نے عدۃ الاصول سے نقل کیا کہ ان **ما اورده فی کتابی الاخبار انّما آخذه من الاصول المعتمد علیها۔**

اولاً تو یہ عبارت عدّہ سے ثابت نہیں ثانیاً ثابت ہو تو بھی اصل کا معتمد علیہ

ہونا موجب نہیں بنتا کہ اس کی تمام احادیث مورد اعتماد ہوں اس کے علاوہ شیخ نے خود ان احادیث میں سے بہت سی احادیث پر سندی اشکال کیا ہے۔

شیخ نے خود اس کتاب کی احادیث کا احصاء کیا ہے۔ خود فرماتے ہیں:

واعلموا ایدکم اللّٰہ انّی جزّأت ھذا الکتاب (استبصار) ثلاثۃ اجزاء الجزء الاول والثانی یشتملان علی ما یتعلق بالعبادات والثالث یتعلق بالمعاملات،

الجزء الاول فی ۳۰۰ باباً و ۱۸۹۹ حدیثا۔

و الجزء الثانی فی ۲۱۷ بابا و ۱۱۷۷ حدیثا۔

و الجزء الثالث فی ۳۹۸ بابا و ۲۴۵۵ حدیثا۔

طریقہ شیخ اردبیلی کے بعد دوسرا طریقہ شیخ مجلسی کا ہے جو آپ نے کتاب الاربعین میں ذکر کیا ہے کہ اگر شیخ طوسی کا طریق صاحب کتاب تک ضعیف ہو تو اگر اس صاحب کتاب تک شیخ صدوق کا طریق صحیح ہو تو اس پر اعتماد کرتے ہوئے شیخ طوسیؒ کے طریق کو اس سے تبدیل کر سکتے ہیں کیونکہ شیخ طوسی شیخ صدوق کی تمام روایات تک طریق صحیح رکھتے ہیں اس لئے شیخ طوسی شیخ صدوق کی تمام روایات کو شیخ مفید کے ذریعے روایت کرتے ہیں۔ یوں شیخ طوسی کے لئے وہی شیخ صدوق کا طریق ثابت ہو جائے گا صاحب کتاب تک اس طریقے میں اشکال تعدّد نسخ کا ہے ممکن ہے ایک نسخہ وہ ہے جس تک شیخ طوسی کا طریق ہے اور دوسرا نسخہ اور ہو جس سے شیخ صدوق روایت کرتے ہوں اپنے طریق سے، ایسی صورت میں ممکن ہے جو حدیث شیخ طوسی اپنے طریق سے نقل کر رہے ہیں وہ اس نسخہ میں موجود ہی نہ ہو جس سے صدوق نقل کر رہے ہیں جیسا کہ شیخ نے فہرس میں علاء بن رزین کے ترجمہ میں ذکر کیا کہ اس کی کتاب کے چار نسخے تھے اور

شیخ کے لئے ہر نسخے تک الگ طریق ہے۔

تیسرا طریقہ

طریقہ تبدیل سند و تلفیق بین سندین ہے۔

یعنی اگر ہمیں ایک روایت دو مختلف طریق سے پہنچے ہر ایک میں ایک ایک جہت سے ضعف ہو۔

مثلاً: شیخ طوسی روایت کرتے ہیں ذیل کی سند کے ساتھ

المفید عن احمد بن محمد عن ابیه عن سعد بن عبداللّٰہ عن احمد بن محمد عن الحسین بن الحسن عن زرعه عن سماعه عن الامام الصادق علیه السلام۔

اس سند میں سب رجال ثقہ ہیں سوائے احمد بن محمد کے جو کہ شیخ مفید کے مشائخ میں سے تھے یہ احمد بن محمد بن الحسن بن الولید ہیں (اس بناء پر کہ شیخوخة الاجازہ ہونا وثاقت کے اثبات کیلئے کافی نہ ہو)۔

اسی روایت کو کلینی نے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن علی بن اسماعیل عن عثمان بن عیسٰی عن زرعه عن سماعه عن الامام الصادق علیه السلام۔

اس سند میں بھی سارے روایات ثقات ہیں سوائے علی بن اسماعیل کے۔ اب پہلی سند میں احمد بن محمد کے بارے میں مسئلہ ہے اس کی طرف سے مشکل کو دوسری سند سے حل کریں چونکہ کلینی کی سند میں یہ نہیں ہے بلکہ کلینی نے محمد بن یحییٰ سے روایت کی ہے اور دوسری سند میں ضعف علی بن اسماعیل کی وجہ سے ہے اس مشکل کو پہلی سند

سے دور کریں کہ اس میں علی بن اسماعیل نہیں ہے یعنی کلینی کو محمد بن یحیٰی نے یہ روایت بیان کی ہے اب اس کے بعد طریق اوّل کو اخذ کریں۔

اس طریقہ پر اشکال یہ ہے کہ ہو سکتا ہے پہلی سند کا جو راوی ضعیف ہے اس نے اپنے سے اوپر والی سند خود جعل کی ہو۔ اگر ایسا ہو تو اسے اصلاً اخذ کرنا صحیح نہیں ہوگا پس ہمارے پاس صرف دوسری سند ہے جو کہ ضعیف ہے۔

چوتھا طریقہ مرزا محمد بن استر آبادی کا ہے

کہ مثلاً طریق صدوق عبید بن زرارہ تک ضعیف ہے حکم بن مسکین کی وجہ سے دو امر کے ذریعے اس کی تصحیح کر سکتے ہیں:

اوّلاً: نجاشی کا طریق عبید تک صحیح ہے وہ ترجمہ عبید میں فرماتے ہیں: **لہ کتاب یرویہ جماعۃ عنہ، اخبرنا عدّہ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن یحیٰی عن عبداللّٰہ بن جعفر الحمیری عن ابی الخطاب و محمد بن عبد الجبار و احمد بن محمد بن عیسٰی عن محمد بن اسماعیل بن بزیع عن حماد بن عثمان عن عبید بکتابہ۔**

و ثانیاً: نجاشی کے طریق میں عبداللہ بن جعفر ہیں اور فہرست شیخ میں شیخ نے عبداللہ بن جعفر تک اپنا اور طریق ذکر کیا ہے: **اخبرنا بجمیع کتبہ و روایاتہ الشیخ المفید عن ابی جعفر ابن بابویہ عن ابیہ عن محمد بن الحسن عنہ** ۔اس سے پتہ چلا کہ صدوق حمیری کی تمام روایات طریق صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور امر اول میں معلوم ہوگیا کہ عبداللہ بن جعفر حمیری عبید کی تمام روایات تک طریق صحیح رکھتے ہیں درنتیجہ صدوق کا طریق عبید کی تمام روایات تک صحیح ہو جائے گا جو کہ یوں بنے گا: **الصدوق عن ابیہ و محمد بن الحسن عن الحمیری**

عن ابی الخطاب الخ۔

اس طریقہ پر اشکال یہ ہے کہ اس طریقے سے اس روایت کی تصحیح تو کر سکتے ہیں کہ جس کا کتاب عبید میں ہونا ثابت ہو جائے لیکن یہ کیسے ثابت ہو کہ صدوق نے فقیہ میں جو روایت نقل کی ہے اور جس کی سند میں حکم بن مسکین موجود ہے یہ کتاب عبید میں موجود تھی ہو سکتا ہے حکم نے یہ روایت جعل کی ہو، ہاں اگر صدوق نے روایت کتاب حمیری سے لی ہو نہ کہ کتاب عبید سے جو انہیں حکم کے ذریعے پہنچی ہو تو اس صورت میں یہ طریقہ مفید ہوگا۔

پانچواں طریقہ آقای خوئی قدس سرہ کا طریقہ ہے

شیخ طوسی نے کچھ روایات علی بن الحسن بن فضال سے روایت کی ہیں۔ شیخ فہرس میں فرماتے ہیں: **اخبرنا بجمیع کتبہ قراءۃ علیہ اکثرھا والباقی اجازۃً احمد بن عبدون عن علی بن محمد بن الزبیر سماعا و اجازہ عنہ**۔ احمد بن عبدون کی توثیق اگر چہ شیخ و نجاشی نے نہیں کی لیکن آپ مشائخ نجاشی میں سے تھے اس طریق سے ان کی توثیق ثابت ہو جائے گی **کما مرّ**۔ لیکن ابن زبیر کی توثیق نہیں ہوئی اس کا لازمہ یہ ہے کہ شیخ نے جتنی روایات کتاب علی بن حسن بن فضال سے روایت کی ہیں سب ساقط ہو جائیں گی اس کا حل آقای خوئی یوں کرتے ہیں کہ جب ہم رجال نجاشی کی طرف مراجعہ کریں تو دیکھتے ہیں ترجمہ علی بن حسن بن فضال میں ذکر کرتے ہیں کہ ان کا طریق ان تک ابن عبدون سے شروع ہوتا ہے اور ابن زبیر بیچ میں واسطہ نہیں ہے یعنی یہ طریق صحیح ہے اور ابن عبدون شیخ طوسی و نجاشی دونوں کے استاد ہیں تو جب نجاشی کا طریق صحیح ہے تو شیخ کا بھی صحیح ہوگا چونکہ ابن عبدون جو اپنے دونوں شاگردوں کے لئے نقل کیا ہے وہ ایک جیسا ہے یعنی ابن عبدون تک کتاب ابن

فضال دو طریق سے پہنچی ہے ایک صحیح ہے جو کہ طریق نجاشی ہے لہٰذا جب شیخ ابن فضال کی روایات کو ابن عبدون کے واسطہ سے نقل کریں گے تو وہ حجت ہوں گی۔

اس طریقے میں بھی وہی اشکال ہے کہ ہو سکتا ہے ابن عبدون کے پاس کتاب کے دو نسخے ہوں ایک نسخہ انہوں نے شیخ طوسی کو ابن زبیر کے توسط سے روایت کیا ہو دوسرا نجاشی کو دوسرے واسطہ سے روایت کیا ہو۔

اس کے علاوہ نجاشی کے ابن فضال تک دو طریقے ہیں:

۱۔ابن عبدون عن ابن الزبير عن علي بن الحسن۔

۲۔محمد بن جعفر عن احمد بن محمد بن سعيد عن علي بن الحسن۔

پہلا طریق مفید نہیں ہے چونکہ ابن زبیر پر مشتمل ہے اگر چہ ابن عبدون سے شروع ہوا ہے اور دوسرا اگر چہ ابن زبیر پر مشتمل نہیں ہے لیکن ابن عبدون سے شروع نہیں ہوا لہٰذا دونوں مفید نہیں ہوں گے وہ طریق جو مفید ہے وہ ہے جو ابن عبدون سے شروع ہو اور ابن زبیر پر مشتمل نہ ہو چونکہ اگر ابن عبدون پر مشتمل نہ ہو تو پھر نجاشی و شیخ طوسی کا شیخ ایک نہیں ہوگا۔

تطبيق عملی

۱۔وسائل باب ۱۵ از ابواب القیام کتاب الصلوۃ حدیث ہے

علي بن جعفر في كتابه عن اخيه قال سئلته عن المريض ....

شیخ حر عاملی اس روایت کو کتاب علی بن جعفر سے روایت کرتے ہیں یہ کتاب ان کے پاس تھی اور وسائل کے مصادر میں سے ہے۔اس کتاب تک ان کا طریق صحیح

ہے چونکہ صاحب وسائل نے سب مصادر کو طرق معتبرہ سے حاصل کیا ہے جو شیخ طوسی پر منتہی ہوتے ہیں اور شیخ طوسی کا علی بن جعفر تک طریق معتبر ہے۔

اما حر عاملی کا طریق شیخ طوسی تک یہ آخر وسائل میں فائدہ خامسہ میں بیان کیا ہے وہاں سب طرق کو ذکر کیا ہے۔

اما شیخ کا علی بن جعفر تک جو طریق مشیخہ میں ہے وہ اگرچہ ضعیف ہے وہ کہتے ہیں: **وما ذکرته من علیّ بن جعفر فقد اخبرنی به الحسین بن عبید اللّٰہ عن احمد بن محمد بن یحیٰی عن العمرکی النیشابوری البوفکی عن علیّ بن جعفر۔**

اس سند میں احمد بن محمد بن یحیٰی کی توثیق نہیں ہوئی (اگر مشائخ اجازہ ہونا اثبات وثاقت کے لئے کافی نہ ہو) لہٰذا یہ سند ضعیف ہوگی لیکن فہرست میں طریق صحیح مذکور ہے: **قال اخبرنا بذلک جماعة عن محمد بن علی بن الحسین عن ابیه عن محمد بن یحیٰی عن العمرکی الخراسانی البوفکی عن علی بن جعفر عن اخیه موسٰی الکاظم علیه السلام۔**

و رواه ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویه عن ابیه عن سعد و الحمیری و احمد بن ادریس و علی بن موسٰی عن احمد بن محمد عن موسٰی بن القاسم البجلی عنه۔

اس عبارت میں شیخ نے علی بن جعفر تک دو طریق ذکر کیے ہیں۔ یہ دونوں صحیح ہیں پہلے جماعة من اصحابنا ہیں یہ کم از کم تین ہیں اور اطمینا نًا ان میں سے ایک شیخ مفید یا حسین بن عبید اللہ الغضائری ہیں باقی سب ثقات ہیں۔

فوائد رجالیہ

فائدہ ۱

اصحاب امامیہ کتب اخبار میں کچھ رجال سے روایت کرتے ہیں جنہیں کبھی کنیت سے ذکر کیا جاتا ہے، کبھی القاب سے اور کبھی ان کے مشہور نام سے یا غیر مشہور نام سے، فہرس و رجال میں عموماً ان کے مشہور نام ذکر کئے جاتے ہیں اور جو نام روایات میں آئے ہیں ان کی پروانہیں کی جاتی۔ علامہ نے خلاصہ کے خاتمہ میں اور ابن داؤد نے رجال کی قسم اول کے خاتمہ میں انہیں جمع کیا ہے جو کنیت سے مشہور تھے، استاد جعفر سبحانی مدظلہ نے کلیات فی علم الرجال میں ۵۲ افراد کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ ابو احمد الازدی — یہ — محمد بن ابی عمیر ہیں۔

۲۔ ابو ایوب الانصاری — یہ — خالد بن زید ہیں۔

۳۔ ابو ایوب الخرّاز — یہ — ابراہیم بن عیسیٰ ہیں۔

۴۔ ابو بکر الحضرمی — یہ — عبداللہ بن محمد ہیں۔

۵۔ ابو البلاد — یہ — یحییٰ بن سلیم ہیں۔

۶۔ ابو جعفر — یہ — احمد بن محمد بن عیسیٰ ہیں۔

شیخ وغیرہ بہت سی روایات میں کہتے ہیں: سعد بن عبد اللہ عن ابی جعفر۔

۷۔ ابو جعفر الاحول — یہ — محمد بن نعمان ملقب بالمومن الطاق ہیں۔

۸۔ ابو جعفر الزیات — یہ — محمد بن حسین بن ابی الخطاب ہمدانی ہیں۔

۹۔ ابو جعفر الرواسی — یہ — محمد بن الحسن بن ابی سارہ ہیں۔

۱۰۔ ابو جمیلہ — یہ — مفضل بن صالح السکونی ہیں۔

۱۱۔ ابوالجوزاء	یہ	منبہ بن عبداللہ ہیں۔
۱۲۔ ابوالجیش	یہ	مظفر بن محمد بن احمد البلخی ہیں۔
۱۳۔ ابوحمران	یہ	موسیٰ بن ابراہیم المروزی ہیں۔
۱۴۔ ابوحمزہ ثمالی	یہ	ثابت بن ابی صفیہ دینار ہیں۔
۱۵۔ ابوحنیفہ سائق الحاج	یہ	سعید بن بیان ہیں۔
۱۶۔ ابوخالد القماط	یہ	یزید ہیں۔
۱۷۔ ابوخدیجہ	یہ	سالم بن مکرم ہیں۔
۱۸۔ ابوالخطاب ملعون ۔؟۔	یہ	محمد بن مقلاص ہیں ۔کنیت ابو اسماعیل و ابو الظبیان تھی۔
۱۹۔ ابوداؤدالمسترق	یہ	سلیمان بن سفیان، انہیں مسترق اس لئے کہا گیا چونکہ یہ لوگوں کو سید حمیری کے اشعار سنا کر استرقاق کر لیتے تھے۔ (غلام بنالیما)
۲۰۔ ابوالربیع الشامی	یہ	خلید بن اوفی ہیں۔
۲۱۔ ابوسعید القماط	یہ	خالد بن سعید ہیں۔
۲۲۔ ابوسمینہ	یہ	یہ محمد بن علی بن ابراہیم القرشی ہیں۔
۲۳۔ ابوالصباح الکنانی	یہ	ابراہیم بن العبدی ہیں۔
۲۴۔ ابوعلی الاشعری	یہ	محمد بن عیسیٰ بن عبد اللہ بن سعد بن مالک شیخ القمیین ہیں۔
۲۵۔ ابوعلی الاشعری القمی	یہ	یہ احمد بن ادریس ہیں از مشائخ کلینی

۲۶۔ ابوعبیدہ الحذاء	یہ	زیاد بن عیسیٰ ہیں۔
۲۷۔ ابو غالب الرازی	یہ	احمد بن محمد بن سلیمان ہیں۔
۲۸۔ ابوالفضل الحناط	یہ	سالم ہیں۔
۲۹۔ ابوالقاسم	یہ	معاویہ بن عمار ہیں۔ بعض اخبار میں ہے: حسن بن محبوب عن ابی القاسم۔
۳۰۔ ابوالمغراء	یہ	حمید بن مثنّیٰ ہیں۔
۳۱۔ ابوولاد الحناط	یہ	حفص بن سالم ہیں۔
۳۲۔ ابو ہاشم الجعفری	یہ	داؤد بن قاسم بن اسحاق ہیں۔
۳۳۔ ابوھمام	یہ	اسماعیل بن ھمام ہیں۔
۳۴۔ ابن حمدون الکاتب	یہ	احمد بن ابراہیم بن اسماعیل ہیں۔
۳۵۔ ابن عقدہ	یہ	احمد بن محمد بن سعید ہیں۔ (۳۳۳)
۳۶۔ البزوفری	یہ	حسین بن علی بن سفیان ہیں۔
۳۷ بقباق	یہ	مفضل بن عبدالملک ہیں۔
۳۸۔ حجال	یہ	عبداللہ بن محمد الاسدی ہیں۔
۳۹۔ سجادہ	یہ	حسن بن ابی عثمان ہیں۔
۴۰۔ خشاب	یہ	حسن بن موسیٰ ہیں۔
۴۱۔ سمکۃ	یہ	احمد بن اسماعیل ہیں۔
۴۲۔ شاذانی	یہ	محمد بن احمد بن نعیم ہیں۔
۴۳۔ صفوانی	یہ	محمد بن احمد بن عبداللہ بن قضاعہ ہیں۔

۴۴۔ الطاطری	یہ	علی بن حسن بن محمد الطائی ہیں۔
۴۵۔ علّان	یہ	علی بن محمد بن ابراہیم الکلینی ہیں۔
۴۶۔ ابوجعفر القلانسی	یہ	محمد بن احمد بن خاقان ہیں۔
۴۷۔ ابوعبداللہ القلانسی	یہ	حسین بن مختار ہیں۔
۴۸۔ نوفلی	یہ	حسین بن یزید ہیں سکونی سے روایت کرتے ہیں۔
۴۹۔ وشاء	یہ	حسن بن علی بن زیاد ہیں۔
۵۰۔ حمدان النھدی	یہ	محمد بن احمد بن خاقان ہیں۔
۵۱۔ محمد بن زیاد الازدی	یہ	ابن ابی عمیر ہیں۔
۵۲۔ محمد بن زیاد البزّاز	یہ	بھی ابن ابی عمیر ہیں۔

فائدہ ۲

علامہ نے خلاصہ میں اور ابن داؤد نے رجال میں کہا ہے کہ ابراہیم بن ہاشم جب حماد سے روایت کریں تو بعض تو ہم کرتے ہیں یہ حماد بن عثمان ہیں یہ غلط ہے ابراہیم بن ہاشم حماد بن عثمان سے نہیں ملے بلکہ یہ حماد بن عیسیٰ ہیں حماد بن عثمان کی وفات ۱۹۰ میں ہوئی جبکہ حماد بن عیسیٰ کی وفات ۲۰۹ میں ہوئی۔ یہ بات اصل میں صدوق نے مشیخہ میں کی۔ وہ فرماتے ہیں: **وما كان فيه من وصية امير المؤمنين عليه السلام لابنه محمد بن الحنفية رضي الله عنه فقد رويته عن ابي. رضي الله عنه. عن علي بن ابراهيم بن هاشم عن ابيه عن حمّاد بن عيسىٰ عمّن ذكره عن ابي عبد الله و يغلط اكثر الناس في هذا الاسناد فيجعلون و كان حماد بن عيسىٰ حماد بن عثمان و ابراهيم**

بن ھاشم لم یلق حماد بن عثمان و انما لقی حمّاد بن عیسٰی و روی عنہ۔

فائدہ ۳

ابن داؤد کہتے ہیں: اگر روایت وارد ہو جس میں موسیٰ بن القاسم حماد سے روایت کریں تو اسے مرسلہ خیال نہ کرنا اس لئے کہ حماد رجال امام صادقؑ میں سے ہیں چونکہ یا حماد بن عثمان ہیں جو کہ امام رضاؑ کے زمانے تک زندہ تھے، اور حماد بن عیسیٰ امام صادقؑ سے ملے ہیں یہ ابوجعفر ثانی (امام محمد تقیؑ) کے دور تک زندہ تھے۔ جحفہ میں غسل احرام کرتے ہوئے غرق ہونے کی وجہ سے فوت ہوئے۔

فائدہ ۴

تقریباً ۲۲۷۵ احادیث میں عنوان ابو بصیر وارد ہوا ہے، ان سے مراد میں اختلاف ہوا ہے نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کتنے افراد ہیں جو ابو بصیر کہلاتے ہیں۔ بعض نے کہا: دو ہیں۔ بعض نے تین کہا۔ بہت سوں نے چار کہا۔ مشہور چار ہیں جیسا کہ ابن داؤد تفرشی اور علامہ مامقانی نے فرمایا ہے۔

(۱) لیث بن البختری۔ (۲) یحیٰی بن القاسم۔

(۳) یوسف بن الحارث البتری۔ (۴) عبداللہ بن محمد الاسدی

یہ سب ثقہ نہیں ہیں بلکہ بعض ضعیف ہیں۔

معجم رجال الحدیث میں ہے جب ابو بصیر مطلق ہو تو یحیٰی ابن ابی القاسم الاسدی مراد ہوں گے (جو کہ ثقہ ہیں)، زیادہ سے زیادہ مردد ہوگا ان کے درمیان اور لیث بن البختری کے درمیان کہ یہ بھی ثقہ ہیں۔ اور دوسرے اس کنیت کے ساتھ شہرت نہیں رکھتے تھے۔ (معجم، جلد ۲۱، صفحہ ۴۷)

استاد سبحانی فرماتے ہیں:

الف: عبداللہ بن محمد الاسدی کتب رجال میں اس نام سے ذکر ہوئے ہیں اور اسناد روایات میں عبداللہ الحجال، عبداللہ بن محمد بن الحجال، ابی محمد الحجال، عبداللہ المزخرف، (جو کہ اصحاب امام رضاؑ) میں سے ہیں ذکر ہوئے ہیں۔ یہ طبقہ کے لحاظ سے لیث بن البختری اور یحییٰ بن ابی القاسم سے مشترک نہیں ہو سکتے۔

اما ابوبصیر عبداللہ بن محمد الاسدی اس کا ذکر کتب رجال میں نہیں سوائے اس کے جو کشی نے رجال میں کہا ہے ان کا نام لینے کے بعد ایک روایت ذکر کی ہے لیکن اس میں بھی کوئی قرینہ نہیں ہے کہ یہ مراد ہیں چونکہ ابوبصیر مطلق آیا ہے اور اس سے راوی عبداللہ بن الوضاح ہیں جو کہ یحییٰ بن ابی القاسم کے رواۃ میں سے تھے اور مروی عنہ امام صادق علیہ السلام ہیں جس میں حضرت نے یا ابا محمد کہہ کر انہیں مخاطب کیا ہے اور یہ یحییٰ کی کنیت تھی۔ لہذا کشی سے سوال کرنا چاہئے کہ آپ کیسے کہتے ہیں یہ یحییٰ بن ابی القاسم نہیں ہیں بلکہ عبداللہ بن محمد الاسدی ہیں۔ اسی وجہ سے علامہ کلباسی نے کہا: کشی نے بلاوجہ یہ روایت یہاں ذکر کی ہے اور علامہ تستری نے کہا: اس نام کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا............

اور علی بن الحسن الفضال سے جب ابوبصیر کے بارے سوال ہوا تو آپ نے کہا: **اسمه یحیٰی بن ابی القاسم کان یکنّٰی ابا محمد و کان مولی لبنی اسد و کان مکفوفًا۔** (اختیار معرفۃ الرجال، رقم ۲۹۶)

ب:۔ شیخ نے رجال میں ذکر کیا: **یوسف بن الحارث بتری یکنّٰی ابا بصیر** ان کا مستند بعض نسخ کشی ہیں جس میں یہ وارد ہیں لیکن کشی کے تصحیح شدہ نسخ میں بقول قہپائی ابونصر بن یوسف بن الحارث بصری ہیں۔

اگر ایسی کنیت یہ رکھتے بھی ہوں تب بھی اس کنیت کے ساتھ مشہور نہیں تھے۔
اور یہ شخص ثقہ نہیں تھا بلکہ بتری تھا اور بتر یہ وہ ہیں جو کثیر النواء حسن بن صالح بن حی و سالم بن ابی حفصہ و حکم بن عتیبہ و سلمہ بن کھیل اور ابی المقدام ثابت الحدّاد کے اصحاب میں سے تھے انہوں نے ولایت علی علیہ السلام کی دعوت دی پھر ولایت ابوبکر و عمر کے داعی بنے اور ان دونوں کی امامت کے قائل تھے اور اولاد امامؑ میں جو بھی خروج کرتا اس کی امامت کی قائل تھے۔

ج:۔لیث بن البختری امام محمد باقر، امام جعفر صادق اور امام کاظم علیہم السلام کے اصحاب میں سے تھے اور آپ ابوبصیر کی کنیت سے مشہور تھے۔لیکن ان کی کنیت ابو محمد یا ابو یحییٰ ہونا اور ان کا مکفوف ہونا یہ دعویٰ محمد تقی مجلسی نے کیا ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ان کی وثاقت بلا تردید ثابت ہے اگر چہ کتب قدماء میں وارد نہیں ہے ان کے بارے بہت سی صحیح روایات وارد ہیں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: **بشّر المخبتين بالجنة بريد بن معاويه العجل و ابو بصير ليث بن البختری المرادی و محمد بن مسلم و زراره اربعة نجباء افاء اللّٰه علی حلاله و حرامه لولا هؤلاء انقطعت آثار النبوة و اندرست۔**

(اختیار الرجال، صفحہ ۱۷۰، ح ۲۸۶)

ترجمہ: زرارہ میں سند صحیح کے ساتھ مروی ہے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: **ما احد احيى ذكرنا و احاديث ابیؑ الاّ زراره و ابو بصير ليث المرادی و محمد بن مسلم و بريد بن معاويه العجلی ولولا هؤلاء ما كان احد يستنبط هذا، هؤلاء حفاظ الدين و امناء ابی علی حلاله و حرامه و هم السابقون الينا فی الدنيا والسابقون الينا فی الآخرة۔**

ابن غضائری نے بھی آپ کی توثیق کی ہے۔

ان کی مذمت میں جو روایات صادر ہیں یا ضعیف ہیں اور جو موثق ہیں وہ تقیہ ہیں جیسا کہ زرارہ کے بارے ہیں۔

د:۔ یحییٰ بن ابی القاسم الاسدی یہ بھی اصحاب ائمہ ثلاثہ میں سے تھے اور آپ مکفوف ضریر البصر تھے آپ نے دنیا کو ایک یا دو دفعہ دیکھا امام پاک معجزہ کے ذریعے۔ آپ کی کنیت ابوبصیر و ابو محمد تھی آپ کے باپ کا نام اسحاق تھا، نجاشی نے آپ کا ذکر یحییٰ بن القاسم ابوبصیر الاسدی کہہ کر کیا پھر قیل کے ساتھ کہا: **یحییٰ بن ابی القاسم و اسم ابی القاسم اسحاق** ۔لیکن یہ کثرت سے مذکور ہے کہ آپ یحییٰ بن ابی القاسم تھے۔

آپ کی وثاقت بھی بلا اشکال ہے علماء رجال نے توثیق کی ہے کافی میں سند صحیح کے ساتھ شعیب عقرقوفی روایت کرتے ہیں: **(ابن اخت ابی بصیر) قلت لابی عبد اللّٰہ ربّما احتجنا ان نسئل فمن نسئل قال علیک بالاسدی یعنی ابابصیر۔**

روایات میں ہے کہ امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام انہیں یا ابا محمد کہہ کر خطاب کرتے جو کہ تعظیم پر دال ہے۔ان کی طرف وقف کی نسبت دی گئی ہے لیکن یہ تو ہم اس وجہ سے پیدا ہوا کہ ان کا نام یحییٰ بن ابی القاسم الحذّاء واقفی کے مشابہ تھا جبکہ ابی بصیر ۱۵۰ میں فوت ہو گئے اور وقف بعد از شہادتِ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پیدا ہوا۔

لیث مرادی و اسدی میں تمیز

یہ دونوں ثقہ تھے ان میں اشتراک سے کوئی مشکل تو پیش نہیں آتی لیکن فائدہ رجالی کی بناء پر جو علماء رجال نے کہا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

علی بن ابی حمزہ ابو بصیر اسدی سے روایت کرتے ہیں اور ان کے قائد تھے اور ظاہراً ابن ابی حمزہ نے مرادی سے اصلاً روایت نہیں کی۔

اور اگر شعیب عقرقوفی، عبداللہ بن وضاح، حسین بن ابی العلاء اور جعفر بن عثمان روایت کریں تو یہ ابو بصیر اسدی ہوں گے۔ اور اگر ابو بصیر سے عبداللہ بن مسکان یا ابو جلیلہ مفضل بن صالح یا ابان بن عثمان روایت کریں تو لیث مرادی ہوں گے۔

علامہ خوانساری و محقق تستری نے کہا ہے کہ جب بھی بقول مطلق بولا جائے مراد یحییٰ بن ابی القاسم الاسدی ہوں گے۔ چونکہ لیث مطلق ابو بصیر کے ساتھ نہیں بولے جاتے بلکہ غالباً نام کے ساتھ اور کنیت ہو تو مرادی کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔

فائدہ ۵

عنایۃ اللہ قھپائی مجمع الرجال میں فرماتے ہیں:

۱۔ ابن مسکان جب محمد الحلبی سے روایت کریں تو ظاہراً یہ عبداللہ ہیں جیسا کہ رجال نجاشی میں ان کے ترجمہ میں مذکور ہے۔

۲۔ جب محمد بن الحسین روایت کرے: **عن محمد بن یحییٰ** تو اول سے مراد ابی الخطاب ہیں اور دوسرے سے مراد خزاز ہیں جیسا کہ فہرست میں ترجمہ غیاث بن ابراہیم میں مذکور ہے۔

۳۔ اگر وارد ہو **موسیٰ بن القاسم عن علی عنہما**، تو علی سے مراد علی بن الحسن الطاطری ہے اور **عنہما** سے مراد محمد بن ابی حمزہ اور درست ہیں بعض دفعہ علی کی جگہ الجرمی کی تعبیر آئی ہے یہ انہی کا لقب ہے۔

۴۔ احمد بن محمد عباس بن موسیٰ الورّاق سے بھی روایت کرتے ہیں اور

عباس بن معروف سے بھی لہٰذا اگر عباس مطلق ذکر ہوں تو دونوں میں مشترک ہے۔

۵۔ اگر محمد بن علی بن محبوب عباس سے روایت کریں اس طرح احمد بن محمد بن یحییٰ عباس سے روایت کریں تو یہ عباس بن معرف ہوں گے۔

۶۔ اگر فُضالہ ابان سے روایت کریں تو یہ ابان بن عثمان ہیں، شیخ نے تہذیب کی جزءاول کے زیارات میں اسے معین کیا ہے۔

۷۔ اور اگر فضالہ، ابن سنان سے روایت کریں تو یہ عبداللہ بن سنان ہیں جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہوئی ہے۔

۸۔ اگر فضالہ حسین سے روایت کریں تو یہ حسین بن عثمان ہیں جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے۔

(تہذیب، جلد ا، صفحہ ۱۴۸)

۹۔ علامہ نے فوائد خلاصہ میں کہا: بہت سی اخبار میں ہے سعد بن عبداللہ عن ابی جعفر، یہ احمد بن محمد بن عیسیٰ ہیں البتہ یہ اس صورت میں ہے کہ ابوجعفر مطلق ہو ورنہ دوسرے موارد میں تعیین بھی ہوئی ہے مثلاً کافی میں باب مولا الامام الصادق علیہ السلام میں ہے **سعد بن عبد اللّٰہ عن ابی جعفر محمد بن عمرو بن سعید۔**

۱۰۔ شیخ عبدالنبی جزائری لکھتے ہیں کہ روایت میں اگر ابن سنان وارد ہو تو اگر مروی عنہ امام صادق علیہ السلام ہوں تو یہ عبداللہ ہیں نہ

کہ محمد (اگر چہ یہ دونوں بھائی ہیں جیسا کہ رجال شیخ میں ہے)۔

کیونکہ روایات کی تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں محمد کے نام کی تصریح ہے وہ امام صادق علیہ السلام سے واسطہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور شیخ نے رجال میں ایک جماعت کے نام ذکر کئے ہیں جو امام صادق علیہ السلام سے بلاواسطہ روایت نہیں کرتے ان میں محمد بن سنان کا نام بھی ہے۔

ہاں مشکل وہاں پیش آتی ہے جہاں ابن سنان سند کے وسط میں واقع ہو کہ کون سا مراد ہے؟ اگر اس سے راوی فضالہ بن ایوب یا نضر بن سوید ہو تو ظاہراً عبداللہ بن سنان مراد ہیں اور اگر راوی حسین بن سعید یا احمد بن محمد بن عیسیٰ ہیں تو ظاہراً محمد بن سنان مراد ہیں، اس وجہ سے محقق نے معتبر میں کہا: جس سند میں حسین بن سعید، ابن سنان سے روایت کریں وہ ضعیف ہے چونکہ یہ محمد بن سنان ہیں۔

(المعتبر، صفحہ ۲۵، لآثار)

شہید نے اس کے عبداللہ بن سنان ہونے کا احتمال دیا ہے جو کہ بعید ہے۔

(منتقی الجمان، فائدہ سادسہ)

اس کی وجہ وہ روایت ہے جو تہذیب کتاب الصلوۃ میں ہے۔

حسین بن سعید عن عبد اللّٰه بن سنان ۔لیکن تتبع اور اعتبار شاہد ہیں کہ یہ اغلاط میں سے ہے جو شیخ کی دونوں کتابوں میں واقع ہے۔

(حاوی الاقوال، خاتمہ)

اما جو بات اوپر شیخ سے نقل ہوئی کہ محمد و عبداللہ بن سنان بھائی تھے۔ بات مشہور نہیں ہے اور نہ ثابت ہے محمد کے باپ کا نام حسن تھا جو فوت ہو گیا تو اس کی پرورش اس کے دادا سنان نے کی جس کی وجہ سے وہ محمد بن سنان کے نام سے مشہور ہو گیا۔ شیخ

نے رجال میں کہا: **محمد بن سنان بن طریف الهاشمي و اخوه عبدالله۔** یہ دونوں غیر معروف تھے اور الگ ہیں نہ کہ محمد بن سنان معروف مراد ہے چونکہ یہ مولیٰ عمرو بن الحمیق خزاعی تھے۔

۱۱۔ اگر روایت میں **سعد بن عبدالله عن جمیل** اور **عن حماد بن عیسیٰ** ہو تو ظاہراً ارسال ہے روایت کی سند میں چونکہ ثابت یہ ہے کہ سعد حماد سے متعدد واسطہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور جمیل بھی حماد کے طبقہ کے ہیں۔

۱۲۔ اگر علاء روایت کریں محمد سے تو **علاء ابن رزین عن محمد بن مسلم** مراد ہے۔

اگر روایت احمد بن محمد سے ہو تو اگر شیخ کی کلام میں اول سند میں یا اس کے قریب ہو تو یہ ابن الولید ہیں اور اگر آخر سند میں **عن الرضا علیہ السلام** ہو تو یہ بزنطی ہیں۔ اگر وسط سند میں ہو تو **احمد بن محمد بن عیسٰی** اور اس کے غیر میں مشترک ہے طبقات کے ذریعے تعیین کرنا ہوگی۔

۱۴۔ اگر محمد بن یحییٰ سے روایت ہو تو اگر کلام کلینی میں ہو بغیر واسطہ کے ہو تو یہ عطار ہیں، اگر امام صادق علیہ السلام سے روایت کرے تو ہوسکتا ہے محمد بن یحییٰ الخراز ہوں جو کہ ثقہ ہیں، ہوسکتا ہے یہ خثعمی ہوں یہ بھی ثقہ ہیں لیکن شیخ نے کہا یہ عامی ہیں۔

(الاستبصار، جلد۲، صفحہ۳۰۵)

فائدہ ۶

بعض کتب مشہورہ کے بارے گفتگو (یہ مسلم داوری کی کتاب الرجال سے خلاصہ ہے):

(۱) مستطرفات السرائر

یہ اس مجموعہ روایات پر مشتمل ہے جو شیخ محمد بن ادریس الحلّی نے اپنی کتاب فقہ السرائر کے آخر میں مندرج کی ہیں، آپ خود کتب و اصول سے نقل کرتے ہیں بغیر سند کے جس سے ذہن میں آتا ہے کہ یہ سب مرسل روایات ہیں چونکہ ابن ادریس کا طریق ان کتب تک معروف نہیں ہے۔ البتہ آقای خوئیؒ نے روایات کتاب محمد بن علی بن محبوب اور نوادر البزنطی کا استثناء کیا ہے لیکن ایک اور طریق سے ان روایات کو ارسال سے خارج کر کے مسند کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ ابن ادریس شیخ طوسیؒ کی تمام کتب کو روایت کرتے ہیں کہ ان میں سے شیخ کی الفہرست بھی ہے پس شیخ کی جملہ اسناد ان کتب تک ابن ادریس کی اسناد شمار ہوں گی۔ اب جن جن اصول سے شیخ کی سند ہے اور وہ سند صحیح ہو تو مستطرفات کی روایات اس اصل سے صحیح شمار ہوں گی۔

(۲) نوادر الحکمة محمد بن احمد بن یحییٰ

نجاشی مصنف کے بارے فرماتے ہیں: **کان ثقة فی الحدیث الاّ ان اصحابنا قالوا کان یروی عن الضعفاء و یعتمد علی المراسیل ولا یبالی عمّن اخذ، وکان محمد بن الحسن بن الولید یستثنیٰ من روایة محمد بن احمد بن یحییٰ ما رواہ عن:**۔ کہ یہ ثقہ فی الحدیث تھے لیکن ہمارے اصحاب کہتے تھے کہ یہ ضعفاء سے روایت کرتے تھے اور مرسلہ روایات پر اعتماد کرتے تھے اور پروا نہیں کرتے تھے کہ روایت کس سے لے رہے ہیں اور محمد بن حسن بن ولید ان کی روایات سے استثناء کرتے ان روایات کو جو وہ درج ذیل افراد سے روایت کرتے

ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔

آپ نے ۲۵ افراد کا استثناء کیا ہے کہ یہ افراد یا اسناد ضعیف ہیں:

۱۔ محمد بن موسیٰ الهمدانی
۲۔ ما رواه عن رجل او يقول بعض اصحابنا
۳۔ محمد بن يحيىٰ المعاذی
۴۔ او عن ابی عبد اللّٰه الرازی الجامورانی
۵۔ او عن ابی عبد اللّٰه السياری
۶۔ عن يوسف ابن السخت
۷۔ عن وهب بن منبة
۸۔ عن ابی علی النيشاپوری
۹۔ عن ابی يحيىٰ الواسطی
۱۰۔ عن محمد بن علی ابی سمينه
۱۱۔ عن سهل بن زياد الآدمی
۱۲۔ عن محمد بن عيسٰی بن عبيد
۱۳۔ عن احمد بن هلال
۱۴۔ عن محمد بن علی الهمدانی
۱۵۔ عن عبداللّٰه بن محمد الشامی
۱۶۔ عن عبداللّٰه بن احمد الرازی
۱۷۔ عن احمد بن الحسين بن سعيد
۱۸۔ احمد بن بشير البرقی
۱۹۔ عن محمد بن هارون
۲۰۔ عن صمويه بن معروف
۲۱۔ عن محمد بن عبداللّٰه بن مهران
۲۲۔ ما ينفرد به حسن بن حسين اللولؤی
۲۳۔ عن جعفر بن محمد بن مالک
۲۴۔ يوسف بن الحارث.
۲۵۔ عبداللّٰه بن محمد الدمشقی

یہ استثناء ضعف راوی پر بلاشبہ دلالت کرتا ہے چونکہ ابوالعباس بن نوح نے اعتراض کیا ہے کہ محمد بن عیسیٰ بن عبید کو کیوں مستثنیٰ میں داخل کیا گیا جبکہ وہ ثقہ و عادل تھے اور شیخ طوسیؒ نے بھی اس استثناء پر اعتماد کیا ہے۔آپ ابوسعید آدمی کے بارے کہتے ہیں: **وھو ضعیف جدًا عند نقاد الاخبار و قد استثناہ ابو جعفر بن بابویہ فی رجال نوادر الحکمۃ**۔(استبصار، جلد۳، حدیث ۹۳۵)

اس استثناء سے پتہ چلتا ہے کہ باقی روات نوادرالحکمۃ ثقہ ہیں اور قابل اعتماد ہیں یا ممکن ہے مراد توثیق رواۃ نہ ہو بلکہ نوادرالحکمۃ کی روایات موثوق الصدور ہیں؟ بہرکیف یہ دوسرا امر تو ثابت ہے اور دوسرے امر کے بارے بحث ہے کہ بقیہ رواۃ میں بعض مسلمًا ضعیف ہیں۔

(۳) دعائم الاسلام للقاضی ابی حنیفہ نعمان بن ابی عبداللہ محمد بن منصور التمیمی المغربی

محدث نوری نے اس کتاب کو کتب معتبرہ میں سے شمار کیا ہے اور اس کی روایات کو صحیح شمار کیا ہے۔مصنف کی اپنی شہادت بھی ہے مقدمہ میں۔

نقتصر فیہ علی الثابت الصحیح ممّا رویناہ عن الائمۃ من اھل بیت رسول اللہؐ اجمعین۔اس شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب میں سب روایات صحیح ہیں۔

امّا المصنف

آپ مصر میں فاطمی دور میں قاضی تھے، آپ کا ذکر جب ہوتا ہے تو قدح و مدح مذکور نہیں ہوتی۔بعض نے مدح کی ہے صاحب معالم العلماء فرماتے ہیں: **لیس بامامی و کتبہ حسان**۔لیکن صاحب المقابیس نے کہا: آپ کی کتاب سے پتہ چلتا

ہے کہ آپ امامی تھے اس کے باوجود آپ کے بارے قدح و مذمت وارد نہیں ہے لہذا ممدوحین میں سے ہوں گے۔ چونکہ فاطمی دور میں تھے لہذا صرف تا امام صادقؑ سے روایات بیان کرتے ہیں بعد والے ائمہ سے روایت نہیں لی، ہوسکتا ہے خود بھی اسماعیلی ہوں اور ہوسکتا ہے تقیہ کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں، اسماعیلی ہوں تب بھی فرق نہیں پڑتا ہے اگر وثاقت ثابت ہو جائے تو ان کی کتاب سے روایات لی جاسکتی ہیں۔

اما الکتاب: ۔اس کتاب کا طریق ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ محدث نوری نے اس کی تصحیح کا حکم لگایا اور کہا گیا ہے کہ کتاب مشہور تھی اسے طریق کی ضرورت نہیں لیکن یہ بات درست نہیں چونکہ دولت فاطمی کے انقراض کے بعد وہ شہرت نہ رہی جبکہ شہرت میں استمرار شرط ہے، اور خود شہادت مصنف بھی یہ وضاحت نہیں کرتی کہ روایات صحیحہ ہیں چونکہ بعد والے جملہ میں کہا: **من جملة ما اختلفت الرواة عنهم** کہ یہ شہادت صرف اختلافی روایات کے حوالے سے ہے لہذا شہادت بھی مجمل ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے۔

(۴) تفسیر قمی لعلیّ بن ابراهیم القمّی

مصنف نے مقدمہ تفسیر میں کہا: **ونحن ذاكرون و مخبرون بما ينتهي الينا و رواه مشائخنا و ثقاتنا عن الذين فرض الله طاعتهم و اوجب ولايتهم ولا يقبل عمل الاّ بهم۔**

اس شہادت سے بعض نے کہا کہ یہ توثیق عام ہے، تمام رواۃ کتاب کی صاحب وسائل نے کہا اور آیت اللہ خوئی نے بھی یہ قبول کیا البتہ ان الفاظ میں دقت کریں تو تین شرطیں ضروری ہیں:

(۱) راوی شیعہ ہو۔

(۲) سند معصوم تک متصل ہو، مرسل و مقطوع نہ ہو۔

(۳) **منتھی الی المعصوم** ہو۔

کتاب، آیا یہ تمام تفسیر علی بن ابراہیم کی ہے یا مجموعہ ہے دو تفسیروں کا۔ قمی اور ابی الجارود سے جن کو ابوالفضل العباس بن محمد بن القاسم بن حمزہ بن موسیٰ الکاظمؑ نے جمع کیا ہے چونکہ مقدمہ میں وہ کہتے ہیں: **حدثنا علی بن ابراھیم**۔

اس تفسیر کا جمع کرنے والا کتب رجال میں مذکور نہیں ہے، اور تفسیر ابی الجارود بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہے، صرف نجاشی و شیخ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ یہ مجموعہ ہے دو تفسیروں کا، چونکہ:

(۱) علی بن ابراہیم اور ابراہیم بن ہاشم کے درمیان واسطہ موجود ہے جبکہ باپ اور بیٹے کے درمیان واسطہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) کتاب میں وارد ہے: **راجع الی تفسیر علی بن ابراھیم**۔

(۳) اس تفسیر میں احمد بن محمد سے کثرت سے روایت ہے جو کہ ظاہراً ابن عقدہ ہیں اور یہ ابن عقدہ کلینی کے راوی ہیں اور کلینی علی بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں۔

اور دونوں تفسیروں میں تمیز یوں ہو سکتی ہے کہ جہاں **حدثنا** ہو یا **اخبرنا** اور سند طولانی ہو وہ جامع کی طرف سے ہے اور جہاں **حدثنی ابی** ہو اور سند مختصر ہو وہ علی بن ابراہیم کی ہے اور اس کو یہ توثیق شامل ہوگی وہ بھی صرف بلا واسطہ رواۃ کو چونکہ **مشائخنا و ثقاتنا** کہا ہے۔

تفسیر ابی الجارود

زیاد بن المنذر ابو الجارود الھمدانی الاعمیٰ، یہ کوفی تھے، اصحاب

امام محمد باقر علیہ السلام سے تھے۔ زید کے خروج کے بعد یہ زیدی ہوگئے اور ان کی مذمت میں روایات کشی نے نقل کی ہیں، لیکن صدوق نے ایسی روایات نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حق کی طرف لوٹ آئے تھے۔ نجاشی و شیخ اس تفسیر تک اپنی سند ذکر کرتے ہیں۔

(٤) کامل الزیارات

لابی القاسم جعفر بن محمد بن جعفر بن موسیٰ بن قولویه

اس کے بارے گفتگو پہلے گزر چکی ہے یہ بھی ان کتب میں سے ہے جن کی وثاقت کا دعویٰ کیا گیا ہے کیونکہ مؤلف کتاب نے مقدمہ میں اس کی شہادت دی ہے یہ کہتے ہوئے: ﴿**ولم اخرج فیه حدیث رُوِی عن غیرهم...... لکن ما وقع لنا من جهة الثقات من اصحابنا رحمهم الله برحمته ولا اخرجت فیه حدیثا روی عن الشذاذ من الرجال**﴾ یعنی میں نے اس کتاب میں وہ روایات جمع کی ہیں جو ثقہ افراد کے ذریعے روایت کی گئی اور ایسی کوئی روایت نہیں لایا جو شاذ افراد نے روایت کی ہو" علماء نے اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ تمام روایات کے بارے شہادت ہے یا صرف آپ کے مشائخ کے بارے ہے؟ آقای خوئی قدس سرّہ تمام روایات کے بارے میں یہ شہادت سمجھتے تھے لیکن بعد میں آپ اس رائے سے منحرف ہوگئے تھے اور صحیح دوسرا نظریہ ہے۔ (معجم رجال الحدیث، ج ۱، ص ۵۰)

خاتمہ

آخر میں علم درایۃ الحدیث کی بعض اصطلاحات کا ذکر ضروری ہے جن کی کثرت سے ضرورت پیش آتی ہے:

علم الدرایۃ کی تعریف شہید ثانی نے یوں فرمائی ہے:

علم یبحث فیہ عن متن الحدیث و طرقہ من صحیحھا و سقیمھا و علیلھا وما یحتاج من شرائط القبول و الردّ لیعرف المقبول منہ والمردود۔

(الدرایہ، صفحہ۵)

غالب ابحاث اس علم میں سند سے مربوط ہیں چونکہ حدیث کی اقسام سند ہی کے پیش نظر ہوتی ہیں۔

اس سے مختصر اور بہتر تعریف شیخ بہاء الدین العاملی نے کی ہے:

علم یبحث فیہ عن سند الحدیث و متنہ و کیفیۃ تحمّلہ و آداب نقلہ۔ (الوجیزہ، صفحہ۱)

شیخ طوسیؒ فرماتے ہیں:

اخبار دو قسم پر ہیں متواتر و غیر متواتر۔ متواتر وہ ہے جو موجب علم ہو جو حدیث ایسی ہو اس پر عمل واجب ہے کسی اور چیز کے اضافے کی توقع کے بغیر اور غیر متواتر دو قسم پر ہے قسم اول وہ جو موجب علم ہو یہ وہ خبر ہے جو موجب علم قرینہ کے ساتھ مقترن ہو

جو حدیث ایسی ہو اس پر بھی عمل واجب ہے اور قرائن مختلف ہو سکتے ہیں جیسے ادلہ عقلیہ و مقتضای عقل کے مطابق ہونا یا ظاہر قرآن کے مطابق ہونا۔ (الاستبصار، جلد۱، صفحہ۴)

شیخ حر عاملی نے فرمایا:

قرائن تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) وہ جو ثبوت خبر فی نفسہ پر دلالت کریں، (۲) وہ جو ثبوت مضمون خبر پر دلالت کریں اگر چہ خبر کے موضوع ہونے کا احتمال ہو، (۳) وہ جو ایک خبر کی اس کے معارض پر ترجیح پر دلالت کریں۔ (الفوائد الطوسیۃ)

اقسام الحدیث

شہید اول نے بدایہ میں حدیث کی ابتدائی چار اقسام ذکر کی ہیں: صحیح، حسن، موثق اور ضعیف، اور پھر فرعی اقسام ذکر کیں کہ مجموعاً تیں (۳۰) اقسام بن گئی۔ بعد والوں نے اسی کی پیروی کی۔

۱۔ المتواتر:

وھو ما بلغت رواتہ فی الکثرۃ مبلغاً احالت العادۃ توء اطؤھم علی الکذب ۔ یعنی متواتر وہ حدیث ہے کہ ہر طبقہ میں اس کے رواۃ کی تعداد (اتنی ہو کہ عادۃً ان کا کذب پر اکٹھا محال ہو۔ جیسے حدیث نبویؐ **من کذب علیّ متعمّدا فلیتبوّء مقعدہ من النار** ۔ کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جم غفیر نے نقل کیا ہے، کہا گیا ہے چالیس افراد نے اور پھر یہ ہر طبقہ میں تعداد بڑھتی رہی اور حدیث **انّما الاعمال بالنّیات** متواتر نہیں ہے اگر چہ بعد میں اس کے ناقل بڑھ گئے لیکن ابتدائی طبقہ میں یہ تعداد کم تھی۔

۲۔الآحاد:

وہ خبر جو حدّ متواتر کو نہ پہنچے اسے خبر واحد کہتے ہیں پھر خبر واحد یا مستفیض ہے یہ وہ خبر ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں تین ہوں یا دو ہوں محقق داماد فرماتے ہیں:

المستفیض و یقال له المشهور والشائع هو ما ذاع و شاع امّا عند اهل الحدیث خاصة دون غیرهم بأن نقله منهم رواة کثیرون۔

۳۔الصحیح:

بدایہ میں شہید نے فرمایا: **وهو ما اتصل سنده الی المعصوم بنقل الامامی العدل عن مثلإه فی جمیع الطبقات۔**

۴۔الحسن:

هو ما اتصل سنده کذلک بامامی ممدوح من غیر نصّ علی عدالته مع تحقق ذلک فی جمیع مراتبه اوفی بعضها مع کون الباقی من رجال الصحیح۔

۵۔المؤثق:

وهو ما دخل فی طریقه مَنْ نصّ الاصحاب علی توثیقه مع فساد عقیدته ولم یشتمل باقیه علی ضعف و قد یطلق القوی علی ما یروی الامامی غیر الممدوح ولا المذموم۔

۶۔الضعیف:

وهو مالا یجتمع فیه شروط احد الثلاثة بان یشتمل طریقه علی مجروح او مجهول الحال او ما دون ذلک

۷۔السند:

وهو ما اتصل سنده مرفوعاً الی المعصومؑ۔

۸۔المتصل:

و سمی ایضاً الموصول وهو ما اتصل اسناده الی المعصوم او غیره و کان کل واحد من رواته قد سمعه ممّن هو فوقه او ما هو فی معنی السماع سواء کان مرفوعاً او موقوفاً (علی غیر المعصوم)۔

۹۔المرفوع:

وهو ما أُضیف الی المعصوم من قول او فعل او تقریر سواء کان اسناده متصلاً ام منقطعاً مثلاً قول محمد بن یعقوب الکلینی علی بن ابراهیم رفعه الی ابی عبداللّٰهؑ قال طلبة العلم ثلاثه فاعرفهم باعیانهم و صفاتهم، صنف یطلبه للجهل و المراء و صنف یطلبه للاستطالة و الختل و صنف یطلبه للفقه و العقل۔

۱۰۔المعلّق:

وهو ما حذف من مبدی اسناده واحد فأکثر ولا یخرج المعلّق عن الصحیح اذا عرف المحذوف من جهة ثقة۔جیسا کہ تعلیق کے حوالے سے بحث سابقاً گزر چکی ہے۔

۱۱۔المدرَج:

وهو ما اُدرج فیه کلام بعض الرواة فیظنّ انه منه او یکون متنان باسنادین فیه فیدرجهما فی احدهما۔

۲۔الآحاد:

وہ خبر جو حدّ متواتر کو نہ پہنچے اسے خبر واحد کہتے ہیں پھر خبر واحد یا مستفیض ہے یہ وہ خبر ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں تین ہوں یا دو ہوں محقق داماد فرماتے ہیں: **المستفیض و یقال له المشهور والشائع هو ما ذاع و شاع امّا عند اهل الحدیث خاصة دون غیرهم بأن نقله منهم رواة کثیرون۔**

۳۔الصحیح:

بدایہ میں شہید نے فرمایا: **وهو ما اتصل سنده الی المعصوم بنقل الامامی العدل عن مثلاه فی جمیع الطبقات۔**

۴۔الحسن:

هو ما اتصل سنده کذلک بامامی ممدوح من غیر نصّ علی عدالته مع تحقق ذلک فی جمیع مراتبه اوفی بعضها مع کون الباقی من رجال الصحیح۔

۵۔المؤثق:

وهو ما دخل فی طریقه مَنْ نصّ الاصحاب علی توثیقه مع فساد عقیدته ولم یشتمل باقیه علی ضعف و قد یطلق القوی علی ما یروی الامامی غیر الممدوح ولا المذموم۔

۶۔الضعیف:

وهو مالا یجتمع فیه شروط احد الثلاثة بان یشتمل طریقه علی مجروح او مجهول الحال او ما دون ذلک

۷۔السند:

وهو ما اتصل سنده مرفوعاً الی المعصومؑ۔

۸۔المتصل:

و سمی ایضاً الموصول وهو ما اتصل اسناده الی المعصوم او غیره و کان کل واحد من رواته قد سمعه ممّن هو فوقه او ما هو فی معنی السماع سواء کان مرفوعاً او موقوفاً (علی غیر المعصوم)۔

۹۔المرفوع:

وهو ما أضیف الی المعصوم من قول او فعل او تقریر سواء کان اسناده متصلاً ام منقطعاً مثلاً قول محمد بن یعقوب الکلینی علی بن ابراهیم رفعه الی ابی عبداللّٰہؑ قال طلبة العلم ثلاثه فاعرفهم باعیانهم و صفاتهم، صنف یطلبه للجهل والمراء و صنف یطلبه للاستطالة و الختل و صنف یطلبه للفقه و العقل۔

۱۰۔المعلّق:

وهو ما حذف من مبدی اسناده واحد فأکثر ولا یخرج المعلّق عن الصحیح اذا عرف المحذوف من جهة ثقة۔جیسا کہ تعلیق کے حوالے سے بحث سابقاً گزر چکی ہے۔

۱۱۔المدرَج:

وهو ما أدرج فیه کلام بعض الرواة فیظنّ انه منه او یکون متنان باسنادین فیه فیدرجهما فی احدهما۔

۱۲۔الغریب:

وھو امّا غریب اسناداً و متنًا معًا وھو ما تفرّد بروایة متنه واحد او غریب اسناداً خاصّة کحدیث یعرف متنه عن جماعة اذا انفرد واحد بروایته عن آخر عن غیرھم او غریب متنا خاصّة بأن اشتھر الحدیث المفرد فرواہ عمّن تفرد به جماعة کثیرة فانه ح یصیر غریبا مشھوراً و حدیث انّما الاعمال بالنیات من ھذا القبیل۔

۱۳۔الشاذ:

وھو ما رواہ الثقة مخالفاً لما رواہ الجمھور و ان کان المخالف له احفظ او اضبط او اعدل فشاذ مردود و الاّ فیه۔

۱۴۔الغریب:

وھو ما اشتمل متنه علی لفظ غافض بعید عن الفھم لقلّة استعماله۔

۱۵۔المقبول:

المقبول وھو الّذی تلقوہ بالقبول والعمل بمضمونه من غیر التفات الی صحته و عدمھا کحدیث عمر بن حنظله فی حال المتخاصمین۔

۱۶۔الموقوف:

وھو مطلق ماروی عن مصاحب المعصوم من قول او فعل متصلاً ام منقطعاً۔

۱۷۔المقطوع:

ما جاء عن التابعین ومن فی حکمهم من اقوالهم و افعالهم۔

۱۸۔المرسل:

وهو ما رواه عن المعصوم من لم یدرکه بغیر واسطة او بواسطه نسیها او ترکها او ابهمها من غیر ذکر الواسطة و یطلق علیه المنقطع والمقطوع باسقاط شخص واحد و المعضل باسقاط اکثر من واحد۔

۱۹۔المضمر:

وهو الحدیث الذی یشیر الی المروی عنه الاخیر بالضمیر الغائب کقوله سئلته۔

بقیہ اقسام حدیث کی شہرت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعریف کو یہاں ترک کرتے ہیں۔

طرق تحمّل حدیث

سات طرق سے ایک راوی حدیث کو لے کر آگے نقل کرتا ہے:

(۱) السماع۔ (۲) القرأة۔

(۳) الاجازه۔ (۴) المناولة۔

(۵) الکتابة۔ (۶) الاعلام۔

(۷) الوجادة۔

۱۔السماع:

سماع از لفظ شیخ یہ سب سے ارفع طریقہ ہے، راوی اپنے غیر سے کہے گا

۱۲۔الغریب:

وھو امّا غریب اسناداً و متنًا معًا وھو ما تفرّد بروایۃ متنہ واحد او غریب اسناداً خاصّۃ کحدیث یعرف متنہ عن جماعۃ اذا انفرد واحد بروایتہ عن آخر عن غیرھم او غریب متنا خاصّۃ بأن اشتھر الحدیث المفرد فرواہ عمّن تفرد بہ جماعۃ کثیرۃ فانہ ح یصیر غریبا مشھوراً و حدیث انّما الاعمال بالنیات من ھذا القبیل۔

۱۳۔الشاذ:

وھو ما رواہ الثقۃ مخالفاً لما رواہ الجمھور و ان کان المخالف لہ احفظ او اضبط او اعدل فشاذ مردود و الآ فیہ۔

۱۴۔الغریب:

وھو ما اشتمل متنہ علی لفظ غافض بعید عن الفھم لقلّۃ استعمالہ۔

۱۵۔المقبول:

المقبول وھو الّذی تلقّوہ بالقبول والعمل بمضمونہ من غیر التفات الی صحتہ و عدمھا کحدیث عمر بن حنظلہ فی حال المتخاصمین۔

۱۶۔الموقوف:

وھو مطلق ماروی عن مصاحب المعصوم من قول او فعل متصلاً ام منقطعاً۔

۱۷۔المقطوع:

ما جاء عن التابعین ومن فی حکمهم من اقوالهم و افعالهم۔

۱۸۔المرسل:

وهو ما رواه عن المعصوم من لم یدرکه بغیر واسطة او بواسطه نسیها او ترکها او ابهمها من غیر ذکر الواسطة و یطلق علیه المنقطع والمقطوع باسقاط شخص واحد و المعضل باسقاط اکثر من واحد۔

۱۹۔المضمر:

وهو الحدیث الذی یشیر الی المروی عنه الا خیر بالضمیر الغائب کقوله سئلته۔

بقیہ اقسام حدیث کی شہرت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعریف کو یہاں ترک کرتے ہیں۔

طرق تحمّل حدیث

سات طرق سے ایک راوی حدیث کو لے کر آگے نقل کرتا ہے:

(۱) السماع۔ (۲) القرأة۔

(۳) الاجازہ۔ (۴) المناولة۔

(۵) الکتابة۔ (۶) الاعلام۔

(۷) الوجادة۔

۱۔السماع:

سماع از لفظ شیخ یہ سب سے ارفع طریقہ ہے، راوی اپنے غیر سے کہے گا

سمعت فلاناً ۔اس کے بعد **حدّثنا** ہے **ثم اخبرنا** ہے پھر **انبأنا** ہے اور **نبّانا او قال لنا یا ذکر لنا** یہ دونوں **حدّثنا** کے حکم میں ہیں، سب سے کمتر **قال فلان** ہے جس میں **لی یالنا** کی تعبیر نہ ہو اور اگر ملاقات ثابت ہو تو اسے سماع پر حمل کیا جائے گا۔ اغلب احادیث اہل بیتؑ سماع ہیں لفظ مروی عنہ سے۔

عن علی بن ابراھیم عن ابیه عن ابی عمیر عن منصور بن یونس عن ابی بصیر قال لابی عبداللّٰہؑ قول اللّٰہ عزوجل "ثنائه، الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه" قالؑ ھو الرجل یسمع الحدیث فیحدّث کما سمعه ولا یزید فیه ولا ینقص منه۔ (الکافی، ج ۱، صفحہ ۵۱)

۲۔القرأة:

القرأة علی الشیخ و تسمّی العرض من حفظ او من کتاب ممّا یحفظه الشیخ او یقرئه والاصل بیده او بید ثقة غیره۔ کہتے ہیں: **قرأت علی فلان۔یا قرئی علیه و انا السمع فأقرّ الشیخ به۔**

۳۔الاجازة:

یہ جواز الماء سے ماخوذ ہے اس سے ہے **استجزته فأجازنی** یہ وہاں کہتے ہیں جب آپ اپنے چوپاؤں یا زمین کے لئے پانی مہیا کریں، طالب حدیث عالم حدیث سے اس کے علم کا جواز طلب کرتا ہے اور وہ اسے اس کی اجازت دے دیتا ہے۔ اس کے لئے کہیں گے: **اجزته مسموعاتی** ۔بعض نے کہا: یہ **اذن** ہے اجازہ کے لئے کہیں گے **اجزته روایة کذا۔**

۴۔المناولة:

یہ دو نوع پر ہے: (۱) **مقرون بالاجازہ**، اپنی اصل کسی کو دے تا کہ وہ اس

سے اپنا نسخہ تیار کر سکے اور ساتھ کہے: **هذا سماعي من فلان فاروها عني**۔ اسے عرض المناولہ کہتے ہیں۔

(۲) **مناولہ مجرد از اجازہ**، یعنی اسے کتاب دے اور کہے: **هذا سماعي**۔ اس کی آیا روایت صحیح ہے یا نہیں، اس بارے اختلاف ہے، شہید نے بدایہ میں فرمایا: اصح عدم جواز ہے۔

نجاشی فرماتے ہیں: **اخبرني ابن شاذان قال حدّثنا احمد بن محمد بن يحيٰى عن سعد عن احمد بن محمد بن عيسٰى قال خرجت الى الكوفة في طلب الحديث فلقيت بها الحسن بن علي الوشاء فسئلته ان يخرج لي كتاب العلاء بن رزين و ابان بن عثمان الاحمر فأخرجهما اليّ فقلت له احب ان تجيزهما لي، فقال لي يا رحمك الله ما عجلتك؟ اذهب فاكتبهما و اسمع من بعد فقلت لا آمن الحدثان، فقال لو علمت ان هذا الحديث يكون له هذا الطلب لاستكثرت منه فاني ادركت في هذا المسجد تسع مائة شيخ كل يقول حدّثني جعفر بن محمدؑ۔**

کلینیؒ امام رضا علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: **عن احمد بن عمر الحلال قال قلت لابي الحسن الرضا الرجل من اصحابنا يعطيني الكتاب ولا يقول اروه عني يجوزلي ان ارويه عنه؟ قال فقالؑ اذا علمت انّ الكتاب له فاروه عنه**۔ (الکافی، ج۱، صفحہ۵۲)

۵۔ الكتابة:

شیخ اپنی مرویات اپنے خط سے کسی کو لکھ کر دے یا کسی ثقہ سے کہے کہ وہ لکھ

دے، معرفت خط ضروری ہے تا کہ جعل سازی کا احتمال نہ رہے بعض نے بیّنہ علی الخط بھی شرط کیا ہے تا کہ مشابہت کا احتمال نہ رہے والاصح الاوّل۔

۶۔الاعلام:

شیخ طالب کواعلام کرے کہ یہ کتاب اس کی روایت ہے یا سماع صرف یہ کہنے سے آیا اس کے لئے اس کی روایت صحیح ہے یا نہیں! **لاقوی عدم الجواز۔**

۷۔الوجادة:

وھو ان یجد انسان مروّی انسان بخطّه ۔اب کہے گا: **وجدت او قرأت بخط فلان** ۔اگر واجد خط کے بارے مطمئن نہ ہوتو کہے گا: **بلغنی یا وجدت فی کتاب اخبرنی فلان انّه بخط فلان** ۔اگر مطمئن ہو کہ یہ نسخہ خود مصنف کا ہے تو کہے گا **قال فلان و انه بلغنی** کہے گا۔